ماہنامہ

نور الحبیب

بصیر پور

پاکستان



فقیہ اعظم نمبر

بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیم
قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین (القرآن)
ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ لکل ھول من الاھوال مقتحم۔

دار العلوم حنفیہ فریدیہ کا ترجمان

ماہنامہ

نور الحبیب بصیر پور

جلد ۴ جنوری، فروری ۱۹۹۲ء شمارہ: ۱، ۲

فقیہ اعظم نمبر

زیرِ ظلِ عاطفت:
حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی قدس سرہ

بنظرِ عنایت:
حضرت مولانا ابو الفضل
محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ

مدیرِ اعلیٰ: (صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

خصوصی ادارتی نظام برائے فقیہ اعظم نمبر

مدیران: محمد منشا تابش قصوری — خلیل احمد نوری — احمد علی قصوری

رفقاءِ کار: محمد فیض المصطفیٰ نوری۔ حافظ نذیر احمد نوری۔ عطا محمد گولڑوی۔
حکیم صابر علی وٹو۔ حافظ محمد اسد اللہ نوری۔ محمد یوسف نوری۔ محمد شریف نوری۔

ھدیہ خصوصی نمبر: ۴۰ روپے
سالانہ چندہ (عمومی) ۵۰ روپے

ترسیل زر کا پتہ: انجمن حزب الرحمٰن (شعبہ تبلیغ دار العلوم حنفیہ فریدیہ) بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

محمد محب اللہ نوری پبلشر نے باہتمام محمد اعظم بٹ گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر "نور الحبیب" دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور سے شائع کیا۔

کلامِ فقیہِ اعظم

حَبِیبِی حِبّی مَحبُوبِی اَغِثنِی یا رَسُولَ اللہ
مُحِبّی حِبِّی مَطلُوبِی اَغِثنِی یا رَسُولَ اللہ
عُبَیدُکَ فِی الرَّزایَا وَالمَرَاضَا مُستَغِیثٌ یَا رَسُولَ اللہ
طَبِیبِی طِبِّی مَصحُوبِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
فِدَاکَ اِخوَتِی اُمّی اَبِی اَبنَائِی اَحبَابِی
وِدَادِی وُدِّی مَرغُوبِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
تَرَانِی یَا حَبِیبَ القَلبِ قَد کَادَتنِی اَعدَائِی
فَرُدَّ الکَیدَ عَمَّا بِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
تَرَاهُم یَا حَبِیبَ الحَقِّ یَسعَونَ لِاِفنَائِی
لِاِیزَائِی وَاِتعَابِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
تَرَاکُم شَرَّ اَعدَائِی تَدَاعِیهُم لِاِفزَاعِی
تَرَاکُمُهُم لِاِرهَابِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
غِیَاثِی غَوثِیَ المَولٰی مُغِیثِی غَیثِیَ المَلجَا
مُعِینِی مَنِّی اِحسَابِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
عَزِیزٌ عَلَیکَ عَنَتِی فَانظُرنِی یَا شَفِیعِی
قَد کَثُرَت ذُنُوبِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ
اِلٰی کَم یَستَغِیثُ نُورُکَ یَا مَحبُوبَ رَبِّی
اَغِثَنَّ لِکُتَّابِی اَغِثنِی یَا رَسُولَ اللہ

صلی اللہ علیک وسلم

فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری

تجلیاتِ نور

تجلّیاتِ نُور

عاشقِ شہِ خُوباں (صلی اللہ علیہ وسلم)

سُوئے خُلد رَواں

تجلّیاتِ نُور

مجتہدِ دَوراں

آفتابِ علم و عرفاں، در نگاہِ دیدہ وراں

تجلیاتِ نور

کچھ بیاں اپنا

مدیر اعلیٰ

"فقیہ اعظم نمبر" پیش خدمت ہے!

منعم حقیقی (جل جلالہ) کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے ایک پاکباز بندے اور برگزیدہ شخصیت کی ذات بابرکات کے حوالے سے "فقیہ اعظم نمبر" شائع کرنے کی توفیق ارزاں فرمائی۔۔۔ یوں تو مدت سے ایک خواب تھا' ایک آرزو تھی کہ سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی سراپا انوار' حیات اور پاکیزہ سیرت کے مقدس گوشوں سے متلاشیان حق کو روشناس کرایا جائے مگر بات خیال سے آگے نہ بڑھنے پائی اور خواب کی عملی تعبیر میسر نہ آسکی۔۔۔۔۔ ۲۰ر اگست ۱۹۹۱ء کو فرزندان دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی سالانہ کانفرنس میں فقیہ اعظم نمبر کی تجویز سامنے آئی جس کی توثیق کرتے ہوئے ماہنامہ نور الحبیب کے ادارتی بورڈ نے اپنی ۷ر نومبر کی میٹنگ میں اس کی اشاعت کے لئے عزم بالجزم کیا اور طے پایا کہ سیدی فقیہ اعظم کے نویں عرس مبارک (منعقدہ ۶'۷ جنوری ۹۲ء) کے موقع پر خصوصی نمبر منظر عام پہ لایا جائے۔

ادھر وقت کی قلت اور ادھر یہ عزم کہ پہلے سے چھپا' چھپایا مواد ترتیب دینے کے بجائے نئی تحریریں اور نئے مضامین لکھوائے جائیں۔ توکلاً علی اللہ کام کا آغاز کر دیا گیا تائید ایزدی اور سیدی فقیہ اعظم کی روحانی توجہات نے قدم قدم پر ہماری دستگیری کی۔۔۔۔۔ صد شکر کہ مضامین کا انبار لگ گیا' یہ تمام قابل قدر مواد شامل اشاعت کیا جاتا تو کئی سو صفحات مزید درکار تھے۔۔۔ ذوق و شوق تو اس پر بھی آمادہ تھا مگر وقت کی تنگ دامانی آڑے آئی۔ چنانچہ پہلے پہل جو تحریریں موصول ہوئیں شامل کر دی گئیں' بقیہ اہم نوادرات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی خصوصی شمارے کی زینت بنیں گی۔۔۔ اسی طرح مناقب و منظوم کلام بھی آئندہ کے لئے محفوظ ہیں۔۔۔۔۔ بحمدہ تعالیٰ اس



شمارے میں ستانوے فیصد سے زائد تحریریں پہلی بار چھپ رہی ہیں۔

فقیہ اعظم نمبر کے لئے جن محققین، علماء، فضلاء، احباب و رفقاء، حضرت کے تلامذہ و مریدین اور اساتذہ دارالعلوم نے میری اعانت فرمائی، ان سب کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں۔ خصوصی ادارتی نظام برائے نمبر کے شرکاء کی کاوشیں بالخصوص لائق صد تحسین ہیں۔ ان حضرات کے اسماء گرامی حسب کارکردگی بالترتیب صفحہ اول کی زینت ہیں۔ بہت سا مواد ٹیپ سے نقل کیا گیا۔ یہ صبر آزما کام دارالعلوم کے ہونہار طلباء عزیزم مختار احمد اشرفی اور عزیزم صاحبزادہ حافظ محمد انعام اللہ اشرفی (سلمہما) نے انجام دیا ـــــ بعض احباب نے اشتہارات کے عطیات دیئے۔ اللہ تعالیٰ جملہ اہل قلم اور معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔

سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کے کئی گوشے اور کئی پہلو ہیں۔ ظاہر ہے ان سب کا احاطہ کسی ایک نمبر کے بس کی بات نہیں ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں فقیہ اعظم نمبر کے دوسرے حصے کے علاوہ "فتاویٰ نوریہ نمبر" کا منصوبہ پیش نظر ہے۔

حضرت کے جملہ تلامذہ، مریدین، متعلقین، محبین و معتقدین نیز ارباب علم و دانش کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ خصوصی توجہ فرما کر حضرت کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو سامنے لائیں اور آپ کے علمی مقام و مراتب سے عوام کو آگاہ کریں

نمبر کی ترتیب میں موضوعات کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس مجبوری کے پیش نظر ممکن ہے بعض اہم نام وہاں نظر نہ آئیں جہاں انہیں ہونا چاہئے۔ فقیہ اعظم نمبر کے مضامین کی تیاری، انتخاب، ترتیب و تدوین، کتابت اور جملہ طباعتی امور کے مراحل دو ماہ سے بھی کم عرصے میں طے کرنا پڑے ـــــ ظاہر ہے عجلت کے باعث بہت سی خامیاں رہ گئی ہوں گی۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ہماری کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے مثبت تجاویز سے نوازیں تاکہ دوسرے حصے کو خوب سے خوب تر پیش کیا جا سکے۔

☆ محمد محب اللہ نوری

———OO———OO———

شانِ عزوجاہ

جس نے دیکھا صورتِ مولانا نور اللہ کو
اُس نے دیکھا عرش کی پاکیزہ جلوہ گاہ کو
ان کے فیضِ درس سے دُنیا ہو یارب فیضیاب
ہو ترقّی روز ان کی شانِ عزوجاہ کو

مولانا ضیاء القادری بدایونی
رحمۃ اللہ علیہ

فقیہِ اعظمؒ ماہ و سالؒ کے آئینے میںؒ

صاحبزادہ فیض الحبیب اشرفی

ولادت باسعادت (بمقام موضع سوجیکی ضلع اوکاڑہ)

۱۰ جون ۱۹۱۴ء / ۱۶ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ

آغاز تعلیم

۱۹۱۷ء / ۱۳۳۶ھ

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد متحدہ ہندوستان کے مختلف مدارس میں رہے۔۔ زیادہ تر استاد العلماء مولانا فتح محمد جیبوی محدث بہاولنگری سے تحصیل علم کی۔

۱۳۴۰ھ تا ۱۳۵۰ھ

پہلی عربی تصنیف "رسالۃ الرمز"

۱۹۳۰ء / ۱۳۴۹ھ

مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہو کر امام اہلسنت سید ابو محمد محمد دیدار علی محدث الوری اور حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ سے دورہ حدیث پڑھا۔

۱۹۳۲ء / ۱۳۵۱ھ

سند فراغت و دستار فضیلت

۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء / ۶ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ

حضرت محدث الوری رحمتہ اللہ علیہ نے اور اوسلاسل طریقت و حدیث اور مسلسلات کی خصوصی سند نیز "ابوالخیر" کنیت عطا کی۔

۱۹۳۳ء/ ۱۳۵۲ھ

مفتی اعظم ابو البرکات سید احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ نے "فقیہ اعظم" کے لقب سے ممتاز فرمایا۔

۱۹۳۳ء/ ۱۳۵۳ھ

آغاز درس و تدریس (بمقام واسوسالم، بنگلہ فاضلکا، پیپل خلصانہ، ملیکے تارو)

۳۴-۱۹۳۳ء/ ۱۳۵۲ھ

فرزند اکبر مولانا محمد ظہور اللہ کی ولادت

۱۹۳۷ء/ ۱۳۵۶ھ

فرید پور جاگیر (نزد دیپالپور) میں دار العلوم حنفیہ فریدیہ کا قیام

۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ

انوار اتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلہ لکا دولہ تصنیف فرمایا۔

۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ

صاحبزادہ مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری کی ولادت باسعادت

۶ جنوری ۱۹۳۹ء/ ذو القعدہ ۱۳۵۷ھ

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت طریقت۔

۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ

"تنویر فیئی الزوال بنور فیئی الزوال (عربی)" اور "انار استمرار الکفار فی اضرار النار" تصنیف فرمائیں۔

۱۹۴۱ء/ ۱۳۶۰ھ

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی طرف سے سند اجازت و خلافت

۱۹۴۲ء/ ۱۳۶۱ھ

بمقام ۳۸ s.p/ (پاکپتن) عبد القادر روپڑی کیساتھ مناظرہ میں حضرت مولانا محمد عمر اچھروی رحمتہ اللہ علیہ کی معاونت۔

۴۳-۱۹۴۲ء/ ۶۲-۱۳۶۱ھ

والدہ ماجدہ کا وصال

۱۹۴۳ء/ ۱۳۶۲ھ

"نور نعیمی" اور "نور القوانین" تصنیف فرمائی۔

۱۹۴۳ء/ ۱۳۶۲ھ

دورہ حدیث کا آغاز۔ اس جماعت میں آپ کے والد ماجد بھی دورہ حدیث پڑھنے شریک تھے۔

۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ

جد امجد حضرت مولانا احمد دین رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال

۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ

دار العلوم حنفیہ فریدیہ کا پہلا سالانہ امتحان حضرت مولانا فتح محمد جیبوی بہاولنگری علیہ الرحمتہ نے لیا۔

۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ

"عقود المساجد لعمار المساجد" تصنیف فرمائی۔

۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ

دار العلوم فرید پور سے بصیر پور

مئی ۱۹۴۵ء ر جمادی الاخری ۱۳۶۴ھ

سنگ تاسیس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۹۴۵ء ر ۱۳۶۴ھ

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت

۱۹۴۶ء ر ۱۳۶۵ھ

تحریک پاکستان میں بھرپور کردار—— مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرایا

۱۹۴۷ء ر ۱۳۶۶ھ

اقامت جمعہ

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

ملتان میں جمعیت علمائے پاکستان کے تاسیسی اجلاس میں شمولیت

۱۹۴۸ء ر ۱۳۶۷ھ

شیخ طریقت حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ کا وصال

۱۹۴۸ء ر ۱۳۶۷ھ

سنگ تاسیس جامع مسجد دار العلوم حنفیہ فریدیہ

فروری ۱۹۴۹ء ر ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

"افادة النشر او كدالامر" تصنیف فرمائی۔

۱۹۵۰ء ر ۱۳۷۰ھ

تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

۱۹۵۳ء ر ۱۳۷۲ھ

نعتیہ کلام "نعمائے بخشش المعروف دیوان نور" کا پہلا حصہ طبع ہوا۔

۱۹۵۴ء ر ۱۳۷۴ھ

پاکستان کے لئے کئی آئینی سفارشات پیش کیں۔

۱۹۵۶ء ر ۷۶-۱۳۷۵ھ

"حرمت المصاهرة ترفع المناكحة" تصنیف فرمائی۔ معرکۃ الآرا تصنیف "مکبر الصوت" کا پہلا ایڈیشن چھپا۔

۱۹۵۶ء ر ۱۳۷۵ھ

فرزند اصغر مولانا محمد محب اللہ نوری کی ولادت

مئی ۱۹۵۸ء ر شوال ۱۳۷۷ھ

تکمیل جامع مسجد نور دار العلوم حنفیہ فریدیہ

۱۹۵۸ء ر ۱۳۷۷ھ

"تقبل الابهامين عند ثلثى الاذانين" تصنیف فرمائی۔

۱۹۵۸ء ر ۱۳۷۸ھ

پہلا حج اور حاضری مدینہ منورہ

۱۹۶۰ء ر ۱۳۷۹ھ

آپ کے والد ماجد! حضرت ابو النور مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال

۱۹۶۱ء ر ۱۳۸۰ھ

"حدیث الحبیب" اور "حرمت زاغ" کے پہلے ایڈیشنز لاہور سے طبع ہوئے۔

۱۹۶۱ء ر ۱۳۸۱ھ

دوسرا سفر حج و زیارت حرمین شریفین (قرعہ اندازی میں نام نہ آیا— ۳۰ ذیقعد کو قیلولہ کر رہے تھے کہ مشہور فقیہ مدینہ حضرت سالم بن عبد اللہ کی زیارت ہوئی۔ موصوف نے فرمایا میں سرکار مدینہ کے حکم سے آپ کو لینے آیا ہوں' بیدار ہوئے تو ڈاکیا اطلاعی چٹھی لیے کھڑا تھا)

مئی ۱۹۶۲ء / ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ

تصنیف رسالہ "روزہ اور ٹیکہ"

۱۹۶۳ء / ۱۳۸۲ھ

قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہ کے ہاں مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی قدس سرہ سے ملاقات

۱۹۶۶ء / ۱۳۸۵ھ

سسر اور ماموں حضرت مولانا محمد سلطان صاحب کا انتقال

۱۹۶۷ء / ۱۳۸۷ھ

آپ کی تصنیف "اہداء البشری بقبول الصلوۃ فی الضحوۃ الکبریٰ" مشرقی پاکستان سے شائع ہوئی۔

۱۹۶۹ء / ۱۳۸۹ھ

جمعیت علمائے پاکستان کو متحد کرنے کے لیے لاہور اجلاس میں شرکت

۴ اپریل ۱۹۷۰ء / محرم ۱۳۹۰ھ

کل پاکستان سنی کانفرنس دار السلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں شمولیت

۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ

گنبد خضراء کے زیر سایہ قریباً تین ماہ تک بخاری شریف کی تدریس

۱۹۷۲ء / ۱۳۹۱-۹۲ھ

ایک اہم فتویٰ "الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء" تحریر کیا۔

۱۹۷۲ء / ۱۳۹۲ھ

تحریک ختم نبوت میں شمولیت

۱۹۷۴ء / ۱۳۹۴ھ

فتاویٰ نوریہ جلد اول، پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

۱۹۷۴ء / ۱۳۹۴ھ

عالمہ فاضلہ صاحبزادی کا انتقال۔

۱۹۷۵ء / ۱۳۹۵ھ

مسجد نبوی میں درس بخاری دیا نیز حج کے موقع پر علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمہ، مولانا سید حسین الدین صاحبان کے علاوہ متعدد علماء نے آپ کے فتوے پر عمل پیرا ہو کر "عرفات" میں آپ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔

۱۹۷۶ء / ۱۳۹۶ھ

فتاویٰ نوریہ جلد دوم (پہلا ایڈیشن) طبع ہوا۔

۱۹۷۷ء / ۱۳۹۷ھ

قومی اتحاد کے ٹکٹ پر حلقہ دیپالپور سے قومی اسمبلی کا الیکشن جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے لڑا۔

۱۹۷۷ء / ۱۳۹۷ھ

تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ ساہیوال سنٹرل جیل میں قیدی طلباء و علماء کو قرآن کریم اور بخاری شریف کا درس دیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء / ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

حاضری حرمین شریفین

۱۹۷۸ء / شعبان ۱۳۹۸ھ

صاحبزادہ حضرت مولانا علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری کا سانحہ ارتحال

۱۹ اگست ۱۹۷۸ء / ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ

(باقی صفحہ: ۳۵۹)

شجرہ نوریہ قادریہ

یا الٰہی رحم فرما مصطفےٰ کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجیے خدا کے واسطے

مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے

سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علمِ حق دے باقرِ علمِ ہدیٰ کے واسطے

صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

بہرِ معروف و سری معروف دے بے خودسری
جُندِ حق میں گن جنیدِ باصفا کے واسطے

بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کتوں سے بچا
ایک کا رکھ عبدِ واحد بے ریا کے واسطے

بوالفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن و سعد
بوالحسن اور بوسعیدِ سعدزا کے واسطے

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدرِ عبد القادرِ قدرت نما کے واسطے

عزتِ دنیا و عقبیٰ از پئے عبد العزیز
پیرِ کامل شیخ سترِ اولیا کے واسطے

پردہ ہائے کسل و غفلت دور کر اے رب مرے
حضرتِ ہتاک سید پرضیا کے واسطے

شاہ شمس الدین کے انوار سے دل زندہ کر
دے شرافت شرفِ دین مصطفےٰ کے واسطے

شاہ زین الدین کے صدقے زینتِ ایمان بخش
قرب اپنا دے ولی الاولیاء کے واسطے

ظاہر و باطن کو میرے نور سے معمور کر
شاہ نور الدین نورِ باصفا کے واسطے

دین میرے کو بچا اور شرک کُلی دور کر
برکتِ سید حسامِ دل رُبا کے واسطے

سیدِ درویش کے صدقے کرم دل ریش پر
کر منور نورِ دین نورِ ہدیٰ کے واسطے

نعمتِ کامل عطا کر از پئے عبد الوہاب
سیدِ کامل مکمل مقتدا کے واسطے

سید اسماعیل کے صدقے کرم کر اے خدا
عفو فرما سیدِ بوبکر شاہ کے واسطے

دے حیاتِ طیبہ مولا ہمیں ہر آن میں
سیدِ یحییٰ پیارے پیشوا کے واسطے

دے علوّ دنیا و عقبیٰ مرے مولا ہمیں
حضرتِ سید علی پیرِ ہدیٰ کے واسطے

دے مجھے ذوقِ عبادت رات دن شام و سحر
سید عبد اللہ کامل رہنما کے واسطے

ظاہر و باطن مرے کو دے غذائے جسم و روح
سیدِ مہمانِ خواجہ مقتدا کے واسطے

قلب و قالب کو منور کر صفائے دین سے
اصطفائے مصطفائے باخدا کے واسطے

اپنے حمد و شکر کی دولت عطا کر اے خدا
خلوتی سید محمد باصفا کے واسطے

شاہ محمد گل کے صدقے غنچۂ دل کو کھلا
پھر حفاظت رکھ تمامی اولیا کے واسطے

نعمت اپنی سے خدایا تو ہمیں مسرور رکھ
حضرتِ سید نعیمِ خوش لقا کے واسطے

نوریوں کو جلوۂ انوارِ وحدت کر عطا
خواجہ نور اللہ کامل رہنما کے واسطے

صدقۂ بوالخیر دے خیرات تو دارین میں
بندۂ عاجز غریبِ بے نوا کے واسطے

اپنی تعریف، اپنے ذکر، اپنی محبت کا نشہ
دے محب اللہ نوری حق نما کے واسطے

دین و دنیا میں مجھے کر سرخرو میرے خدا
مصطفےٰ کے صدقے اور سب اولیا کے واسطے

اِک شخص

راجا رشید محمود
(مدیر نعت)

میں نے اک شخص کو دیکھا ہے،
جس کے سر پر ذکاوت کا ہما پر فشاں تھا۔
جس کے ماتھے پر ذہانت کی لکیریں رہیں۔
جس کی آنکھوں کے گہرے سمندر میں انسانیت سے محبت کا تموج تھا۔
جس کے ہونٹوں سے حق نمایاں رہا۔
جس کے چہرے پر دنیا کی آلودگیوں اور آلائشوں کی کبھی گرد نہ بیٹھی۔
جس کے کندھوں پر قوم کے بچوں اور نوجوانوں کی دینی تعلیم اور سچی تربیت کے احساس کا بوجھ تھا۔
جس کے ہاتھوں میں عزم و ہمت اور استقلال و استقامت کی لکیریں تھیں۔
جس کے سینے میں علوم شریعت و طریقت کے گنجینے پنہاں تھے جو طلب صادق کے حامل لوگوں پر آشکار ہوتے رہے۔
جس کے بازوؤں میں 'اس کی زبان سے زیادہ' سچ کو منوانے کی طاقت تھی۔
جس کے قدم ہمیشہ حق کی پشتیبانی کے جذبے سے اٹھتے رہے۔
میں نے اس شخص کو دیکھا ہے،

جو سراپا ہدایت تھا۔

جس نے علم کی اہمیت سے بیگانوں کو طالب بنایا۔

جس نے طلبگاروں میں علم و دانش کا نور بانٹا۔

جس نے ڈھور ڈنگروں سے انسان تخلیق کئے۔

جس نے انسانوں کو سیدھی راہ پر چلانے کی سعی کی۔

جس نے دانش و حکمت کے بوٹوں کی آبیاری کی۔

جس نے بنجر زمین میں تربیت کے گلاب کھلائے۔

میں نے اس شخص کو دیکھا ہے'

جو انسان تھا' ---- فرشتہ نہیں تھا۔

جو انسانیت کا محب تھا' دشمن نہیں تھا' انسانیت کے مستقبل سے بے تعلق بھی نہیں رہا۔

جس نے انسان میں وہ انسان جگایا جو دین و دانش کو مطلوب تھا۔

جس نے انسانی قدروں کو فروغ دیا' اپنے قول سے بھی لیکن اس سے بھی پہلے اپنے عمل سے

در محبت آنچہ می گوئیم' اول می کنیم
پارہ بیش است از گفتار ما کردار ما

جس نے جتنے بندہ خاکی پائے' انہیں انسان بننا سکھایا۔

جو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا' دوسروں کو تلقین کرتا رہا کہ بیگانگی کو چھوڑیں' اپنائیت کو اپنائیں۔

جس نے اپنے جاننے والوں میں' اپنے ملنے والوں میں' سیکھنے اور جاننے کے خواہش مندوں میں انسانیت کا نور بانٹا۔

جس نے انسانیت کو ایک مضبوط رشتے کے حوالے سے جانا' سمجھا اور سمجھایا یہ رشتہ محبت کا تھا اخوت و اخلاص کا تھا' احسان کا تھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا ہے'

جو مسلمان تھا'

جو واقعی مسلمان تھا'

میری طرح نام کا نہیں'

ایسا مسلمان جسے "مشکلات لا الہ" سے واقفیت تھی لیکن جس نے شریعت' طریقت اور ریاضت کے دشوار گزار راستوں سے بعافیت گزر کر' اور علائق دنیوی کی جھاڑیوں سے اپنا دامن متقیانہ بچا کر' اپنے لئے یہ مرحلہ آسان کر لیا تھا۔

جو مسلمان ہونے کی بنیادی صفت سے پوری طرح یوں متصف تھا کہ اس نے اپنی گفتار و کردار سے یکساں طور پر' منافقت و دشمنی کو شعار کئے رکھا۔

جس نے اسلام کے ملبوس سے اپنے جسم ہی کو نہیں' روح کو بھی ڈھک لیا تھا۔

جس کا ظاہر ہی نورانی نہیں تھا ---- وہ حقیقت میں پاک باطن بھی تھا۔ جس کا اندر اور باہر یکساں تھا۔

جس کی زبان اور اس کے قدم میں مسافت نہیں تھی۔

جس نے جبہ و قبہ کے بجائے سادگی کو اپنایا کہ یہی طریق رسالت ہے۔

جس نے حق گوئی کو اپنے کردار کا جزو بنایا کہ مداہنت تو اسلام سے مخالف راہ ہے۔

وہ حق کے بے باکانہ اظہار و اعلان کا قائل مسلمان' یہی راہ اپنے ماننے والوں' ملنے والوں کو سجھاتا رہا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا ہے'

جو عالم دین تھا'

لیکن شاہی درباروں کا نقیب عالم نہیں تھا'

اور اپنے ذاتی یا حزبی مفادات کا اسیر بھی نہیں تھا۔

جس نے علم دین کا چولا ہی نہیں پہنا' اپنے آپ کو اس کی پناہ میں دے دیا' علم دین اور اس کی جزئیات کو اپنی زبان کا خاصہ اور اپنے قلم کی روشنائی بنایا۔

جس نے عالموں کی سی شکل ہی نہیں بنائی' اس کے لفظ لفظ سے' اس کے روئیں روئیں سے' اس کی اک اک ادا سے علم دین اپنی پوری معنویت کے ساتھ' اپنی تمام تر رعنائیوں کے جلووں کے ساتھ جھلکتا تھا۔

جس نے حاکموں کی حاشیہ برداری اور ثروت مندوں کی جی حضوری اختیار کرنے والے "عالموں" کی' اپنے کردار و عمل کے ذریعے تغلیط کی۔

وہ جو لفظوں کا اجیر نہیں تھا' معانی و مفاہیم کا سمندر تھا۔ جس سے حسن کردار کے لولوئے لالا بر آمد ہوتے اور انسانیت کے دامن کو بھرتے رہے۔

میں نے اس شخص کو دیکھا ہے۔

جو استاد تھا' اور اس نے ہر شاگرد کے منہ میں زبان ہی نہیں دی' کردار کو بھی جلا بخشی' ذہن کو بھی پاکیزگی اور وسعت دی' سینے کو بھی نور بخشا۔

جو پیر طریقت تھا' اور اس نے اپنوں کو حق شناسی کی راہیں سجھائیں' سلوک کی منزلیں طے کرائیں' منزل کی روشنیوں سے ان کے اذہان و قلوب کو منور کیا۔

جو مفتی تھا' اور اس نے فتوی نویسی کو جلب زر کا ذریعہ نہیں بنایا' تحقیق و تفحص کی اس راہ کو اس نے اس لئے اختیار کیا کہ مسائل میں لوگوں کی رہنمائی ہو۔۔۔ اور درست رہنمائی ہو۔

جو دلیر اور نڈر فقیہ تھا' اور اس نے اپنے سے بڑوں اور اپنے سے پہلوں کے ساتھ بھی اختلاف کی جرات کی' وہ دلائل و براہین کے انبار کے جلو میں چلا' اس نے جو کچھ سچ

سمجھا اور اسے حق منوانے کے دلائل پائے' اس کے اظہار میں تامل و تردد سے کام نہ لیا۔

میں نے اسی شخص کو دیکھا ہے'

جو فرشتہ نہیں تھا' بندہ تھا۔

لیکن خدا و مصطفیٰ (جل جلالہ' وصلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ بندہ بڑا آدمی تھا۔ انسانیت کے حوالے سے' علم دین کے تناظر میں' فقاہت کی دنیا میں' تدبر و فراست کی وادی میں' اتقا کی منزل میں۔۔۔ ہر اعتبار سے بڑا آدمی کہ۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اور۔۔۔

میں نے جس شخص کو دیکھا ہے' اس نے لحد کی گود میں پناہ لینے تک' اپنے خالق حقیقی سے وصال کے مرحلوں تک انسانی قدروں کی حفاظت کے لئے' مکمل انسان بننے کے لئے لوگوں کو انسان بنانے کے لئے محنت کی' وہ واقعی بہت بڑا انسان تھا۔۔

بہت ہی بڑا۔




ابرِ نیساں



۱۶ ماہِ رمضان المبارک
بصیر پور شریف

کرم پیارے فرزند صوفی فیض الرحمان سلمہ الرحمان عن الزیغ والطغیان

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ۔ فقیر بخیریت وعافیت عزیز دل مطلوب۔ کل مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ کوائف مندرجہ کا پتہ چلا بڑا مسرور ہوا۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ترقیوں سے نوازتا رہے۔ ہاں ایک نہایت ضروری امر ہے جس کا ہر وقت بہت پیار کے مقابلہ کرنا چاہئے۔ وہ ہے عجب یعنی خودبینی یعنی اپنے کام کو پسند کرنا کہ میں بڑا نیک ہوں بلکہ تواضع فروتنی اور پستی اختیار کرنی چاہئے۔ ہاں جو نیک کام مولیٰ تعالیٰ کے فضل سے نصیب وقت ہوا اس پر خوش ہونا اور شکر ادا کرنا یا اپنے مربی کی خدمت میں عرض کرنا کہ اسکی خوشی کا باعث ہو یا ایسے شخص سے بیان کرنا کہ سنکر وہ بھی پیروی کریگا اچھا ہے مگر ہر ہی اُسی توفیق دینے والے کی طرف نظر رہے کہ حسن نیت وحسن قبول سے نوازتا رہے یہ ایک بڑا سخت اور اہم مسئلہ ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے صدقہ آپکو یہ مسئلہ بھی سمجھا دے حقیقۃً۔ حقیقۃً اس لئے کہ رسمی طور پر جاننا کافی نہیں ہے۔ میں نے ہی ایک کارڈ جمعرات کی شام کو ڈاکخانہ میں ڈلوا دیا تھا کہ جمعۃ المبارکہ کے دن آپکو ملکیا ہوگا شاید مل چکا ہو۔ عزیزی عبدالخالق سا بھی ڈالا تھا اور عزیزی محمد نور اللہ ہو گئی۔ ہیچ جائے وسلام

فقیہ اعظم کا اپنے فرزند نسبی کے نام ایک مکتوب

پیکرِ شفقت

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

سیدی فقیہ اعظم ایک روشن دماغ فقیہ، بالغ نظر رہنما، تجربہ کار مدرس، روشن ضمیر مجتہد، استقامت کے کوہ گراں، شجاعت کے سد آہنی، عابد شب زندہ دار عاشق رسول اللہ اور عارف باللہ تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ کریم مربی اور شفیق استاذ بھی تھے۔ اتباع شریعت ان کا مطمح نظر اور دین اور علوم دینیہ کا فروغ ان کا مشن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دینی مدارس کے طلباء اور خادمان دین سے بے پناہ محبت و شفقت فرماتے۔ دینی علوم کے حصول کی ترغیب دلاتے اور ان کیے راحت و آسائش کا بہت خیال فرماتے۔ طلبہ سے اس حسن سلوک کا اصل سبب عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، اتباع شریعت اور دینی محبت تھی۔ وہ طالبان علوم دینیہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان تصور کرتے اور ان کی خدمت کو نہ صرف خود عبادت سمجھتے۔ بلکہ آپ نے دیگر عملہ کو بھی یہی ہدایت کر رکھی تھی۔ آپ کی خواہش ہوتی کہ ان کی عدم موجودگی میں بھی طلباء کی اسی جذبے سے خدمت کی جائے چنانچہ اس کی ایک جھلک اس تحریر سے دیکھی جا سکتی ہے جو آپ نے ۸ مئی ۱۹۶۰ء کو اپنے پہلے سفرحج پر روانگی کے موقع پر دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے نائب مہتمم صاحبزادہ ابو الفضل رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی کے لئے "ضروری ہدایات" کے عنوان سے رقم فرمائی۔۔۔۔ یہ تحریر پندرہ شقوں پر مشتمل ہے۔ جن میں درج ذیل بارہ شقیں طلباء سے متعلق ہیں۔

ضروری ہدایات

۱۔ طلباء کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔

۲۔ اگر بارش وغیرہ کسی سبب سے طلباء کرام کھانا نہ کھا سکیں تو ابوالفضل قطعاً" نہ کھائیں۔

۳۔ طلباء کرام کی روٹی اور دال یا گوشت' سبزی وغیرہ حسب سابق جاری رہے۔

۴۔ کبھی کبھی اچانک معائنہ کرتے رہیں کہ پکانے میں نقص نہ آئے۔

۵۔ جو طالب علم جرم کر بیٹھے تو حسب ضابطہ سیاست (تہذیب و تادیب) ضروری ہے مگر دل میں ضرور احترام رہے کہ یہ مہمانان محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۶۔ جو طالب علم بیمار ہو جائے اس کا فوری طور علاج کرایا جائے اور خطرہ کی صورت ممکن ہو تو گھر پہنچا دیا جائے۔ ورنہ اس کے وارثوں کو اطلاع دی جائے۔

۷۔ رخصت کا خاص خیال رہے بلکہ اوقات رخصت اور رات کا بھی (کوئی طالب علم لیٹ آئے تو تنبیہہ کی جائے)

۸۔ کسی کے ساتھ لڑنے بھڑنے سے بالکل احتراز رہے۔

۹۔ سفارت (برائے طلبہ) حسب ضرورت و حسب سابق ہو جائے تو بہتر ہے۔ مولانا محمد شریف نوری وغیرہ کو یاد دہانی کرا دی جائے۔ علامہ ابوالفیض صاحب متنبہ ہی ہیں۔

۱۰۔ رسید بکوں کا خیال خاص رہے کہ کوئی ضائع نہ ہو جائے۔

۱۱۔ پنجگانہ نمازیں اوقات پر باقاعدہ ہوتی رہیں اور نوافل تہجد کا سلسلہ بھی جاری رہے۔

۱۲۔ باقی مختلفہ امور بھی حسب ہدایات کتاب و سنت وفقہ حنفی انجام پاتے رہیں۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ و الہ و اصحابہ اجمعین امین یا ارحم الراحمین۔

ضروری ہدایت۔ قال ربکم ادعونی استجب لکم پر بھی عمل ضروری ہے۔ ۱۲

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

۱۱ ذی العقدۃ المبارکہ ۷۹ھ ۸ مئی ۶۰"

حضرت فقیہ اعظم کا طلباء سے ہمیشہ ایسا تعلق رہا جیسا کسی باپ کا اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ ان کے ہاں کوئی خوشی کا موقع ہوتا تو اس میں طلباء کو بھی شریک کرتے۔ کسی عزیز کی شادی کا اہتمام ہوتا تو جو طعام باراتیوں اور دیگر شرکاء کے لئے پکتا' وہی کھانا تمام طلباء کو بھی پیش کیا جاتا۔ اس کے برعکس بالعموم آج کل کی دعوتیں حدیث نبوی کی روشنی میں "بئس الطعام" کے زمرے میں آتی ہیں۔ غریبوں سے پیار کرنے والے آقا (علیہ التحیۃ والثناء) نے ایسے کھانے اور ایسی دعوت کو ناپسند فرمایا جس میں اغنیاء کو شامل کیا جائے اور فقراؤ غرباء کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے ممدوح حضرت فقیہ اعظم نے خوشی کے ان مواقع میں بھی اتباع سنت کا خوب خوب اہتمام کیا اور غریب و نادار طلباء کو خوشیوں میں شریک کر کے اپنی خوشیوں کو دوبالا کیا۔ حضرت فقیہ اعظم انہی خوشیوں کے حصول کے لئے کبھی کبھی بغیر کسی خاص تقریب کے کوئی ایسا بہانہ بنالیتے اور طلباء کے لئے اچھے اچھے کھانوں کا اہتمام کرتے۔

اگر کوئی غریب الوطن اور بے سہارا طالب علم آجاتا تو اس کی کفالت کا پورا پورا انتظام فرماتے۔ اس سلسلے میں تمثیلاً" مولانا عبدالحق صاحب' مولانا عبدالسلام بری اور مولانا غلام فرید نومسلم کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالحق کی کس طرح تعلیم و تربیت فرمائی اور انہیں برسر روزگار کیا؟ اس کا ذکر حضرت ضیاء العلماء نے اپنی تالیف تذکرہ جلیلہ میں تفصیل

سے کیا ہے۔

مولانا عبدالسلام برما سے کسمپرسی کے عالم میں تعلیم کے لئے مدرسہ میں داخل ہوئے اور حضرت کے صاحبزادے مولنا ابوالفضل علیہ الرحمہ کے ہم سبق بنے۔ برمی صاحب (حال خطیب کراچی) فقیہ اعظم کی شفقتوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

"آپ فرمایا کرتے جیسے محمد نصراللہ میرا بیٹا ہے ایسے ہی میری نظر میں تم بھی ہو۔ چنانچہ عید میلادالنبی، عید الفطر، عید الاضحی اور دیگر مواقع پر حسب ضرورت موسم کے مطابق ایک ہی تھان کپڑے سے میرے اور ابوالفضل کے سوٹ تیار ہوتے۔ آپ اکثر نادار طلباء کی مخفی طور پر معاونت فرماتے اور اس بات کا لحاظ رکھتے کہ ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ ان کی ذات ہمارے لئے محبتوں اور شفقتوں کا سائبان تھی۔"

خوشی کے علاوہ غم کے مواقع پر بھی طلباء کا خصوصی خیال رکھا جاتا۔

آپ کی حیات مبارکہ میں طلباء کے لنگر کا تمام تر اہتمام گھر میں تھا۔ میری والدہ محترمہ دامت برکاتہا کی صحت جب تک اجازت دیتی رہی وہ اپنے ہاتھوں سے بڑی شفقت کے ساتھ لنگر کا کام کرتی رہیں۔ بعدہ جب طلباء کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تو معاونت کے لئے ملازمہ کا تقرر کیا گیا مگر خود بھی عمر بھر محض للہیت اور خلوص کے ساتھ فی سبیل اللہ خدمات انجام دیتی رہیں --- طلبہ سے حضرت فقیہ اعظم کی محبت و شفقت کا انہیں اندازہ تھا اور اسی تربیت کا اثر ہے کہ والدہ صاحبہ باوجود اس کے کہ ان کی صحت اجازت نہیں دیتی وہ اب بھی لنگر وغیرہ کے سلسلے میں خصوصی جائزہ لیتی رہی ہیں۔ جن دنوں لنگر پکانے کا سلسلہ گھر میں تھا، ان دنوں گھر میں یا کسی قریبی عزیز کے ہاں کوئی مرگ ہو جاتی تو حضرت علیہ الرحمۃ طلباء کے لئے باہر سے خصوصی طور پر لنگر کا انتظام کرتے اور فرماتے کہ طلباء کو کیوں بھوکا رکھا جائے؟--- اسی طرح تعزیت کے لئے آنے والے مہمانوں کے لئے خصوصی کھانوں کی

بجائے طلباء کے لئے کھانے پکوا کر صدقہ و خیرات کا اہتمام فرماتے۔

دارالعلوم کے وسائل اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ طلباء کے لئے ناشتہ کا انتظام کیا جائے --- صرف دوپہر اور شام کو دو وقت کا کھانا ملتا۔ چونکہ طلباء کو ناشتہ نہیں ملتا تھا اس لئے خود آپ نے کبھی ناشتہ نہ کیا بلکہ گھر کے دوسرے افراد کو ان کے تتبع میں یہی عادت تھی بعدہ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں جب آپ کو جیل جانا ہوا تو وہاں بھی مدرسے ہی کی صورت بن گئی کہ قیدی علماء و طلباء کو آپ درس قرآن کے علاوہ بخاری شریف سبقاً پڑھاتے اور دیگر قیدیوں کو بھی وعظ نصیحت فرماتے رہے۔ جیل میں قیدیوں کے لئے صبح کا ناشتہ دیا جاتا --- اب یہاں ان قیدیوں کی دل جوئی اور دلداری کے لئے ضروری تھا کہ ان کے ساتھ ناشتے میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ آپ نے جیل سے پیغام بھجوایا کہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور میں بھی طلباء کے لئے ناشتہ کا انتظام کیا جائے چنانچہ اگلے دن ہی ناشتہ دیا جانے لگا --- فقیہ اعظم نے عمر بھر اپنے لوازمات زندگی کو طلباء کے لوازمات زندگی سے بڑھنے نہیں دیا۔ وہ خود کو آخر دم تک طالب علم ہی سمجھتے رہے --- بلکہ خود کو طلباء کا خادم گردانتے۔ آپ کے متعدد مکاتیب، فتاویٰ اور دارالعلوم کے اشتہارات اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ اپنے نام اور دستخطوں کے ساتھ "خادم الطلبہ" کے الفاظ تحریر کرتے۔

کسی کے ہاں کھانے میں مدعو ہوتے تو ساتھی طلباء کو ساتھ بٹھا کر ایک ہی پلیٹ میں کھانا تناول فرماتے اور خود آہستہ رفتار سے کھاتے کہ کہیں طالب علم بھوکا نہ رہ جائے۔ اگر طلباء کے بٹھانے کا الگ انتظام ہوتا تو اس بات کا خیال رکھتے کہ ساتھی طلباء کو کیا کھلایا جا رہا ہے۔ اگر اپنا کھانا طلباء کے کھانے سے ممتاز پاتے تو اہل خانہ کی اجازت سے اپنے کھانے میں سب کو شریک کر لیتے --- آپ کے اس عمل سے اہل خانہ پر یہ اثر ہوتا کہ آئندہ کبھی دعوت کرتے تو طلباء کے لئے بھی اچھے کھانے کا اہتمام کیا جاتا۔

طلباء سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ کو حرمین شریفین

کی حاضری نصیب ہوتی تو وہاں سے اپنے مکاتیب میں طلباء کرام کو خصوصی سلام ضرور تحریر فرماتے اور ان کی خیریت دریافت کرتے ۔۔۔ بلکہ اگر کوئی طالب علم خط لکھتا تو اپنی تمام تر مصروفیات اور کثرت خطوط کے باوجود اسے جواب ضرور مرحمت فرماتے ۔۔۔ واپسی پر آب زمزم کے علاوہ مدینہ منورہ کی کھجوریں طلباء کے لئے ضرور لاتے ۔۔۔ کبھی کبھی ذہین، محنتی اور مستحق طلباء کے لئے ٹوپیاں، توپ (لمبے کرتے)، رومال، دستار یا اسی نوعیت کا کوئی اور تحفہ لاتے ۔۔۔ اس سلسلے میں وہ طلباء کی پسند اور ناپسند کا بھی بڑا لحاظ رکھتے ۔۔۔ ۱۹۶۰ء میں پہلی مرتبہ جب آپ عازم حج ہوئے تو یہ طے پایا کہ فارغ التحصیل طلباء کو مدرسہ کی طرف سے جو دستاریں دی جاتی ہیں وہ وہاں سے خریدی جائیں۔ اس مقصد کے لئے رقم بھی قانونی طریقے سے ساتھ لے گئے۔ چنانچہ درخواست جمع کراتے ہوئے رقم ساتھ شامل کردی گئی ۔۔۔ وہاں سے مندیلیں تو نہ ملیں البتہ بہترین جاپانی کپڑا مل گیا ۔۔۔ جو بعینہٖ مندیلوں ہی کی طرح کا تھا مگر واپسی پر جب آپ نے محسوس کیا کہ بعض طلباء دورہ حدیث اسے زیادہ پسند نہیں کررہے تو آپ نے وہ تمام کپڑا اپنے ذمہ لے کر اس کی قیمت اپنی گرہ سے ادا کردی ۔۔۔ مگر طلباء کی پسند اور خوشی کا خیال رکھا۔

طلباء سے محبت اس بات سے بھی عیاں ہے کہ آپ جب کبھی سفر سے واپس لوٹتے تو سب سے پہلے طلباء سے ملتے پھر گھر تشریف لے جاتے ۔۔۔ طلباء سے خصوصی شفقت کا یہ پہلو بھی تھا کہ وہ ان کی تعلیم کا حرج نہ ہونے دیتے یہاں تک کہ اپنا ذاتی کام بھی ان سے نہ لیتے ۔۔۔ اسی طرح دیگر مدرسین کو بھی یہی تلقین فرماتے ۔۔۔ آپ نے ہمیشہ اسباق کی پابندی فرمائی بلکہ کبھی تعلیمی نظام اوقات سے ہٹ کر اوقات رخصت میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ۔۔۔ تدریس کے لئے انہیں اتنی ہی بے تابی ہوتی جتنی ایک ماں بچے کو دودھ پلانے کے لئے بے تاب ہوتی ہے اور طلباء کو پڑھا کر وہ اتنا ہی مسرور ہوتے جس قدر ماں بچے کو دودھ پلا کر ہوتی ہے۔ انہیں سبق کا ناغہ پسند نہ تھا۔ اگر علمی یا تبلیغی مشن کے لئے جانا اشد

ضروری ہوتا تو آپ پروگرام اس طرح ترتیب دیتے کہ اسباق کا ناغہ نہ ہو اور اگر پھر بھی ناغہ ہوجاتا تو چھٹی کے وقت یا رات کے اوقات میں اس کی تلافی فرمادیتے ۔۔۔ بحالت علالت بھی ان کا یہی معمول رہا ۔۔۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مرض کی شدت کے باعث ڈاکٹر کہتے آپ کے لئے آرام ضروری ہے۔ اگر آپ نے آرام نہ کیا تو بہت خطرے کی بات ہوگی۔ مگر آپ پڑھانے سے باز نہ آتے آپ فرماتے کہ

"میں اپنی زندگی بچانے کے لئے ان غریب طلباء کی زندگیاں تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں نہیں پڑھاؤں گا تو میری آرام طلبی ان کے روشن مستقبل کو تاریک کرنے کے مترادف ہوگی ۔۔۔ ویسے بھی مطالعہ اور تدریس میری زندگی ہے مجھے دوا اور آرام سے اتنا سکون نہیں ملتا جتنا ذکر مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور طلبہ کی خدمت سے آرام پہنچتا ہے"۔

اسباق سے شغف کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ایک صاحبزادے "محمد اسد اللہ" نو عمری میں وفات پاگئے۔ صدمے کے اس موقع پر بھی آپ نے سبق کا ناغہ نہ کیا اور جنازہ پڑھا کر مصروف تدریس ہوگئے جب کہ صاحبزادے کی تدفین وغیرہ کی ذمہ داری آپ کے والد ماجد نے نبھائی ۔۔۔ اس واقعے سے جہاں آپ کی تدریس سے محبت کا پتہ چلتا ہے وہیں آپ کے صبر و استقامت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

اسباق کی پابندی جس طرح خود کرتے اسی طرح طلباء کو بھی تاکید کرتے۔ کسی طالب علم نے اگر رخصت پر جانا ہوتا تو انہیں بھی کم سے کم ناغوں کی تاکید کرتے۔ رخصتوں کے بارے میں معمول یہ تھا کہ بدھ کو آپ طلباء کی درخواستیں دیکھتے جمعرات کو پچھلے پہر تقریروں کی تیاری کی وجہ سے اسباق کی چھٹی ہوتی اس لئے آپ 9، 10 بجے تک سبق پڑھ کر بعد میں جانے کی اجازت مرحمت کرتے ۔۔۔ اس سلسلے میں آپ کے ایک شاگرد مولانا منظور احمد ربانی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں نے جمعرات کی صبح چھ بجے سے جمعہ کی شام تک رخصت کی درخواست دی۔ آپ نے ۹ بجے والی ٹرین کی رخصت عنایت فرمائی --- میں نے عرض کی نو بجے تک تو شدید گرمی ہوجاتی ہے اور مجھے گرمی بہت زیادہ لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی اسی گاڑی سے سفر کرنا ہے، تمہیں مجھ سے بھی زیادہ گرمی لگتی ہے کیا؟---

میں نے خاموشی تو اختیار کرلی لیکن دل میں موسمی حدت کا خوف رہا---

اگلے دن جمعرات کو کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک بادل چھا گئے اور جب ۹ بجے کی گاڑی کا وقت ہوا ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی اور جون، جولائی کے دنوں میں ایک عجیب بہار کا منظر بن گیا۔ بوقت رخصت مصافحہ کرنے حاضر ہوا تو مسکرا کر فرمایا "ربانی گرمی تو نہیں لگ رہی؟--- پھر فرمایا تمہیں صبح سویرے رخصت نہ دینے کا سبب فقط یہ تھا کہ تمہارے اسباق ضائع نہ ہوں"

بعینہ اسی قسم کا ایک واقعہ مولانا محمد صادق نوری "پاکپتن شریف" نے بھی اپنی یادداشت میں رقم کیا ہے۔

دوران تعلیم حضرت فقیہ اعظم کا اپنے شاگردوں سے رویہ سخت گیر استاذ کا نہیں بلکہ ایک شفیق باپ کا سا ہوتا۔ آپ دوسرے اساتذہ کو بھی اپنے تلامذہ سے شفقت کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ یہ غریب طلباء حصول علم کے لئے آتے ہیں، امراء کے بچوں کے تو عیش وعشرت کے مواقع میسر ہیں مگر ان پردیسیوں کا آپ کے بغیر کون ہے؟--- اگر ہم جلاد بن جائیں تو پھر ان کی زندگیوں میں مایوسیوں اور محرومیوں کے سوا اور کچھ نہ رہے گا--- حکیم مطلق "جل جلالہ" بھی تو اپنے محبوب "علیہ التحیتہ والتسلیم" کو یہی حکم دیتا ہے--- **ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک**۔ (۳:۱۵۹) ترجمہ--- اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے اردگرد سے (پریشان ہوکر) بکھر جاتے،

تعلیم کے علاوہ طلبہ کی تربیت کا بھی آپ بے حد خیال رکھتے مثبت اور تعمیری سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالظفر منظور احمد صدر مدرس جامعہ فریدیہ ساہیوال اپنے دور طالبعلمی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"طالب علمی کے دور میں ہم نے انجمن حزب الرحمٰن کی داغ بیل ڈالی جس کا اصل مقصد طلبہ میں محنت، شعور پیدا کرنا اور کوتاہیوں کو دور کرنا تھا--- اس کی منظوری کے لئے جو درخواست لکھی گئی میں نے قبلہ فقیہ اعظم مدظلہ کی خدمت عالیہ میں پیش کرکے اجازت لی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا "**الخیر لایوخر ولاینھی عنہ** (ترجمہ! کار خیر میں تاخیر اور رکاوٹ نامناسب ہے) الحمدللہ آج انجمن کا عروج آپ کے سامنے ہے"

اپنے شاگردوں سے اکثر فرمایا کرتے۔

"علم دنیا کے لئے نہیں بلکہ خدمت دین اور اللہ و رسول کو راضی کرنے کی نیت سے حاصل کریں۔ نیت صالح اور جذبہ صادق ہو تو پھر آپ پتھر پر بھی بیٹھ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو روزی دے گا۔ اور رزق کے دروازے آپ پر کھول دے گا--- استقامت علی الشریعت ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہے بس فرمان الٰہیہ **من یتق اللہ یجعل لکم مخرجا و یرزقکم من حیث لایحتسب** ترجمہ---(جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کی راہ بنا دے گا اور تمہیں اس انداز میں رزق عطا فرمائے گا کہ کوئی اس کا گمان بھی نہ کرسکے) ہمہ وقت پیش نظر رکھیں۔"

تربیت ہی کے سلسلے میں مولانا محمد حفیظ نوری خطیب پاکپتن تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا---

"بیٹے میرا طریقہ اپنا لوگے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔ عرض کی کونسا؟ فرمایا!

پڑھنا اور پڑھانا"

تربیتی حوالے سے حضرت چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے۔ آپ کاغذ، قلم اور کتاب کے آداب کی ترغیب دیتے۔ عمر بھر آپ کا یہ معمول رہا کہ کاغذ وغیرہ کو کتاب کے اوپر رکھ کر نہ لکھتے بلکہ تپائی یا گتے پر رکھ کر تحریر کرتے اور طلباء کو بھی کتاب پر رکھ کر لکھنے سے منع فرمایا۔

ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ مرقات میں اپنے زمانے کے طلباء کا حال لکھتے ہیں جو آج کے طلباء پر بھی صادق آتا ہے کہ وہ جوتا داہنے ہاتھ میں اور کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑتے ---- سیدی فقیہ اعظم طلبہ کو اس عمل سے منع کرتے۔

اسی طرح آپ ایک مشفق باپ کی مانند طلباء کے حفظان صحت کا بھی لحاظ رکھتے ---- ہرچند کہ آپ کو طلبہ کا محنت سے پڑھنا پسند تھا لیکن کوئی طالبعلم اگر کم روشنی میں یا لیٹ کر پڑھ رہا ہوتا تو اسے بیٹھ کر اور روشنی میں پڑھنے کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ اس طرح پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے اسی طرح راہ چلتے ہوئے آپ راستے کے آداب کی عملی تعلیم دیتے چلے جاتے۔ مثلاً اگر کانٹے یا پتھر بکھرے ہوتے تو انہیں راستے سے ہٹا دیتے تاکہ راہ چلنے والوں کو کوئی گزند نہ پہنچے ---- کبھی کسی دیہاتی علاقہ میں سفر پر جاتے یا عصر کے بعد سیر کے لئے نکلتے اور کسی ایسے کھیت کے پاس سے گزر ہوتا جہاں سے گندم کاٹ لی گئی ہو اور ابھی ہل نہ چلائے گئے ہوں تو ساتھی طلباء کو بڑی احتیاط سے چلنے کی تاکید کرتے اور بتاتے کہ کٹائی کے بعد جڑوں کے اوپر رہ جانے والا "ناڑ" اگر پاؤں کو لگ جائے تو بڑا شدید زخم ہو جاتا ہے جو جلدی مندمل نہیں ہونے پاتا ---- ایسے موقع پر آپ احتیاط سے چلنے کی تاکید فرماتے۔ راستے میں ملنے والے لوگوں کو "السلام علیکم" کہنے میں پہل کرتے ---- حضرت کی ان باتوں کا طلباء کے کردار پر بڑا مثبت اثر پڑا۔

علوم دینیہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے گناہوں سے اجتناب، تقویٰ و طہارت اور خشیت الٰہی بے حد ضروری ہے ---- بغیر اس کے یہ نور حاصل نہیں ہو سکتا۔

فان العلم نور من اللہ
و نور اللہ لا یعطی لعاص

(ترجمہ) بلاشبہ علم انوار الٰہی میں سے ایک نور ہے۔ تاہم اللہ کا نور کسی نافرمان کو عطا نہیں ہوتا۔

مشفق و مربی حضرت فقیہ اعظم طلبہ کے احکام شریعت میں تساہل یا تعلیم سے تغافل پر ایک ماہر سرجن کا کردار ادا کرتے اور حکمت و موعظت کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے اصلاح احوال فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ کا عمل آیت کریمہ "**ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ**" کی تفسیر اور شیخ سعدی کے اس شعر کی تعبیر تھا۔

درشتی و نرمی بہم دربہ ست
چوں فاصد کہ جراح و مرہم نہ ست

(سختی اور نرمی (حسب حکمت) ملی جلی اچھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ سرجن چیر پھاڑ کرتا ہے تو مرہم بھی رکھتا ہے۔)

حضرت فقیہ اعظم کی طالب علموں سے کمال شفقت و محبت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ ان کی اپنی نسبی اولاد کو تعلیمی دور میں انہیں مدرسے کے دیگر طلباء پر کوئی خاص فوقیت یا برتری حاصل نہ تھی۔ دیگر طلبہ کی طرح انہیں بھی مدرسے کے نظام کی پابندی کرنا پڑتی۔ آپ نے کسی استاد کو بطور خاص اپنی حقیقی اولاد پر خصوصی توجہ دینے کے لئے کبھی نہیں کہا بلکہ تمام طلبہ پر یکساں محنت اور توجہ کی تاکید فرماتے۔ کیونکہ ان کی نظر میں تمام طلبہ ان کی اولاد کی مانند تھے۔

دار العلوم میں تعلیم کے لئے چٹائیاں بچھائی جاتیں اور کلاس میں شریک طلبہ باری مقرر کر کے انہیں بچھانے اور اکٹھا کر کے بحفاظت رکھنے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے۔ طلبہ کی خواہش کے باوجود آپ نے کبھی یہ پسند نہ فرمایا کہ ان کی اولاد کو اس خدمت سے مستثنیٰ کیا جائے۔

چنانچہ راقم الحروف بطیب خاطر یہ ڈیوٹی انجام دیتا رہا ہے۔

فقیہ اعظم کی طلباء کے ساتھ شفقت و محبت کا ایک رنگ یہ بھی تھا کہ کبھی کسی سے رنج

یا ملال کا اظہار فرمالیتے تو پھر اس کی دلجوئی کا بھی پورا پورا اہتمام کرتے۔ آپ کے شاگرد مولانا صوفی علی محمد نوری (پناہ گزین عارفوالہ) بیان کرتے ہیں۔

"مدرسہ کے ابتدائی دور میں ایندھن کے لئے طلبائے کرام "چھڑیاں" کاٹنے جاتے ایک مرتبہ مغرب کے بعد طلباء واپس آئے' دروازے کے قریب فقیہ اعظم کو پایا ہم مصافحہ کے لئے آگے بڑھے ---- چند طلباء سے مصافحہ کرلیا مگر طبیعت میں چونکہ نفاست بہت زیادہ تھی طلباء کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مٹی اور لکڑیوں کی بساند کے باعث آپ نے طلباء کو مصافحہ سے منع کردیا۔ اس معمولی واقعے کا ہمارے شفیق آقا فقیہ اعظم پر اتنا اثر ہوا کہ اگلے دن ہی آپ نے تمام طلباء کے لئے حلوے کی دعوت کا اہتمام کیا اور یوں اپنے رویے پر معذرت کی"۔

آپ ذہین اور محنتی طلباء کا خصوصی خیال رکھتے۔ مدرسے کے تمام ذہین اور باصلاحیت طالبعلم ان کی نظر میں ہوتے خواہ ان کے اسباق آپ کے پاس ہوتے یا کسی اور استاد کے پاس ---- کبھی کبھی طلباء کا امتحان بھی لیتے اور ذہین طلباء کو انعامات سے نوازتے بالعموم یہ انعام کتابوں کی شکل میں ہوتا۔ چنانچہ ایسے مواقع پر "الامن والعلی" "الکلمۃ العلیا" "حدائق بخشش" "الدولۃ المکیہ" اور "اطیب البیان" وغیرہ عنایت فرماتے۔ ایک مرتبہ ہماری کلاس کو تفسیر الحسنات کی جلدیں عطا فرمائیں۔

آپ طلباء کو بلاتے تو اس میں بھی رنگ الفت نمایاں ہوتا۔ مبتدی طلبہ کے نام کے ساتھ بھی مولوی صاحب' حافظ صاحب' کا اضافہ فرماتے جس سے طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوتی اور وہ مزید محنت اور شوق سے تعلیم پر توجہ دیتے۔ مولانا زید احمد نوری' شیخ فاضلی رقم طراز ہیں۔

"دوران تعلیم حضور مبتدی طلباء کو بھی اعزاز کے ساتھ پکارتے۔ اس ادنیٰ ترین غلام کو "صاحب زادہ صاحب" اور "زید' زید مجدہ" کہہ کر بلاتے ---- بعد از

فراغت بھی نہایت کریمانہ انداز سے نوازتے۔ حضور کے متعدد نوازش نامے میرے پاس محفوظ ہیں۔ کسی میں "المحب المخلص' الخالص الاخص" کسی میں "فرزند ارجمند" "یار وفادار مولانا زید زید حبہ ولبہ و علمہ و عملہ" تحریر فرماتے۔ شرف زیارت کے وقت اکثر اس انداز سے معمول شریف تھا کہ فرماتے **مولانا زید احمد زید مجدک استودع اللہ جسدک و روحک زادک اللہ شرفا**

اور یہ حضرت کا مستقل معمول تھا کہ جب کوئی عزیز' رشتہ دار' شاگرد' طالبعلم' عالم فاضل یا کوئی مرید رخصت کی اجازت لیتا تو مصافحہ کے وقت اسی قسم کے دعائیہ الفاظ کہتے **استودع اللہ دینک و امانتک وجسدک و روحک** ---- وغیرہ

طلباء کو اعزاز سے پکارنے کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام بھی فرماتے کسی سے نام پوچھتے اور وہ ازخود نام کے ساتھ "حافظ" یا "مولوی" وغیرہ کے لاحقے کا اضافہ کرتا تو حکیمانہ انداز میں اس کی اصلاح فرماتے اور تواضع اور عاجزی کا درس دیتے۔

مدارس دینیہ کے طلباء کے علاوہ بھی آپ بچوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے طلباء کے ساتھ خصوصی شفقت سے پیش آتے۔ آپ کے اس رویے سے اکثر کی تقدیر بدل گئی۔ مولانا محمد صادق نوری پاکپتنی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"پہلی مرتبہ جب مجھے بصیر پور آنے کا اتفاق ہوا اور حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں حاضری دی آپ نے دریافت کیا' بیٹے کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا حضور سکول پڑھتا ہوں اس پر عاشق رسالت مآب نے فرمایا تم تو مجھے دینی طالبعلموں جیسے نظر آتے ہو" پھر جوش کرم میں آکر فرمایا "میں تجھے علم دین سکھاؤں گا"

پیکر شریعت کے اس فرمان نے میری تقدیر بدل دی ---- میرے دل میں تعلیم دین کا شوق ایسا جاذب ہوا کہ میں باقی سب کچھ بھول بھال گیا ---- چنانچہ میں نے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں داخلہ لیا اور بفضلہ تعالیٰ یہیں تکمیل کی"

عام طور پر دیکھا گیا ہے بعض مدرسین طلباء کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں مگر آپ کے ہاں یہ بات نہ تھی۔ آپ طلباء کے باہمی معاملات میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے۔ مولانا محمد صدیق منور نوری (فرید پور جاگیر) بیان کرتے ہیں۔

"حضرت فقیہ اعظم نے ہمیشہ دار العلوم کے مفادات کو مقدم رکھا۔۔۔ اگر طلباء میں کوئی جھگڑے کی بات ہوتی تو آپ نے کبھی عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا اگرچہ منتہی طالبعلم ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر کوئی طالبعلم چلا گیا تو جبین مقدس پر شکن نہیں آئی اور جب واپس آیا تو مہمان سمجھ کر اسکی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپکی شفقت کا یہ ثمر تھا کہ جو کوئی بھی گیا اس کا دل بے تاب رہا اور اس وقت تک قرار نہ آتا جب تک واپس آکر زیارت سے مشرف نہ ہو جاتا"۔

آپ کی خصوصی شفقت کا طلبہ پر خاص اثر ہوتا اور وہ دل سے آپکو اپنا محسن اور شفیق گردانتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو کوئی تکلیف ہوتی تو طلبہ بھی بے چین ہو جاتے۔۔۔ ۱۹۵۳ء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضرت فقیہ اعظم نے تحریک ختم نبوت میں بڑا بھرپور کردار انجام دیا تھا جس کی پاداش میں آپ کو گرفتار کیا گیا۔۔۔ گرفتاری کا منظر بھی بڑا رقت انگیز تھا جب آپکو پولیس کی گاڑی میں بٹھایا جانے لگا تو آپ نے طلباء کو محنت سے پڑھنے اور صبر و استقامت اور حوصلے سے رہنے کی تاکید فرمائی۔۔۔ اس وقت بصیرپور کے عوام کا جوش و خروش اور فقیہ اعظم سے محبت کا رنگ دیدنی تھا۔۔۔ حد نگاہ تک لوگ سڑک پر لیٹ گئے ان کا مطالبہ تھا کہ حضرت کو رہا کیا جائے ورنہ ہمارے جسموں کو روند کر ہی حضرت کو لے جانا ہوگا۔۔۔ کئی گھنٹوں تک جاری رہنے والا یہ مظاہرہ اس وقت ختم ہوا جب حضرت نے خود باصرار لوگوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔۔۔ آپکی گرفتاری کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ ان دنوں ایک لائق و ہونہار طالبعلم مولوی دل محمد مدرسہ میں پڑھتے تھے جو فقیہ اعظم کی شفقت و محبت سے بے حد متاثر تھے۔۔۔ اتفاق سے گرفتاری کے وقت چھٹی پر تھے جب گاؤں میں انہیں یہ خبر پہنچی تو تعجب سے کہنے لگے ہمارے حضرت کو گرفتار کر لیا گیا ہے اب ہمارے یہاں رہنے کا کیا کام؟۔۔۔ یہ کہا اور موقع پر ہی جان جان آفرین کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس شہید محبت و وفا کی قبر پر کروڑوں رحمتیں

نچھاور کرے۔

فقیہ اعظم کی اپنے طلباء سے رافت و رحمت اور شفقت و محبت کی داستان بڑی طویل ہے۔۔۔ وہ طلباء کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے اگر ان پر زیادتی ہوتی تو تلافی کا حق ادا کر دیتے۔۔۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

ایک مرتبہ آپ کسی سلسلہ میں لاہور گئے ہوئے تھے۔ آپ کی عدم موجودگی میں عبدالخالق نامی ایک طالب علم نے کوئی غلطی کی۔ اتفاق سے اس وقت حضرت صدر المدرسین کے ہاتھ شہتوت کی تازہ چھڑی تھی جس کے ساتھ آپ نے اسے سزا دی۔ سزا اگرچہ مناسب تھی مگر چھڑی کے چند نشان جسم پر پڑ گئے۔۔۔ واپسی پر حضرت فقیہ اعظم کو پتہ چلا تو آپ عبدالخالق کے کمرے میں تشریف لے گئے۔۔۔ ضربوں کے نشان دیکھے۔۔۔ دلجوئی فرمائی۔۔۔ گیارہ بجے کی رخصت ہوئی تو چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔۔۔ دار العلوم کے صحن میں تمام طلباء و اساتذہ جمع ہیں۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم کے چہرے پر قادری جلال کا رنگ غالب ہے۔۔۔ ایک طرف آپ نے حضرت صدر المدرسین کو کھڑا کیا تو دوسری طرف عبدالخالق کو۔۔۔ مولانا منیر احمد نوری جو اس وقت طالب علم تھے اور جس چھڑی کے ساتھ صدر صاحب نے عبدالخالق کو سزا دی تھی وہ ہی کاٹ کر لائے تھے آپ نے انہیں حکم دیا کہ اسی قسم کی چھڑی کاٹ لاؤ۔۔۔ وہ چھڑی لائے آپ نے عبدالخالق کے ہاتھ میں تھمائی اور فرمایا جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی اتنی چھڑیاں صدر صاحب کو لگاؤ۔۔۔ حضرت صدر المدرسین نے خود کو سزا کے لئے پیش کر دیا مگر عبدالخالق نے حضرت کی عدل پسندی اور حضرت صدر صاحب کی کمال سعادت مندی سے متاثر ہو کر چھڑی نیچے پھینک دی اور کہا کہ اب میرے دل میں سزا کا کوئی رنج نہیں رہا۔

اس واقعہ سے جہاں فقیہ اعظم کی طلبہ سے شفقت اور عدل پسندی کی جھلک نظر آتی ہے وہیں فقیہ اعظم کے تربیت یافتہ باکمال شاگرد صدر المدرسین حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری (علیہ الرحمہ) کی سعادت مندی بھی عیاں ہے۔۔۔ حضرت صدر صاحب کوئی معمولی شخصیت نہ تھے۔۔۔ وہ صرف تمام طلبہ ہی کے نہیں بلکہ تمام اساتذہ کے بھی استاد تھے۔۔۔ مگر انہوں نے اپنی خفت کا خیال نہ کیا بلکہ فقیہ اعظم کی رضا کو ترجیح دیتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا۔۔۔ ان کا پختہ اعتقاد تھا کہ فقیہ اعظم ایسے شفیق و محسن استاد کی رضا ہی میں دین و دنیا کی سربلندیاں اور سرفرازیاں مضمر ہیں۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم ایسے عظیم مربی و شیخ اور حضرت ضیاء العلماء ایسے سعادت مند شاگرد صدیوں بعد ہی پیدا ہوا کرتے ہیں۔

فقیہ اعظم کا طلباء کے ساتھ ذاتی طور پر بھی یہی معاملہ تھا کہ آپ گاہے گاہے خصوصاً سالانہ تعطیلات کے مواقع پر طلباء سے فرماتے "میں اگر کسی کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کرتا ہوں یا سزا دیتا ہوں تو فقط اصلاح کے لئے۔۔۔ تربیت کے لئے۔۔۔ لیکن میرے دل میں آپ کا بے حد احترام ہوتا ہے کہ آپ مہمان ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔۔۔ میرے کسی عمل یا رویے سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو مجھے معاف فرما دیا جائے۔۔۔"

ادھر آپ یہ فرماتے اور ادھر ان کی شفقت سے طلباء کی گردنیں جھکتی چلی جاتیں اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔۔۔ مولانا منیر احمد فرید پوری بیان کرتے ہیں۔

"سالانہ تعطیلات کے موقع پر دل میں چھٹیوں کی وجہ سے گھر جانے کی بڑی خوشی ہوتی مگر جب حضرت کا الوداعی خطبہ سنتے تو گھر جانے کو دل نہ چاہتا۔۔۔ آپ کا خطبہ اتنا رقت انگیز اور موثر ہوتا کہ تمام طلباء کی ہچکیاں بندھ جاتیں"

بالعموم تمام طلبہ کے ساتھ آپ سراپا پیکر شفقت و مودت تو تھے ہی لیکن سادات کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت کا حال دیدنی ہوتا! عام طلباء کو آپ مہمان رسول جانتے اور سادات چونکہ ہیں ہی اسی خانوادے سے منسوب اس لئے ان کی تعظیم و تکریم کرتے۔ مولانا حافظ محمد فیض الرسول سدیدی خطیب لاہور بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ آپ مسجد سے باہر آنے لگے تو ایک طالب علم سید حامد علی شاہ صاحب نے آپ کا جوتا مبارک اٹھا لیا۔۔۔ حضرت کی نظر پڑی تو بے حد رنجیدہ ہوئے جلدی سے جوتا ان کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا سید صاحب آپ نے جوتا اٹھا کر اس فقیر کو کیوں گناہ گار کیا۔۔۔ اب اس کا کفارہ ادا کرنا ہو گا چنانچہ سید طالب علم کا جوتا خود اٹھا کر سیڑھیوں تک لائے۔"

آپ سادات طلباء کو میلاد پاک "گیارہویں شریف اور دیگر تقریبات کے تبرک میں سے دوگنا حصہ دیتے۔

حضرت فقیہ اعظم اپنے شاگردوں کو اپنا کنبہ سمجھتے تھے ان کے گھریلو مسائل کے حل میں انہیں مدد دیتے اور ان کو اپنے مسائل میں شریک کرتے۔۔۔ طلباء کے رنج کو اپنا رنج اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے۔۔۔ بالعموم آپ بیاہ شادی کی تقریبات میں بہت کم شرکت کرتے مگر جب کوئی طالب علم اپنی شادی میں شمولیت کی دعوت دیتا اور اصرار کرتا تو آپ اس کی دلجوئی کرتے ہوئے شمولیت کا وعدہ فرما لیتے مگر یہ تاکید کر دیتے کہ وہاں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو۔ وعدہ کی پاسداری کے لئے اپنے مفادات تک کو قربان کر دیتے۔ چنانچہ حضرت کے ایک عقیدت مند ماسٹر محمد یاسین صاحب (نئی آبادی بصیرپور) نے مجھے ایک واقعہ بیان کیا:

"ایک بار ایک طالب علم کی شادی میں آپ نے شمولیت کا وعدہ فرما لیا۔۔۔ اتفاق سے اسی دن معروف شخصیت اور بہت بڑے رئیس ملک محمد نور ممبر اسمبلی کا ختم چہلم تھا۔ ملک صاحب کے خاندان سے حضرت کے مراسم تھے۔ جنازہ بھی آپ نے ہی پڑھایا تھا۔ ان کے ورثاء نے ختم میں شمولیت کی درخواست کے ساتھ گاڑی بھجوائی۔۔۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں پہلے سے ایک غریب طالب علم کے پروگرام میں شرکت کا وعدہ کر چکا ہوں۔۔۔ لہٰذا ختم چہلم میں شرکت سے معذور ہوں۔"

اس عمل سے واضح ہو گیا کہ آپ کے دل میں غریب سے غریب طالب علم کی عزت ایک بادشاہ ایک اور جاگیردار سے زیادہ تھی۔ امراء سے طبعی طور پر آپ کو لگاؤ نہیں تھا اس لئے از خود ان کے پاس کبھی نہ جاتے اور نہ ہی زندگی بھر ان سے اپنی ضرورت بیان کی۔ البتہ خود کوئی آجاتا تو حسن سلوک سے پیش آتے۔۔۔

سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اپنے طلباء کے ساتھ یہ منفرد شفقتیں ان کے زمانہ تعلیم تک محدود نہ تھیں، فراغت کے بعد بھی جاری رہیں۔ اسی وجہ سے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ آپ مجھ پر سب سے بڑھ کر شفیق تھے اور آپ کی جتنی عنایات مجھ پر تھیں اتنی کسی اور پر نہ ہوئیں۔

یہ قصہ دراز ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

فقیہِ اعظم کا نظریۂ تربیت اور طریقِ کار

پروفیسر خلیل احمد نوری

شیخ المحدثین فقیہ اعظم حضرت علامہ ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی ایسی عبقری شخصیت کا اسم گرامی ہے جنہیں قسام ازلی نے گوناگوں اوصاف و کمالات سے نواز کر ایک عالم کی رہبری و رہنمائی کے لئے چن لیا تھا۔ آپ کے تفقہ کا اس قدر شہرہ تھا کہ ملک و بیرون ملک اور اطراف و اکناف عالم سے علماء و عوام نے آپ کی خدمت میں استفتاء بھیجے۔ دوسری طرف زمانے نے آپ کے زہد و اتقا کی مثالیں دیں۔ جہاں آپ نے عشق مصطفیٰ (علیہ التحیتہ والثناء) سے لبریز زندگی بسر کی، وہاں علم و عرفان کی دولت بے پایاں سے بھی سرفراز کئے گئے۔ تدریس و تعلیم میں ید طولیٰ حاصل تھا اور تحقیق و تصنیف میں بے پناہ دستگاہ رکھتے تھے۔ دین متین کے بہترین شارح تھے اور اجتہادی بصیرت سے جدید سائنسی مسائل کی عقدہ کشائی کا ملکہ بھی موجود تھا۔۔۔ آپ مشفق و غمخوار استاد تھے اور اپنی علمی، ادبی اور روحانی خدمات کی بنا پر محسن ملت اور ستون امت بھی قرار پائے۔

حضرت فقیہ اعظم (علیہ الرحمتہ) کے لاتعداد محاسن میں ایک تابدار وصف یہ تھا کہ آپ مقام رشد و ہدایت کے عظیم منصب پر فائز تھے۔ تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں آپ کی تدبیر و فراست اور خدمات کا اعتراف آئندہ نسلوں پر قرض رہے گا۔۔۔ ذیل میں چند عنوانات کی روشنی میں اسی جوہر کا ایک جائزہ لیتے ہوئے آپ کے نظریہ تربیت اور طریق کار کی وضاحت کی جاتی ہے۔۔۔ وما توفیقی الا باللہ العلی

العظیم۔

نظریہ اصلاح و تربیت

1972ء سے 1979ء تک دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور میں احقر زیر تعلیم رہا ہے۔ اس عرصہ میں بالواسطہ اور بلاواسطہ حضرت فقیہ اعظم سے شرف تلمذ رہا۔ متعدد مرتبہ سفر میں ہمرکابی کا اعزاز ملا۔ خلوت و جلوت، نجی اور عمومی زندگی میں آپ کی مصروفیات سے آگاہی رہی۔ ایسی شخصیت کے افکار و نظریات کو سمجھنے کے لئے اس قدر طویل عرصہ کافی ہوتا ہے۔ سات برس کا طویل مطالعہ کسی بھی انسان کے قول و فعل، طرز زندگی اور روز مرہ مصروفیات کے مرکزی نقطے اور مقصد زندگی کو واضح کر دیتا ہے--- زمانہ طالبعلمی کے اس مشاہدے میں حضرت فقیہ اعظم کا جو نظریہ تربیت سامنے آیا، اسے ان ذیلی عنوانات کے تحت قلمبند کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مرکز رشد و ہدایت کا قیام

آپ نے اولاً ایک ایسے مرکز کے قیام کی ضرورت محسوس کی جس میں اصلاح و تربیت کے لئے علماء پیدا کئے جا سکیں کیونکہ نور علم کو عام کئے بغیر ہدایت و رہنمائی کا وجود ممکن نہیں اور جہاں علم کی روشنی پہنچے گی وہاں اصلاح و رہنمائی کا وجود ناگزیر و لابدی ہو جائے گا--- اہل علم کو دیگر اہل ایمان پر جو بلند درجہ حاصل ہے، وہ علم کے اضافی وصف کی بنا پر ہے۔ (۱) قرآن کریم نے نبی کریم علیہ التحیتہ والتسلیم کو معلم کتاب و حکمت قرار دیا ہے۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے منصب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۳) تاریخ عالم میں جتنے بھی مربی و مصلح گزرے ہیں، سبھی زیور علم سے آراستہ تھے۔

حضرت فقیہ اعظم (نور اللہ مرقدہ) کو ضرورت و اہمیت علم کا گہرا شعور تھا۔ انہوں نے اقوام عالم کی شکست و ریخت اور مسلم امہ کے عروج و زوال کا مطالعہ

کرتے ہوئے اسباب زوال کو دریافت کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ امت مسلمہ کے تنزل اور انحطاط میں دیگر عوامل کے مقابلے میں مسلمانوں کی اپنی بے عملی اور بے راہ روی کا عمل دخل زیادہ ہے۔ یہ بے عملی اصل میں بے علمی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے خوب غور و تدبر کے بعد اس انحطاط کی کاٹ کے لئے جس نظریے کو اپنایا وہ اشاعت علم و عرفان تھا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ علم و آگہی کے بغیر اسلام کے تقاضوں کو سمجھنا ممکن نہیں۔ جب تک علم کی اہمیت قلوب میں راسخ اور اذہان اسلام کے فہم سے آشنا نہ ہوں، تو سیرت سازی کا عمل جاری نہیں ہو سکتا۔ افراد کا تعلیم یافتہ ہونا ہی تنزل و پستی کا علاج ہے۔

حضرت فقیہ اعظم برصغیر کے طول و عرض میں بکھرے ہوئے ان مراکز علم سے خوشہ چینی کر چکے تھے جو اپنے وقت میں علم و عرفان کے مصادر سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ فراغت (۴) کے بعد آپ نے تعلیم و تدریس کو اپنا ہدف و مقصود بنایا اور اشاعت علم کو زندگی کا مشن قرار دیا--- سب سے پہلے ایک گاؤں واسو سالم (۵) پھر بصیرپور کے ایک مدرسے میں آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور پھر فرید پور جاگیر (تحصیل دیپالپور) میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ (۶) جسے بعد میں بہتر انتظامی سہولتوں کے پیش نظر بصیرپور (ضلع اوکاڑہ) میں منتقل کر دیا۔ (۷) یہ دارالعلوم مرکز تعلیم و تعلم اور منبع رشد و ہدایت قرار پایا۔ اس دارالعلوم کے ذریعے سینکڑوں کی تعداد میں آپ نے ایسے افراد پیدا کئے جنھوں نے وعظ و نصیحت، تدریس و خطابت اور تعلیم و تعلم کے ذریعے افراد ملت کے فکر و اعتقاد کو درست سمت دی۔ کردار و عمل میں تغیر پیدا کیا۔ اخلاق حسنہ اور اسلامی معاشرت سے آشنا کیا--- دارالعلوم کے چند سالوں کا ریکارڈ مفقود ہے۔ تاہم دستیاب ریکارڈ کے مطابق اب تک ہزاروں افراد داخلہ لے چکے ہیں اور فراغت علم کے بعد اندرون ملک اور بیرون ملک حضرت فقیہ اعظم کی علمی تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہ کوئی دو چار دن، چند

مہینوں یا چند سالوں کی بات نہیں ہے بلکہ نصف صدی سے یہ یونیورسٹی ملکی و غیر ملکی تبلیغی، تعلیمی اور تربیتی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ جس کی ایک کڑی "نور الحبیب" کی باقاعدہ اشاعت اور فتاویٰ نوریہ کی چھ ضخیم مطبوعہ مجلدات بھی ہیں --- اس طرح جن جاں گسل اور کٹھن حالات میں حضرت فقیہ اعظم نے نور علم و عرفان کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا تھا اور جہالت کے پردوں کو تار تار کرنے کی کوشش کی تھی، وہ اپنے پورے برگ و بار کے ساتھ بار آور گلشن کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ قطعاً" مبالغے کی بات نہیں ہے کہ اس ادارے کے تعلیم یافتہ علماء خود بھی تقویٰ شعار، راست باز اور اعلیٰ قدروں کے حامل ہیں اور اپنے اپنے تبلیغی مقام پر ہزاروں لوگوں کو پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ اطوار حیات سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔

(۲) سلسلہ قادریہ کا فیضان

افرادی اصلاح احوال کے لئے آپ کی نظر میں دوسرا بڑا ذریعہ سلوک و طریقت کے ذریعے تزکیہ نفس تھا۔ قرآن مجید نے تزکیہ پانے والوں کو کامیاب قرار دیا ہے۔ (۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت میں بھی تزکیہ نفوس شامل ہے۔ (۹) صلحائے امت نے شیخ طریقت اور مربی کی بیعت کو تزکئے کا پہلا قدم قرار دیا ہے۔ طریقہ بیعت مربی اعظم حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ (۱۰) اور بیعت عقبہ ثانیہ (۱۱) اسلام کی تاریخ کے وہ درخشندہ موڑ ہیں جو اسلام کی عظمت و سطوت کا سنگ میل ٹھہرے تھے۔ بیعت رضوان کا تذکرہ بھی قرآن کریم کے سینے میں موجود ہے۔ (۱۲) یہ بیعت فتح مکہ کی بنیاد اور فتح مبین (۱۳) کا سرنامہ تھی --- بزرگان دین نے اسی اصل کو سامنے رکھتے ہوئے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل کیا اور خانقاہی نظام قائم فرمایا۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا اسلام ان ہی بزرگوں کا رہین منت ہے۔ جو بھی ان صالحین امت کے حلقہ بیعت میں داخل ہوتا، اس کی کایا پلٹ جاتی اور وہ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی

کے لئے وقف کر دیتا۔

حضرت فقیہ اعظم شیخ المشائخ، استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمتہ (۱۴) کے ساتھ سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت و خلافت رکھتے تھے۔ (۱۵) بنا بریں آپ نے اسی سلسلے میں معرفت و طریقت کا درس دیا۔ اور ہزاروں بندگان خدا کو اپنی بیعت سے نوازا --- آپ نے روایتی طرز کی پیری مریدی نہیں کی بلکہ اس مقدس مشن کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے وقت بیعت مرید کو کہتے کہ وہ سابق گناہوں سے تائب ہو اور عہد لیتے کہ آئندہ حتی الامکان گناہوں سے اپنی طبیعت کو آلودہ نہیں کرے گا۔ ساتھ ہی نماز، زکوۃ، روزے اور حج کی تلقین کرتے۔ جب کبھی کوئی مرید شرف زیارت کے لئے حاضر ہوتا، اس سے فرائض و واجبات کی ادائیگی اور حقوق العباد کی بجا آوری کے بارے میں دریافت فرماتے۔ فضائل اخلاق کو اپنانے اور رذائل کے ترک کرنے کی نصیحت فرماتے۔ آپ بالعموم طویل اوراد وظائف کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ آپ کے نظریے کے مطابق ایک انسان کی قابلیت اور نجات اخروی کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ کسب معاش میں حلت و حرمت کا احساس رکھے اور فرائض، واجبات، سنن اور حقوق العباد کی انجام دہی کے ساتھ کلمہ طیبہ، درود شریف، استغفار اور نوافل کی معین و محدود تعداد کو حرز جاں بنائے رکھے۔ (۱۶) چنانچہ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ہزاروں لوگوں نے اپنی سیرتوں کو سنوارا اور اسلام کے اصولوں کے مطابق نئی اور بہتر زندگی کا آغاز کیا، جس کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

ضلع میانوالی کے ایک شخص محمد حنیف اپنے بیٹے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"عزیزم رشید احمد اور فرزندم، آں ذات ستودہ صفات کے دائرہ بندگان میں داخل ہو کر نہایت متشرع اور نیک اطوار آنجناب سے مستفید و مستفیض ہو رہا ہے۔" (۱۷)

علامہ سید محمود احمد رضوی نے تحریر فرمایا۔ "جو بھی ان سے سلسلہ قادریہ نعیمیہ اشرفیہ میں مرید ہوا ان میں سے اکثر کی زندگی پر ایسا اچھا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی زندگی کو احکام اسلامیہ کا پابند بنا دیا" (۱۸)

(۳) فتویٰ نویسی۔۔۔ایک اور اصلاحی مشن

امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے آپ نے جو تیسرا میدان منتخب کیا وہ تحریر کا تھا جس کی قوت کے اعتراف کے طور پر قرآن مجید نے قلم کی قسم اٹھائی ہے۔ (۱۹) پہلی وحی بھی قلم کی عظمت پر گواہی دے رہی ہے۔ (۲۰) لٹریچر اور پریس کی طاقت اب تو قوموں کی رفعت و سربلندی کا نشان سمجھی جاتی ہے۔۔۔ تحریر کے دوسرے موضوعات کو چھوڑ کر فتویٰ نویسی کو ہی آپ نے کیوں ترجیح دی۔ اس کی چند وجوہات تھیں:

۱۔ زمانہ طالب علمی سے ہی آپ کا زیادہ تر رجحان اسلامی قانون کو سمجھنے اور فقہی کتب کے فہم کی طرف رہا۔ اس ذہنی اٹھان اور فطری جوہر کو جلا بخشنے کے لئے آپ نے میدان فقہ کو منتخب کیا تاکہ بہتر سے بہتر انداز میں لوگوں کو مستفیض کیا جا سکے۔

۲۔ دیگر موضوعات پر لکھنے لکھانے کا کام کرنے والے اور لوگ بھی موجود تھے مگر تفقہ میں ملکہ پیدا کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔

۳۔ بصیر پور اور اس کے گردو پیش کے اضلاع میں بالخصوص اور پورے ملک میں بالعموم ایسے محقق علماء کی سخت کمی تھی جو سطحی اور روایتی انداز سے ہٹ کر تحقیق و تفحص کے ساتھ احکام فقہی پر قطعی اور ٹھوس رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

۴۔ ایک طرف تقلید خالص اور جمود و تعطل کا دور دورہ تھا۔ دوسری طرف سائنسی ترقی کی بنا پر جدید تمدن کے بطن سے ایسے ایسے مسائل جنم لے رہے تھے، جو علماء عصر حاضر کے لئے چیلنج بن کر رہ گئے تھے۔ قرآن و سنت میں ان کا حل موجود ہونے کے باوجود علما کی بے توجہی آڑے آ رہی تھی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ آزاد خیالی کا

شکار ہو کر اشتراکیت اور الحاد کے چنگل میں پھنس رہا تھا۔ مسلمانوں کے عقائد پر قرآن و سنت کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔۔۔ آپ نے اس انتشار پر قابو پانے کے لئے فقہی تحقیق کے میدان کو منتخب کیا اور جدید مسائل پر قلم اٹھایا۔

۵۔ حضرت مولانا امجد علی (علیہ الرحمتہ) کی تصنیف بہار شریعت کی صورت میں اگرچہ فقہ حنفی کا ایک ضخیم مجموعہ اردو دان طبقے کے لئے موجود تھا مگر اس میں اصول فتویٰ کے مطابق دلائل کی کمی تھی۔ بلاشبہ تحقیق و تفحص کا شاہکار اور چالیس ہزار مسائل کا مجموعہ فتاویٰ رضویہ بھی موجود تھا مگر کئی عصری مسائل سے نبٹنے کے لئے مزید ریسرچ کی ضرورت درپیش تھی۔

غالباً" ان مذکورہ وجوہ کے پیش نظر آپ نے تخلیقی اور تحریری قوتوں کو اس میدان میں اتارا اور راہوار قلم کو مہمیز دی۔ قریباً نصف صدی تک مغربی اور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے علاوہ بیرون ملک سے آئے ہوئے استفسارات کے جوابات رقم فرمائے۔ بہت سے جدید مسائل کی گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سنوارا۔ فتاویٰ نوریہ کی چھ مجلدات میں سینکڑوں استفتاءات موجود ہیں۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل (۲۱) یہ فتاویٰ ۶۸۵۵ مسائل (۲۲) پر رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق کسی بھی ایک استفتاء کی پشت پر بالعموم سینکڑوں لوگوں کی تحریک موجود ہوتی اور طباعتی مراحل سے گزرنے کے بعد لاکھوں افراد کی رہنمائی کا سبب بنتا ہے۔ عوام تو رہے ایک طرف، محقق علماء بھی اس فتاویٰ سے استفادہ کر رہے ہیں اور نسل در نسل یہ فیضان تاقیام قیامت جاری رہے گا انشاء اللہ العزیز!۔۔۔اس حقیقت کی روشنی میں فتویٰ نویسی کے ذریعے حضرت فقیہ اعظم کا نظریہ اصلاح و تربیت مختلف النوع فوائد کا حامل اور وقت کی ناگزیر ضرورت تھا۔

فتویٰ نویسی میں چونکہ آپ کی خدمات اتفاقی یا حادثاتی نہیں بلکہ آپ کے مذکورہ مشن کا حصہ تھیں۔ اس لئے فتاویٰ نوریہ میں جابجا ایسے مقامات سے گزرنا پڑتا

ہے جہاں آپ سائل کو کھل کر نصیحت و تلقین اور تنبیہہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق و افتاء میں نصیحت و موعظمت کا ٹانکا بالعموم ٹھیک سے جچتا نہیں ہے مگر آپ کا مشن ہی اصلاح احوال تھا' اس لئے آپ یہ فریضہ انجام دیئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

مثلاً ایک فتویٰ میں مسئلے کی توضیح کے بعد نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائر اخرویہ اور خزائن ابدیہ پر کرے نہ یہ کہ وبال اٹھائے ہوئے جیفہ دنیائے دنیہ پر گرے"۔(۲۳)

ایک سائل نے زکوۃ کا مسئلہ دریافت کیا اور گذشتہ سالوں کی واجب الادا زکوۃ کی شرح و تفصیل طلب کی۔ آپ نے تفصیلی جواب دیا۔ چونکہ یہ مسئلہ کئی جزئیات کا حامل تھا اور سائل کے لئے عدم فہم کا متحمل تھا اس لئے آپ نے آخر میں لکھا:

امید غالب ہے کہ بار بار پڑھنے سے باسانی سمجھ سکیں گے ورنہ آکر سمجھ لیں کہ اب وقت ہے' قیامت میں حساب پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔" (۲۴)

برادر مکرم مولانا محمد صابر وٹو (لاہور) ابتداء" مری میں خطابت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ کسی شرعی مسئلے پر مقامی علماء سے نزاع پیدا ہو گیا۔ مولانا حق پر تھے اور دوسری طرف کج روی اور ہٹ دھرمی تھی۔ انہوں نے قلب کی تسلی کے لئے متنازعہ مسئلہ پر استفتاء کیا اور حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں تمام صورت حال لکھی جس میں پریشانی اور دل برداشتگی ظاہر کی۔ آپ نے دین کے ایک خدمت گار کی مایوسی کو بھانپ لیا اور لکھا۔

"آپ آئندہ کے لئے بھی بالکل مضبوط رہیں کہ یقیناً سچ پر ہیں۔ مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کام چھوڑنے سے مخالفت ہرگز نہیں چھوڑتی' جو بھی نیا کام کرو گے حتیٰ کہ ہل چلاؤ گے تو پھر بھی مخالفت ہو سکتی ہے۔ جو وٹوؤں کا قومی کام ہے۔"
(۲۵)

قرآن کریم نے تبلیغ کے اصول بیان فرماتے ہوئے حکمت و موعظت حسنہ اپنانے کی تلقین کی ہے۔ (۲۶) مگر بہت کم علماء ان اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں

حضرت فقیہ اعظم اپنے شاگرد مولانا منظور احمد ربانی کو لکھتے ہیں:

"بے علموں کو پیار اور محبت سے سمجھایا کریں' ربانی عالم کا یہی وطیرہ ہوتا ہے"
(۲۷)

طریق تربیت

نظریہ تربیت کے ضمن میں اگرچہ آپ کے طریقہ کار کی بھی وضاحت ملتی ہے مگر اس پہلو پر چند ذاتی مشاہدات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم کے تلامذہ اور متوسلین و مریدین مندرجہ ذیل خطوط پر اظہار خیال فرمائیں تو یہ موضوع بہت نکھر کر سامنے آسکتا ہے۔

(ا) اجتماعی تربیت

بعض اوقات نفس انسانی ایسے باطنی امراض کی آماجگاہ بن جاتا ہے کہ اس کے علاج کے لئے انفرادی نصیحت کے بجائے مجمع عام میں تلقین زیادہ موثر اور ہمہ جہتی مفید ثابت ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہت سے ایسے خطبے مروی ہیں جو کسی خاص موقع اور ضرورت کے پیش نظر مخصوص افراد کی تربیت کے لئے اجتماع عام میں فرمائے گئے--- حضرت فقیہ اعظم بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع فرماتے ہوئے بہت سے مواقع پر کسی مخصوص پس منظر میں طلباء دار العلوم کے اجتماع میں ہنگامی خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی چند طلباء سے کوئی غیر متوقع کوتاہی رونما ہوتی اور اس کا اثر اجتماعی ماحول کو گدلا کرنے کا سبب بنتا تو آپ فوراً طلبا کو اکٹھا فرماتے اور وعظ و تلقین کی مجلس قائم ہوتی--- ایسے اجلاس میں عموماً" آیات کونوا مع الصادقین (۲۹) (سچوں کے ساتھی بن جاؤ) اور تعاونوا علی البر

والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۳۰) (نیکی اور پرہیز گاری کی باتوں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کے معاون نہ بنو) **کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون (۳۱)** نیز **ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (۳۲)** تلاوت فرمایا کرتے اور اس کی تشریح و تفسیر پر مشتمل خطبہ ارشاد فرماتے۔

ایک موقع پر بیشتر طلبا نے عید الاضحیٰ کے پہلے عشرے کے روزے رکھنا شروع کر دیئے۔ یہ نیکی کا کام تھا مگر اس کے ساتھ کئی قباحتیں بھی مضمر تھیں۔ جن کا احساس طلباء نہ کر سکتے تھے۔ مثلاً روزہ دار طلباء دیکھا دیکھی ذاتی طور پر سحری و افطاری کے لئے طرح طرح کے کھانے تیار کرنے لگے جس سے ان کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا اور تعلیم و تعلم میں کمی واقع ہوتی۔ لنگر میں پکا ہوا کھانا بچ جاتا اور ضیاع کا موجب بنتا۔ سحری کے وقت کی طویل بیداری دن کو نیند کا سبب بن کر حصول علم میں حارج ہوتی۔ اس میں چوتھی قباحت یہ پیدا ہوئی کہ جن طلباء کی طبائع صحیح طور پر پختہ نہ ہوئی تھیں وہ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی افطاری میں مشغول ہو کر نماز باجماعت کے اجر سے محروم رہتے۔ پھر کئی ایک طلباء نے یہ مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا کہ دار العلوم کی طرف سے سحر و افطار کا انتظام کیا جائے جو کئی ایک انتظامی دشواریوں کی بنا پر ممکن نہ تھا۔

اس پس منظر کے حوالے سے ایک روز بعد نماز عشاء حضرت فقیہ اعظم مسجد کے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور ایک بڑی پر مغز اور بر محل تقریر فرمائی۔ نفس امارہ کے مختلف ہتھکنڈوں کی وضاحت کی۔ روزے کے فوائد کے اعتراف کے ساتھ مذکورہ قباحتوں کی نشاندہی کی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو روزہ نفس کی بہیمیت کو ختم کرنے کے بجائے لذیذ کھانوں کا مطالبہ کرے، وہ درحقیقت نفس کی شرارت ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمتہ کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ آپ ایک طویل عرصہ تک روزہ دار رہے مگر نفس امارہ پر اس قدر حاوی ہو چکے تھے کہ جب کبھی بھوک کی اشتہا بڑھتی تو

لکڑی کے ٹکڑے کو کاٹتے اور نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہتے "اب کھاؤ اسے"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نیکو کاروں کو بھٹکانے اور اعلیٰ مقصد سے دور کرنے کے لئے شیطان بھی ان جیسا بھیس بدلتا ہے۔ صوفیوں کے پاس صوفی، علماء کے پاس عالم اور عبادت گزاروں کے پاس عابد کا بہروپ بنا کر آتا ہے تاکہ دھوکہ دینے میں آسانی ہو۔ اس طرح بڑی نیکی سے ہٹا کر چھوٹی نیکی کو مزین اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے تاکہ معمولی نیکی کے ذریعے بڑی نیکی کے سینکڑوں فوائد سے محروم کر دے۔ پھر طلباء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگ دار العلوم میں اس لئے عطیات بھجواتے ہیں کہ وہ تمہارے تعلیمی اخراجات پر صرف ہوں اور اشاعت علم ہو سکے۔ تمہارے لئے تنخواہ دار اساتذہ اور دیگر عملہ مقرر ہے، لاکھوں کے اخراجات ہیں اور تم علم کی تحصیل کی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر نفلی روزوں میں مبتلا ہو رہے ہو اور اپنے مقصد کو فراموش کر رہے ہو، اس لئے میں تمہیں روزے رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا سوائے ان افراد کے جو تعلیمی مقاصد کو فراموش نہ کریں۔ جو لوگ دار العلوم کے فنڈ میں تعلیمی اخراجات کے لئے عطیات بھجواتے ہیں، قیامت کے روز انہیں میں کیا جواب دوں گا۔

آپ کی ان نصیحتوں کا اثر ہوا کہ خواص کے علاوہ باقی طلبا روزہ داری چھوڑ کر ایک مرتبہ پھر تعلیم میں منہمک ہو گئے۔ اور ہمیشہ کے لئے شیطان کے مکر و فریب کی پہچان کا ایک اصول اور کلیہ ذہن نشین ہو گیا۔

افراد کی تربیت و اصلاح کا مسئلہ خاصا پیچیدہ اور مشکل ہے اور اعلیٰ فکری صلاحیت، تحمل و بردباری اور نفسیاتی تقاضوں کے فہم و شعور کا متقاضی ہے۔ افراد کی بے راہ روی ناسور کی شکل اختیار کر لے تو پھر سرجری کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے میں قوت فیصلہ سے عاری مصلح کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ جاتے ہیں اور اصلاح و تربیت کا عمل ممکن نہیں رہتا۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ ایسے نازک اوقات میں اصلاح طلب افراد کی طبیعت اور نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے انتہائی سخت اقدامات سے بھی

گریز نہیں کرتے تھے۔ بگاڑ کے علاج کے لئے جو بھی موثر اور ضروری کارروائی ناگزیر ہوتی اسے بروئے کار لاتے' اگرچہ بظاہر اس سے کتنا بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔

ایک بار دار العلوم کے طلباء میں یہ عادت وبا کی صورت اختیار کر گئی کہ وہ لنگر خانے سے فراہم کردہ سالن کو مزید عمدہ اور لذیذ بنانے کے لئے گھی کا استعمال کرنے لگے۔ ہر کمرے سے سٹوو جلنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور قیمتی وقت لذت کام و دہن کی نذر ہونے لگا۔ اور یہ بات حضرت فقیہ اعظم جیسے تعلیم و تعلم کے دلدادہ کی نظر میں معیوب ہی نہیں تھی' ناقابل برداشت تھی۔ اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ ایک طالب علم کی کوتاہی سے سٹوو کی آگ نے چارپائی کو مع بستر جلا کر راکھ کر دیا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ بروقت خبر ہو جانے پر آگ پر قابو پا لیا گیا۔ ورنہ یہ واقعہ کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ بھی بن سکتا تھا۔ حضرت فقیہ اعظم نے اس روش کے گوناں گوں ضرر رساں اثرات کی بنا پر سٹوو جلانے اور "تڑکا" لگانے پر پابندی عائد کر دی نیز تمام سٹوو سٹور کرا دیئے گئے۔ طلباء نے بہت سفارشیں کروائیں مگر آپ کے عزم کے آگے تمام حربے بے سود رہے۔ چند ایک شرپسند طلباء نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور نہایت خفیہ طریقے سے اندرون خانہ سازش تیار کرنے لگے۔ انہوں نے چالیس کے قریب طلباء سے قرآن مجید پر حلف لیا کہ فلاں روز شام کے وقت کا کھانا لنگر سے احتجاجاً" وصول نہیں کیا جائے گا خواہ کتنی بڑی اور کڑی سزا بھی بھگتنا پڑے۔ اور جب تک سٹوو واگزار نہیں ہوں گے' یہ احتجاج جاری رہے گا۔

کھانا تقسیم ہونے سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل اس بات کی اطلاع حضرت صاحب کو ہوئی۔ آپ نے اندازہ فرمایا کہ مذکورہ طلباء کی سرکشی و بغاوت کا مرض شدت اختیار کر چکا ہے اور وعظ و نصیحت اس سرکشی کو کچلنے کے لئے کافی نہیں ہو گی۔ چنانچہ آپ نے ایک اچھے معالج کی طرح سرجری کا راستہ اختیار فرمایا۔ تمام طلباء کو ایک وسیع و عریض برآمدے میں اکٹھا فرمایا۔ دار العلوم کی لائبریری کے انچارج حضرت صاحبزادہ ابو العطاء

مولانا محمد ظہور اللہ صاحب نوری کو بلوایا گیا۔ حمد و صلوۃ اور تلاوت آیات کے بعد اس سازش کے ذمہ دار اور سرغنہ طلباء کے فوری اخراج کا حکم صادر فرمایا۔ اور حکم دیا کہ لائبریری کی کتب فوراً جمع کروا دی جائیں اور ایسے طلباء چند منٹ میں دار العلوم سے نکل جائیں۔ جو طلباء ان کے ساتھ جانا چاہیں چلے جائیں۔ میں کسی صورت میں بھی سٹوو جلانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چنانچہ تمام حلف بردار طلباء نے اپنے عہد کا پاس کرتے ہوئے اخراج کو منظور کیا۔ اور عشاء کی نماز کے وقت سامان اٹھائے قطار در قطار دار العلوم سے نکل گئے۔ طلباء کے لئے یہ منظر بڑا تعجب خیز تھا۔ کلاس فیلوز کا یوں بچھڑ جانا غیر معمولی سا لگ رہا تھا۔ دوسرے روز کلاسیں سونی سونی' فضا بوجھل اور اداس تھی۔۔ اصل حیرانی اس بات پر تھی کہ حضرت فقیہ اعظم نے اتنے بڑے اقدام کا فیصلہ کیسے کر لیا؟ کیونکہ ان طلباء میں سے اکثریت کا تعلق منتہی کلاسوں سے تھا۔ جب کہ دینی مدارس میں ایسے طلباء کی موجودگی کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کے معمولی مطالبات کی تکمیل کے لئے انتظامیہ تمام وسائل بروئے کار لاتی ہے تاکہ ادارے کی ساکھ قائم رہے۔ مگر یہاں بنے سنورے طلباء کو بیک وقت خارج کرنا بظاہر دار العلوم کی بنی بنائی ساکھ پر کاری ضرب لگانے کے مترادف تھا۔ لیکن حضرت فقیہ اعظم کا چہرہ پچھتاوے کے آثار سے بالکل عاری تھا۔ آپ کی نظر میں اس اقدام کے مندرجہ ذیل تربیتی پہلو تھے:

۱۔ مبتدی طلباء کی تربیت کرنا مقصود تھا تاکہ انہیں دار العلوم کے نظم و ضبط کی پابندی کا احساس رہے۔ اور مدرسے کے انتظامات کو ذاتی اور نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھانے کا داعیہ پیدا نہ ہو۔

۲۔ شرپسند اور سازشی ذہنوں کے وجود سے دار العلوم کی فضا کو پاکیزہ کیا جائے تاکہ ان کے زہریلے اثرات سے فضا مسموم نہ ہو۔

۳۔ سازش میں شریک سلیم الطبع افراد کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور انہیں اتباع و

اطاعت امیر کا خوگر بنایا جا سکے۔

آپ کی توقع کے عین مطابق اس اقدام کے نتائج بر آمد ہوئے۔ دوسرے روز ہی بعد دوپہر طلباء دار العلوم کی چار دیواری کے گرد منڈلاتے اور سفارشیں ڈھونڈتے پائے گئے۔ اور ان کی واپسی کا سلسلہ چل نکلا۔ چنانچہ ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد نصف سے زائد اور ایک مہینے کے اندر اندر تمام خارج شدہ طلباء اپنے کئے پر پچھتائے، معافیاں مانگتے اور نظم و ضبط کی پابندی کا عہد کرتے دوبارہ داخلہ لے چکے تھے۔ آپ کا مقصد تربیت پورا ہو چکا تھا، قلوب اصلاح پا چکے تھے۔ غالباً" تین طلباء جو اس سازش کے سرغنہ تھے، اپنی انا اور تکبر کے کیڑے کو نہ مار سکے۔ در حقیقت دار العلوم کی فضا بھی انہیں قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔

(۲) انفرادی تربیت

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں عام طور پر مقیم طلباء کی تعداد دو سو سے ساڑھے تین سو تک ہوا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام طلباء کے انفرادی خیالات و رجحانات، مصروفیات اور غیر نصابی سرگرمیوں سے آگاہ رہنا مشکل تھا مگر حضرت صاحب قبلہ تمام طلباء کے ذاتی کوائف، تعلیمی حالت اور سیرت و کردار سے آگاہ رہتے اور موقع بموقع اصلاحی اور تربیتی ہدایات دیتے رہتے۔ جن طلبا کو آپ کی خدمت میں رہنے کی اکثر سعادت ملتی ان کی انفرادی تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرماتے۔

احقر زمانہ طالب علمی میں سات سال تک ایسے کمرے میں مقیم رہا جو حضرت فقیہ اعظم کے ذاتی مکان کے اس مرکزی دروازے سے متصل تھا جو دار العلوم کی طرف کھلتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم کی آمد و رفت زیادہ تر اسی دروازے سے تھی۔ اس ہمسائیگی کا یہ فائدہ ہوا کہ حضرت ہمیں اکثر نوازتے، کبھی مختصر آرام کے لئے اور کبھی کسی ملاقاتی سے گفتگو کے لئے ہمارے ہاں تشریف لاتے۔ رہائش کے لئے یہ کمرہ کوئی زیادہ پرکشش نہیں تھا۔ ایک تو اس کی عمارت پرانی اور کچی تھی، دوسرا اس کے

سامنے وسیع و عریض دوہرا بر آمدہ تھا، جس کی وجہ سے قدرتی روشنی کی کمی رہا کرتی۔ طلباء کے لئے رہائشی کمروں کی الاٹمنٹ کا طریقہ یہ تھا کہ تعلیمی سال کی ابتداء میں جو طلباء پہلے آجاتے وہ اپنی مرضی اور پسند کے کمروں میں جگہ منتخب کر لیتے۔ اگر کوئی انتظامی دشواری آڑے نہ آتی تو اسی پسند اور ترجیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے باقاعدہ الاٹمنٹ کر دی جاتی ۔۔۔ احقر نے اس پالیسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچے اور کسی قدر خستہ کمرے کو چھوڑ کر پختہ، جدید اور روشن و ہوادار کمرے کا انتخاب کیا۔ جب حضرت فقیہ اعظم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے مجھے طلب فرمایا۔ آپ قیلولہ فرمانے کے لئے ایک کمرے میں تشریف فرما تھے۔ میں بلا اجازت اور بغیر سلام کمرے میں داخل ہوا۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے، دریافت فرمایا کون؟ میں نے کہا خلیل! تو حضرت صاحب گویا ہوئے۔ مولانا آپ حافظ قرآن ہیں، سورہ نور کا تیسرا رکوع تلاوت فرمائیں۔ میں نے آیت کریمہ "**یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا" غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا** (۳۳)" تلاوت کی جب ترجمہ پر توجہ کی تو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور معافی طلب کی۔ آپ نے فرمایا اب اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ باہر جا کر دوبارہ کمرے میں داخل ہوں۔ چنانچہ میں باہر نکلا اور السلام علیکم کہہ کر اجازت طلب کی پھر آپ نے اندر آنے کا حکم ارشاد فرمایا۔۔۔ میرے لئے تربیت کا یہ انوکھا اور منفرد تجربہ تھا جس سے وقتی طور پر خفت اور ندامت بھی ہوئی مگر اس کے اثرات زندگی بھر رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہی انداز تربیت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ (۳۴)

اس عملی اصلاح کے بعد اگلا مرحلہ شروع ہوا اور آپ نے سابقہ کمرہ چھوڑنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ احقر نے قدرتی روشنی کی کمی کا عذر کیا تو کمال شفقت سے فرمایا" کیا گاہے بگاہے میرے چلے آنے سے روشنی کی کمی پوری نہیں ہو جاتی تھی" میں نے کمرے کی خستہ حالی بیان کی تو فرمایا "دیکھو بیٹا! زندگی کا یہ تھوڑا سا حصہ گزارنے کے

لئے کچے یا پکے مکانات کے امتیازات میں پڑنا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ میرا اپنا گھر بھی کچا اور سادہ ہے۔ ہم فقیروں کو تعیش اور تنعم سے کیا غرض؟" آپ کی اس شفقت، نصیحت اور تربیت کا ایسا شدید اثر ہوا کہ احقر فوراً اپنا سامان سمیٹ کر سابقہ کمرے میں آبسا۔

انفرادی تربیت و اصلاح کا ایک واقعہ یوں بھی پیش آیا کہ ایک مرتبہ نماز فجر کی پہلی رکعت میں شمولیت نہ ہو سکی۔ نماز فجر کے فوراً بعد حاضری لی گئی اور میرا نام پکارا گیا تو میں فوت شدہ رکعت ادا کرنے میں مصروف تھا۔ سلام پھیرا تو مجھے آپ کا حکم سنایا گیا کہ میں حدیث پاک کا سبق شروع ہونے سے پہلے آپ سے مل کر اپنا عذر بیان کروں۔ وقت مقررہ پر حاضر ہوا اور صریحاً" جھوٹ بولتے ہوئے عرض کیا کہ نماز سے غفلت یہ میرا پہلا واقعہ ہے، ورنہ میں ہمیشہ پہلی رکعت میں شمولیت کرتا ہوں۔ حضرت فقیہ اعظم مجھے ساتھ لئے چل رہے تھے اور سوال بھی کرتے جاتے تھے، میرے اس جواب پر فوراً رکے، مڑے اور کان سے پکڑ کر کمر پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور فرمایا تم کہتے ہو کہ تم سے پہلی مرتبہ خطا ہوئی ہے حالانکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک ہے کہ چور بالعموم پہلی مرتبہ نہیں پکڑا جاتا(۳۵)۔۔۔ اب بتاؤ، تم سچے ہو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ؟ ظاہر ہے کہ میرے پاس اعتراف خطا کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور اب غفلت نماز کے جرم کے ساتھ کذب گوئی کی ندامت بھی اٹھا رہا تھا۔ آپ نے صورتحال کو دیکھ کر فرمایا:

"اس کام کے قریب مت جاؤ جسے جھوٹ کے پردوں میں چھپانا پڑے۔ حالانکہ برائی کا اپنا تعفن ہی اس کی پردہ دری کے لئے کافی ہوتا ہے۔"

اس واقعہ نے میری سرشت کو یوں بدل کر رکھ دیا کہ اب طبیعت جھوٹ کے قریب بھی نہیں پھٹکتی اور اس کے مقابل بڑے سے بڑا نقصان بھی گوارا ہوتا ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں ہی ایک روز عشا کی نماز کے بعد سنت، نوافل اور

وتر کی نو ۹ رکعات احقر نے اس تیزی سے ادا کیں کہ حضرت فقیہ اعظم ابھی بمشکل چار رکعت ادا کر پائے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ نے سلام پھیرا تو مجھے پہلی صف میں فارغ بیٹھے پایا۔ آپ کے استفسار پر بتایا کہ میں نماز ادا کر چکا ہوں۔ پوچھا کتنی رکعت پڑھی ہیں؟ عرض کیا کہ نو ۹۔ آپ متعجب ہوئے اور بعد از دعا مجھے طلب فرمایا۔ احقر کے برادر اکبر الحاج الحافظ عبد الرشید نوری جو ان دنوں شعبہ حفظ القرآن میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے، بھی طلب کیئے گئے۔ مجھے حکم دیا کہ اب میرے سامنے بلند آواز سے اتنے ہی وقت میں نو ۹ رکعتیں پڑھ کر دکھاؤ۔۔۔ احقر نے تکبیر تحریمہ کہتے ہی اس تیز رفتاری سے پڑھنا شروع کیا کہ الفاظ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ حضرت فقیہ اعظم نے اس پر خاصی کڑی سزا دی۔ بار بار فرماتے "آیات قرآنیہ اور مقدس مناجات کی یہ توہین؟" پھر بٹھا کر نماز کی حقیقت، ضرورت خشوع خضوع، صحابہ کے معمولات اور فلسفہ نماز پر گفتگو فرمائی اور دیر تک نصائح فرمائیں۔ اس واقعہ کے زیر اثر نماز میں دلجمعی پیدا ہوئی اور سکون و اطمینان سے نماز ادا کرنے کی عادت راسخ ہوتی چلی گئی۔

بعد از فراغت تعلیم ایک مرتبہ بصیر پور حاضر ہو کر عرض کیا "حضور! نماز میں قلب حاضر نہیں رہتا۔ اس کا کیا علاج کروں؟" آپ نے فرمایا "نماز میں جسمانی حاضری کو دائمی بنائے رکھو اور کبھی نماز سے غفلت نہ برتو، رفتہ رفتہ جسمانی حاضری، دل کی حضوری میں بدل جائے گی۔" الحمد للہ کہ آپ کے اس فرمان کی صداقت کا تجربہ کر چکا ہوں اور کئی دوسرے احباب کو بھی یہ نسخہ کیمیا بتایا تو انہوں نے بھی اس کے اکسیر ہونے کا اعتراف کیا۔ گویا آپ کی تربیت کا فیضان اوروں تک بھی پہنچ رہا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی کے گھر میں داخل ہونے کے جو آداب بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کبھی کسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور صاحب خانہ دریافت کرے "من" (کون ہے) تو جواب میں یوں نہ کہو "انا" (میں

ہوں) بلکہ اپنا نام بتاؤ (۳۶)۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم اس اصول کا اطلاق عام زندگی میں بھی فرماتے ذرا فاصلے پر جاتے ہوئے طالب علم کو بلاتے' یا کم روشنی کی بنا پر نہ پہچان سکتے اور پوچھتے' کون؟ تو بعض مبتدی طلباء جواب میں کہتے "میں ہوں" آپ سختی سے دریافت کرتے' کیا تمہارا نام "میں" ہے۔ اب طالب علم کو غلطی کا احساس ہوتا اور آئندہ کے لئے درست جواب دینے کی عادت راسخ کرلیتا۔

اسمیت ظاہر کرنے کا ایک تربیتی پہلو یہ بھی تھا کہ جو طلباء کسی معزز خاندان کے فرد ہوتے ہیں وہ اپنے نام کو بھی اسی تفاخر کے ساتھ ظاہر کرتے اور "سید" "وٹو" اور "خان" وغیرہ کے سابقے یا لاحقے کے ساتھ اپنا نام بتاتے۔ مثلاً پوچھا جاتا کون؟ تو کہتے میں ہوں' "سید فلاں فلاں"۔ آپ پوچھتے "کیا تمہارے والدین نے تمہارا نام یوں ہی رکھا تھا۔" پھر فرماتے "میں نے صرف تمہارا نام پوچھا ہے' ذات برادری کے متعلق سوال نہیں کیا۔"

اصل میں یہ انکساری اختیار کرنے' شعوب و قبائل کی عصبیت کو ترک کرنے اور کبر و غرور کی عینک کو اتارنے کی ترغیب ہوتی۔

روحانی تربیت کا اہتمام

قرآن و سنت نے جہاں وعظ و تلقین کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کا اہتمام کیا ہے وہاں ایسا نظام بھی وضع کیا ہے جس میں سے گزرنے کے بعد افراد کے قلوب از خود محاسن اور نیکیوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اسلامی عبادات اسی نظام کی ایک کڑی ہیں۔ نماز' روزہ' زکوۃ اور حج انسانوں کو تقویٰ سے ہمکنار کرتے ہیں۔ سیرت سازی کا کوئی بھی عمل ان عبادات کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے بھی اسلام کے اسی فلسفے کو پیش نظر رکھا۔ دارالعلوم کے طلباء پر بالخصوص نماز کی پابندی اس قدر قائم کی کہ ایک رکعت بھی باجماعت چھوڑنا خلاف ضابطہ اور بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ دارالعلوم کے ابتدائی دور

میں ایک طویل عرصے تک جماعت سے کوتاہی کی سزا کھانے کی بندش تھی۔ بعد میں جب طبیعتوں میں ذرا سہل انگاری پیدا ہو گئی اور کھانے سے محرومی شاق گزرنے لگی تو پھر اس ضابطے میں ترمیم کر کے کئی متبادل سزاؤں کو اپنایا گیا۔۔۔۔ مگر کسی صورت بھی نماز سے غفلت منظور نہ ہوئی۔ اصل میں یہ روحانی تربیت کا اہتمام تھا پنجگانہ نماز کے ساتھ طلباء تہجد گزاری کا شوق بھی پالیتے۔ ابتدائی زمانہ میں آپ مسجد میں ہی تہجد کے لئے تشریف لاتے۔ (۳۷) اور طلبا کو تہجد کے لئے بیدار کرتے۔ بعد میں جب آپ کے ہونہار فرزند حضرت مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمتہ نے یہ ڈیوٹی سنبھال لی تو خود گھر میں نوافل تہجد ادا فرماتے چنانچہ ہمیشہ نصف سے زائد طلباء تہجد گزار پائے گئے جو کسی خارجی پابندیوں کے بغیر محض آپ کی تشویق و تحریک پر اس روحانی تربیت سے گزرتے۔ فجر کی اذان سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل مسجد میں خوب گہما گہمی ہوتی اور وسیع و عریض مسجد اور اس کے ملحقہ کمروں میں بھی خلوت کا ملنا دشوار ہو جاتا۔

اس روحانی تربیت کا اثر ہوتا کہ طلباء میں خشیت الٰہی' خالق حقیقی سے وابستگی اور وارفتگی بڑھ جاتی عمر بھر نماز کی پابندی عادت ثانیہ بن جاتی۔ بہت سے طلباء فراغت کے بعد عملی زندگی میں بھی تہجد گزاری کو ہمیشہ کا معمول بنائے ہوئے ہیں۔

نظم و ضبط کا اہتمام

جدید خطوط پر قائم شدہ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نظم و نسق بھی جدید نفسیاتی تقاضوں کے مطابق اختیار کیا جاتا ہے۔ (اگرچہ صرف کاغذی کارروائی کی حد تک) آج کل معدودے چند ایسے دینی مدارس بھی ہیں۔ جن کے ناظمین عصری تقاضوں سے باخبر ہیں اور نظم و نسق کے معاملے میں بھی جدت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر نصف صدی پیشتر جبکہ دینی مدارس میں ایسی تربیت مفقود تھی' دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کا یہ اعزاز تھا کہ اس کے بانی و مہتمم نے ایسا نظم قائم کیا جو نفسیاتی تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہو۔ اور طلبا کی فکری اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے بھی موثر کردار ادا کرے۔

جدید نظم و نسق کو جن خطوط پر استوار کیا جاتا ہے ان کی اصل روح اس فلسفے میں مضمر ہوتی ہے کہ تعلیمی ٹائم ٹیبل، ہم نصابی سرگرمیوں اور دیگر مصروفیات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ادارے کے قیام کا مقصد بطریق احسن پورا ہو، انفرادی اور اجتماعی تربیت کے ماحول میں اخلاقی، روحانی اور معاشرتی قدریں پروان چڑھیں۔ صلاحیتیں نشوونما پائیں یعنی کم سے کم وقت کو زیادہ سے زیادہ فوائد کے لئے استعمال میں لایا جائے، فراغت کے اوقات محدود رکھے جائیں اور فرصت کے لمحات کو بھی بامقصد بنایا جائے ـــ بے مقصدیت اسلام کے سراسر منافی چیز ہے۔ قرآن کریم نے کامیاب اہل ایمان کی صفات میں ایک صفت بیان کی ہے **والذین هم عن اللغو معروضون**(۳۸) ۔ (اہل ایمان) "لغویات سے الگ رہتے ہیں"۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ**(۳۹) (انسان کے اسلام کا حسن اس بات میں ہے کہ وہ بے مقصد اشیاء کو چھوڑ دے)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ فرمایا۔

"میں اس بات کو معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے"۔ (۴۰)

اس تناظر میں حضرت فقیہ اعظم کی حکمت عملی کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایسا شاندار اور جدید اصولوں پر مبنی نظم و ضبط تیار کر رکھا تھا، جس میں طلبا کے تمام اوقات نصابی، علمی، روحانی، ناگزیر انسانی اور ہم نصابی سرگرمیوں کے لئے وقف تھے۔ اسباق کی تدریس، کھانا کھانے کے اوقات، سونے، بیدار ہونے، مطالعہ کرنے اور عبادت و اذکار میں مشغول ہونے کے لئے علیحدہ علیحدہ اوقات مقرر کئے۔ چنانچہ بیشتر طلباء کو تہجد کے وقت بیدار کرایا جاتا اور اذان فجر تک نوافل اور ذکر و فکر اور مراقبے کا اہتمام رہتا۔ اذان فجر کے ساتھ ہی باقی طلباء کو بھی بیدار کر دیا جاتا نماز فجر، فقہ حنفی کے مطابق خاصے اجالے میں ادا کی جاتی اور اس دوران طلباء کو قضائے حاجت غسل

اور وضو وغیرہ سے فراغت کا موقع بھی مل جاتا اور ذکر و اذکار کے لئے بھی کچھ وقت بچ رہتا۔ نماز فجر اور اسمبلی(۴۱) کے درمیان کا وقت نہایت مختصر رکھا گیا تھا، جس میں ناشتے(۴۲)، کتب، نوٹ بکس اور دیگر لوازمات تعلیم کو سنوارنے، سنبھالنے کی مصروفیت رہتی۔ گرمیوں اور سردیوں کے تمام موسم میں اگلے پہر کی پڑھائی کا وقت گیارہ بجے تھا۔ چھٹی کے فوراً بعد کھانے کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہوتا اور کھانے سے فراغت کے بعد سردیوں میں بالکل مختصر اور گرمیوں میں قدرے طویل قیلولے کا وقت معین تھا تاکہ پچھلے پہر کی پڑھائی کے لئے طلباء و مدرسین تازہ دم اور ہشاش بشاش ہو کر آئیں۔ ظہر سے عصر تک تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہتا۔ بعد نماز عصر تا مغرب طلباء جسمانی ورزش کے لئے کھیل کود میں مشغول ہو جاتے۔ بہت سے طلباء حضرت مولانا ابو الفضل محمد نصراللہ نوری (علیہ الرحمتہ) اور دیگر مدرسین کے ساتھ یا پھر آزادانہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر کھیتوں میں سیر کو نکل جاتے۔ نماز مغرب کے متصل بعد سے عشاء کی نماز تک کا وقت اگلے دن کے اسباق کے مطالعہ کے لئے وقف تھا۔ عشاء کی نماز دیر سے ادا کی جاتی اور نماز سے قبل رات کا کھانا کھایا جاتا۔ نماز کے فوراً بعد سو جانا لازم تھا اور کسی کمرے کی لائٹ کا جلتے رہنا، گپ شپ لگانا اور محفلیں جمانا دارالعلوم کے قوانین اور نظم و ضبط کی بہت بڑی خلاف ورزی تھی۔ طلباء کی پرسکون نیند کے لئے کسی خلل اندازی کو برداشت نہ کیا جاتا۔ کپڑوں کی دھلائی، کمروں کی صفائی اور دیگر ضروریات کے لئے جمعہ کا دن مخصوص تھا۔

یہ تھا طلباء کی مصروفیات اور اوقات کی تقسیم کا ایک اجمالی خاکہ جو کہ محض نظری نہیں، عملی تھا۔ داخلہ فارم پر اہم اور بنیادی ضابطوں کی نشاندہی کر کے اس بات کا عہد لیا جاتا تھا کہ داخلے کا امیدوار طالب علم قوانین مدرسہ کی سختی سے پابندی کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد منش طلباء کے لئے دارالعلوم کی فضا کبھی بھی سازگار نہیں رہی۔ علماء اور پیران عظام دارالعلوم کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی سے متاثر ہو کر اپنے بیٹوں

کو داخل کراتے مگر ایسے طالب علم "صاحبزادگی" کے زعم کی وجہ سے بالعموم پڑھائی جاری نہ رکھ سکتے۔ یوں ہی خاندانی عظمت اور دولت و ثروت کے تفاخر میں مبتلا طالب علموں کے لئے بھی دارالعلوم کی چاردیواری قید خانہ ثابت ہوتی اور بالاخر دارالعلوم چھوڑ جاتے۔ لیکن اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ چند استثناءات کو چھوڑ کر تمام طلباء ان ضابطوں کی پابندی کرتے اور جب تعلیم سے فراغت کی سندودستار پاتے تو اعلیٰ اخلاق اور سیرت و کردار کے بہترین سانچے میں ڈھالی ہوئی طبائع لے کر جاتے۔

تربیت فرد اور تصور سزا

تعلیم و تربیت کی غرض سے اس قسم کے جبروتشدد اور سخت گیری کی اجازت نہیں ہے کہ جس کے سبب افراد میں فرار کی سوچ راہ پانے لگے (۴۳) یا انسانی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جبروتشدد کا راستہ اختیار نہ فرمایا تھا' حالانکہ مخاطبین کا راہ ہدایت اختیار نہ کرنا آپ کی طبع پر سخت گراں (۴۴) تھا اور اس تاسف اور غم خوردگی' کی وجہ سے اپنی جان کو ہلکان کئے جاتے تھے۔ (۴۵) بلکہ آپ نے بشارت دینے اور آسانیاں پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ (۴۶) اس حقیقت کے باوجود جب نصیحت و تلقین اور زجروتوبیخ سے کام نہ چلے تو محدود سزا کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے **مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوا ھم وھم ابنا عشر** (۴۷) (اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انہیں مار پیٹ کر نماز کے لئے آمادہ کرو) قرآن کریم نے نشوزوبدکاری پر آمادہ بیویوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بھی سزا کی مشروط اجازت دی ہے۔ (۴۸)

بعض جدید مفکرین سزا کی ضرورت کو بالکل رد کرتے ہیں مگر اسلامی مفکرین میں علامہ ابن خلدون نے بہت محدود سزا کی اجازت دی ہے (۴۹)۔ امام غزالی علیہ الرحمتہ کی فکر بھی اسلامی طریقے کی ترجمان ہے۔ (۵۰)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز چونکہ فطرتاً" ہر معاملے میں اعتدال و میانہ روی اختیار فرماتے تھے۔ اس لئے جزاوسزا کا نظریہ بھی عین قرآن وسنت پر مبنی اور معتدل تھا۔ بلاضرورت بات بات پر سزا دینا کبھی گوارا نہ فرماتے۔ دارالعلوم کے اساتذہ کو بھی اسی بات کی نصیحت کرتے اور اگر حد سے زیادہ سزا دی جاتی تو سخت برہمی فرماتے بلکہ ایسے وقت میں متعلقہ استاد کے منصبی احترام و وقار کا خیال کئے بغیر شدید رویہ اختیار فرماتے---- طالب علم سے پہلی مرتبہ غلطی سرزد ہوجاتی تو اسے معاف کردیتے تاکہ اسے اپنی اصلاح کا موقع ملے۔ دوسری بار ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کرتا تو شفقت و محبت سے نصیحت کرتے اور کسی حد تک زجروتوبیخ سے آمادۂ اصلاح کرتے۔ جب یہ سب حربے ناکام رہتے تو پھر سزا دیتے۔ مگر سزا میں بھی شرعی حکم کو سامنے رکھتے ہوئے یہ امور پیش نظر رہتے۔

۱-- طالب علم کی عمر دس سال سے کم نہ ہو کیونکہ حدیث مبارک میں بھی نماز کے لئے سزا کا حکم دس سال کے بچوں کے لئے ہے۔ (ہم ابناء عشر) ویسے بھی عموماً دارالعلوم میں دس برس سے زائد عمر کے طلبہ کو داخل کیا جاتا تھا۔

۲-- ذاتی مخاصمت یا رنجش کی بنا پر کبھی کسی کو سزا نہ دی بلکہ ہمیشہ تربیتی اور تعلیمی ضرورت مدنظر ہوتی۔

۳-- کبھی چہرے پر ضرب نہ لگائی کیونکہ حدیث پاک میں اس سے ممانعت کی گئی ہے۔ (۵۱)

۴-- یاد پڑتا ہے کہ آپ نے کبھی دس ضربوں سے زیادہ سزا نہ دی۔ اس کی وجہ بھی غالباً یہ تھی کہ تعزیر کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ دس ضربوں کی اجازت ہے۔ (۵۲)

۵-- سزا دیتے وقت غصے سے مغلوب نہ ہوتے کہ حدود اسلامی نظر سے اوجھل ہوجاتی ہوں۔ حدیث پاک میں اس کی ممانعت ہے۔ (۵۳)

٦-- سزا یا جزا کا تصور تمام طلباء کے لئے یکساں ہوتا نہ تو مبتدی طلباء میں تفریق گوارا کرتے اور نہ ہی قریبی تعلق یا رشتے داری کی وجہ سے امتیاز برتتے۔ خاندانی وجاہت اور مالی حیثیت بھی اس عدل و یکسانیت پر اثر انداز نہ ہوسکتی تھی---- محبت و شفقت اور سزا و جزا کی برابری کا نہایت اعلیٰ معیار تو صرف آپ کے ہاں دیکھنے کو ملتا--- ایک مرتبہ آپ کے حقیقی بھانجے حضرت مولانا صاجزادہ محمد احسن صاحب نوری سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو آپ نے طلباء، اساتذہ حتیٰ کہ مولانا موصوف کے والد مکرم، صدر المدرسین حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری (علیہ الرحمتہ) کی موجودگی میں ان کو سزا دی اور قریبی رشتے کی پرواہ نہ کی۔ چونکہ آپ کو طلباء سے بہت محبت تھی، اور ان کی تمام ضرورتوں کا شدت سے احساس تھا۔ اس لئے سزا بھی بڑی ضرورت کے پیش نظر دیتے۔ پھر بعد میں سزا یافتہ طالب علم سے شفقت فرماتے تاکہ احساس سزا طالب علم کے تعلیمی انہماک میں مخل نہ ہو۔

جسمانی تربیت کا احساس

کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے والوں اور دینی مدارس کے فیض یافتہ حضرات کے درمیان جو تفاوت اور فرق موجود ہے اس کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ دینی اداروں کے سربراہ، طلباء کی جسمانی اور طبعی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ جب کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھیلوں کے لئے فنڈز مہیا کئے جاتے ہیں اور ڈرل وغیرہ کے باقاعدہ پیریڈز بنائے جاتے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کا اس سلسلے میں بھی یہ امتیاز تھا کہ آپ نے دینی مدارس کی اس عمومی روش کا اتباع کرنے کے بجائے حقیقی اور فطری راہ کو اپنایا دارالجدید کے نام سے وسیع چار دیواری کی گراؤنڈ کو صرف کھیل کود اور جسمانی کسرتوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ بعد نماز عصر، تمام طلباء اس گراؤنڈ میں جمع ہوتے

اور اپنی پسند کی کھیلوں میں مشغول ہوجاتے۔ طلباء کا عمومی رجحان والی بال کی طرف ہوتا۔ ایک یا دو نیٹ لگے رہتے اور آپس میں دوستانہ میچ کھیلے جاتے۔ تقریباً ہر دور میں والی بال کی ٹیم بڑی مضبوط اور ناقابل شکست رہی۔ اس ٹیم کے اہم اور چیدہ چیدہ کھلاڑیوں کی علاقے بھر میں دھاک بیٹھی رہتی۔ جمعہ کے روز بصیرپور کے اطراف و اکناف کی والی بال ٹیموں سے مقابلے ہوتے اور اکثر دارالعلوم کی ٹیم غالب رہتی۔ چونکہ حضرت فقیہ اعظم نے دارالعلوم کے فنڈ سے کھیلوں کے لئے سامان خریدنے کی اجازت نہیں دے رکھی تھی۔ اس لئے طلباء ذاتی فنڈ سے اس کا اہتمام کرتے۔ ہاں جب کبھی طلباء کی دلچسپی کم ہوجاتی اور شوق ماند پڑ جاتا تو آپ اپنی ذاتی جیب سے رقم عنایت فرماتے تاکہ ورزشی کھیلیں جاری رہیں۔

جسمانی ورزش اور ذہنی تفریح کی ضرورت کے شدید احساس کا نتیجہ تھا کہ بعد نماز عصر، دارلعلوم کے صحن اور کمروں میں طلباء کی موجودگی آپ کو ناپسند تھی۔ جو طلباء کھیلوں کے شوقین نہیں تھے، وہ باہر کھیتوں کی طرف سیر کو نکل جاتے۔ مزاح اور ہلکی پھلکی گپ شپ سے دل بہلاتے اور جسم و جاں کی تازگی کا سامان پیدا کرتے۔

جسمانی صحت کے لئے جسم، مکان اور لباس وغیرہ کی صفائی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا ہے(۵۴)۔ حضرت فقیہ اعظم خود بھی نفاست پسند طبیعت کے مالک تھے۔ اور طلباء کو بھی صحت و صفائی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے۔ بڑھے ہوئے ناخن، الجھے ہوئے بال اور میلے کچیلے لباس والے طلباء پر برہمی کا اظہار فرماتے کسی کمرے میں صفائی کا فقدان دیکھتے تو سخت جلال میں آتے۔ کبھی کبھی اچانک معائنہ فرماتے اور صفائی کا جائزہ لیتے۔ صفائی کے معاملے میں طلباء کے متعلق کاہلی اور تساہلی کی شکایات ملتیں تو حکم دیتے کہ فلاں وقت تمام طلباء اپنے کمروں اور برآمدوں کی صفائی کریں۔ گویا یہ صفائی کا پیریڈ ہوتا---- دارالعلوم کے عریض و کشادہ صحن اور درجن بھر بیت الخلاء کی

صفائی کے لئے باقاعدہ ملازم رکھے جاتے اور ان سے باقاعدگی سے صفائی کروائی جاتی۔ جبکہ آج بھی ترقی یافتہ شہروں کے اکثر دینی مدارس کے غسل خانے اور بیت الخلاء متعفن اور بدبودار ہوتے ہیں اور طبیعت پر بہت گراں گزرتے ہیں۔

اظہار بیان کی تربیت

اظہار بیان کی صلاحیت ایک اعلیٰ وصف ہے۔ اور علماء اس وصف کے بغیر نہتے سپاہی کی طرح ہوتے ہیں---- دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کے طلباء میں اس صلاحیت کو بیدار کرنے اور نمو دینے کے لئے ایک منظم پروگرام ترتیب دیا گیا تھا---

شعبہ حفظ القرآن کے طلباء کے علاوہ باقی تمام طلباء کو پانچ یا چھ گروپوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ کلاسوں میں سے دو طلباء کو بطور صدر اور سیکرٹری نامزد کر کے نگرانی پر مامور کیا جاتا۔ جمعرات کے روز بعد نماز ظہر تا عصر درس و تدریس کا سلسلہ موقوف رہتا۔ اس دوران تمام طلباء اپنے کمروں، درس گاہوں، مسجد اور رہائشی کمروں کی چھتوں پر بیٹھ کر غیر نصابی کتب کا مطالعہ اور مختلف موضوعات پر تقاریر کی تیاری کرتے۔ مبتدی، منتہی طلباء سے مواد کے انتخاب، ترتیب اور اظہار بیان کا سلیقہ سیکھتے اور ریہرسل کرتے۔ بعد نماز مغرب یہ گروپس مختلف مقامات پر باقاعدہ اجلاس منعقد کرتے۔ (مقام جلسہ پہلے سے طے شدہ ہوتا) اور باری باری تقاریر کرتے۔ صدر یا سیکرٹری خامیوں کی اصلاح کرتے اور فن تقریر پر ہدایات دیتے۔ تقریر کی تیاری کے پیریڈ اور ان مجالس اظہار بیان میں شمولیت کی حاضری لی جاتی۔ دارالعلوم کے اساتذہ اور خود حضرت فقیہ اعظم بھی گاہے گاہے اچانک دورہ کرتے اور طلباء کی تقریری کارکردگی اور صلاحیتوں کا جائزہ لیتے۔ غیر حاضر طلباء سے سخت بازپرس کی جاتی۔

تقریر کے ساتھ ساتھ فن مناظرہ کی تربیت کا اہتمام بھی رہا۔ باطل فرقوں کے ساتھ دلائل کے ساتھ گفتگو کرنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا۔ مہینے میں ایک دو مرتبہ جمعرات

کے روز بعد نماز ظہر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے دو طالب علموں کے درمیان باقاعدہ مناظرہ ہوتا اور پہلے سے طے شدہ موضوع پر تیاری کے ساتھ دلائل دیئے جاتے۔ ایک سائل اور دوسرا مجیب کہلاتا۔ اس مجلس مناظرہ میں تمام طلباء کی شرکت لازمی تھی۔ اساتذہ خود دلائل سنتے آخر میں کسی ایک استاد کی طرف سے فریقین کے دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا اور محاسن و قبح کی نشاندہی کی جاتی۔

الغرض، حضرت فقیہ اعظم (قدس سرہ العزیز) فن تربیت کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور اصلاح کے اسلامی نظریئے کے مطابق شعوری کوششیں بروئے کار لاتے۔ سینکڑوں مثالیں اس پر شاہد عادل ہیں، ان واقعات اور مثالوں کو اکٹھا کیا جائے۔ تو آپ کے تربیتی طریق کار پر جامع کتاب رقم کی جا سکتی ہے۔ جس سے عصر حاضر کے ناظمین مدارس اور معلمین و مربین کو بے پناہ فائدہ ہو سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ المجادلہ:۱۱

۲۔ البقرہ:۱۲۹، ۱۵۱ / آل عمران:۱۶۴ / الجمعہ:۲

۳۔ ابن ماجہ: المقدمہ، باب فضل العلماء والحث علیٰ طلب العلم۔ روایت عبداللہ بن عمر

۴۔ ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء / شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ ---(فتاویٰ نوریہ۔ جلد دوم)

۵۔ ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء / شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ ---(فتاویٰ نوریہ۔ جلد دوم)

۶۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء ---(فتاویٰ نوریہ، جلد دوم) مولانا تابش قصوری

۷۔ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء ---(فتاویٰ نوریہ: جلد دوم) مولانا تابش قصوری

۸۔ الشمس:۹

۹۔ البقرہ:۱۲۹، ۱۵۱ / آل عمران:۱۶۴ / الجمعہ:۲

۱۰۔ اسن نبوی: سیرت النبی، شبلی نعمانی

نور الحبیب ☆ ---- ☆ فقیہ اعظم نمبر

۱۱۔ ۱۲سن نبوی: سیرت النبی، شبلی نعمانی

۱۲۔ ذوالقعدہ ۶ھ، الفتح: ۱۸

۱۳۔ الفتح: ۱

۱۴۔ م ۱۳۶۷ھ ر ۱۹۴۸ء (فتاویٰ نوریہ، اول، صفحہ ۴۳، حیات فقیہ اعظم، صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری)

۱۵۔ ۱۹۴۰ء ر ۱۳۵۹ھ (فتاویٰ نوریہ، اول صفحہ ۴۳، حیات فقیہ اعظم، صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری)

۱۶۔ شجرہ نوریہ

۱۷۔ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم صفحہ ۶۰ (اشاعت اول)

۱۸۔ نور الحبیب، فقیہ اعظم نمبر (جنوری، فروری ۱۹۹۲ء)

۱۹۔ القلم: ۱

۲۰۔ العلق: ۴

۲۱۔ تعداد صفحات جلد اول ۷۸۸، دوم ۵۲۰، سوم ، چہارم ۴۰۰، پنجم، ششم ۵۶۰

۲۲۔ تعداد مسائل جلد اول ۶۰۹، دوم ۵۰۰ سے زائد، سوم ، چہارم ۴۱۴، پنجم، ششم ۶۸۴

۲۳۔ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، صفحہ ۲۲۴ اشاعت دوم،

۲۴۔ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، صفحہ ۱۹۲ اشاعت دوم،

۲۵۔ فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، صفحہ ۱۶۳ اشاعت دوم،

۲۶۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (النحل: ۱۲۵)

۲۷۔ فتاوی نوریہ جلد پنجم، ششم، صفحہ ۵۳۱

۲۸۔ مثلاً (۱) حضرت بریرہ کے حق ولاء کے موقع پر دیا گیا خطبہ (بخاری: کتابتہ

الکاتبت) (۲) منافقین کے طعن فی العلم کے رد عمل میں ارشاد فرمایا گیا خطبہ (خازن: جلد اول صفحہ ۳۰۸) (۳) قرابت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نفع رسانی کے اثبات میں دیا گیا خطبہ (مسند امام احمد جلد ۳، صفحہ ۱۸) وغیرہ

۲۹۔ التوبتہ: ۱۱۹

۳۰۔ النساء: ۲

۳۱۔ آل عمران: ۷۹

۳۲۔ محمد: ۷

۳۳۔ النور: ۲۷

۳۴۔ ابو داؤد، کتاب الادب باب فی الاستیذان ر ترمذی، باب التسلیم قبل الاستیذان روایت کلدۃ ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۵۔ اتی عمر بن الخطاب بسارق.... فقال لہ عمر کنت ورب عمر ما اخذ اللہ عبدا اول ذنب فقطعہ (کنز العمال ص ۱۱۹ ج ۳) قال ابن حجر کلمسا الرفع وروی عن سیدنا ابی بکر الصدیق

۳۶۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۷۔ انوار حیات از مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری صفحہ ۱۸۱

۳۸۔ المومنون: ۳

۳۹۔ ترمذی: ابواب الزہد، روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۰۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق از حفظ الرحمن سوہاروی

۴۱۔ دار العلوم میں صبح کے وقت اسباق کا آغاز قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار پڑھ کر کیا جاتا ہے۔ بالعموم ایک یا ایک سے زائد طلباء لاؤڈ سپیکر پر اشعار پڑھتے ہیں

اور اس کے ساتھ ہی تمام طلباء کلاسوں میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات اجتماعی طور پر بھی اسمبلی ہوا کرتی ہے۔

۴۲۔ نور الحبیب، فقیہ اعظم نمبر (مضمون: پیکر شفقت از حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری)

۴۳۔ **ولو کنت فظا غلیظا لقلب لا انفظوا من حولک** (آل عمران: ۱۵۹)

۴۴۔ **عزیز علیہ ما عنتم** (التوبۃ: ۱۲۸)

۴۵۔ **لعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا** (الکھف ۶:)

۴۶۔ **یسروا ولا تعسروا سکنوا ولا تنفروا** (بخاری، کتاب الادب، روایت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ)

۴۷۔ ابو داؤد، کتاب الصلوۃ باب متی یومر الغلام بالصلاۃ

۴۸۔ **فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن** (النساء: ۳۴)

۴۹۔ مقدمہ ابن خلدون

۵۰۔ احیاء العلوم، حضرت امام غزالی

۵۱۔ **اذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ** (ابو داؤد، کتاب الحدود، باب فی ضرب الوجہ فی الحد: روایت ابو ہریرہ)

۵۲۔ **لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ** (ابو داؤد: کتاب الحدود)

۵۳۔ کتاب الاقضیہ: روایت ابو بکرہ (لا یحکم احد بین اثنین وھو غضبان)

۵۴۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، روایت ابو مالک اشعری

--------OOO--------

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

محمد محب اللہ نوری

○ استقامت علی الشریعت کا خاص خیال رہے کہ اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں۔

○ اخلاص عمل بہت بڑی دولت ہے۔

○ دل چاہتا ہے کہ ہروقت ہی مدینہ عالیہ حاضری رہے۔

○ تحقیق و مطالعہ سے وعظ کیا جائے کیونکہ ہر کوئی سنتا ہے۔

○ جان جائے تو جائے مگر نماز قضانہ ہونے پائے۔

○ تقریر یا تحریر میں حق بات بلا خوف بیان کرو۔ بلاوجہ نام لے کر رد کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثبت انداز میں بیان کیا جائے تو جو اس کے خلاف ہوگا اس کا خود بخود رد ہو جائے گا۔

○ اپنے اوقات پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں۔

○ بے علموں کو پیار اور محبت سے سمجھایا کریں۔ ربانی عالم کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔

○ عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائر اخرویہ اور خزائن ابدیہ جمع کرے نہ یہ کہ وبال اٹھاتے ہوئے جیفئہ دنیائے دنیہ پر گرے۔

○ طمع اور حرص سے بچنا چاہئے۔ اگر آدمی توکل اور تقوی اختیار کرے۔ اور بے طمع کام کرے تو "**یرزقکم من حیث لا یحتسب**" کا ظہور ہوتا ہے۔

○ شریعت غراء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں۔

○ وعظ اتنا طویل نہ کریں کہ لوگ اکتا جائیں۔

○ حج کرنا آسان ہے مگر حج کو بچانا بہت مشکل ہے۔

○ حصول علم کے بعد مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

○ تعلیم نہایت ضروری ہے کہ صوفی بے علم، شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔

○ آدمی دوسروں کے عیوب پر نظر رکھنے کی بجائے اپنا کام ٹھیک رکھے تو پھر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

○ جو ہدیہ لالچ کے بغیر ملے اس میں برکت ہوتی ہے۔

○ دنیا دار المحن اور سجن المومن ہے۔

○ اس نیت سے حفظان صحت کا خیال شرعاً محمود ہے کہ عبادات اور تعلیم و تدریس میں کوتاہی نہ ہو۔

○ آدمی کی عزت مستقل مزاجی سے ایک جگہ رہ کر کام سے ہوتی ہے۔ جگہ جگہ پھرنے سے وقار مجروح ہوتا ہے۔

○ یک در گیر محکم گیر

○ باپ کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب خود باپ بنتا ہے۔

○ جس طرح دکھلاوے کے لئے تسبیح پکڑنا ریاکاری ہے اسی طرح لوگوں کے طعنے کی وجہ سے تسبیح چھوڑ دینا بھی ریاکاری ہے۔

○ آدمی نمائش کے لئے لباس نہ پہنے اور ایسے لباس سے بچے جس کے پہننے سے طبعیت میں فخر و غرور پیدا ہو جائے۔ مگر اتنا گھٹیا بھی نہ ہو کہ دوسرے لوگ حقیر سمجھیں۔ خصوصاً علماء کو اچھا لباس پہننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نعمت دے تو اس کے آثار نظر آنے چاہیں۔ **(فلیر اثر نعمتہ علیک) (الحدیث)**

○ عمل کی از حد ضرورت ہے۔

○ طالب حق کے لئے ایک حرف بھی کافی اور ہٹ دھرمی ہو تو دفتر بھی ناکافی۔

○ اللہ تعالیٰ ایمان اور حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے دل آباد رکھے تو سب کچھ حاصل ہے۔

☆ حضرت علامہ مفتی فیض احمد صاحب، جامعہ غوثیہ دربار گولڑہ شریف نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت فقیہ اعظم کے درج ذیل ملفوظات تحریر فرمائے۔

ایک نجی مجلس میں چند نوجوان خطباء کرام کو بطور نصیحت آپ کا یہ ارشاد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

(فرمایا) دعوت و تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر بلاشبہ دین کے اہم امور سے ہیں، لیکن ساتھ ہی ارشاد الٰہی **لیتفقھوا فی الدین** و فرمان رسالت پناہی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام **من ارادالله به خیرا یفقهه فی الدین** کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جن سے دین میں تفقہ و تبحر اور تحقیق کی اہمیت واضح ہوتی ہے بلکہ مبلغ کے لئے بمقتضائے ارشاد الٰہی "**ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ**" الخ حکمت کا ہونا بھی ضروری ہے جو علم و عمل کی پختگی کا نام ہے۔ ہمارے اسلاف کرام پختہ کار معلم و مبلغ تھے جن کی تعلیم و ترتیب سے ہزاروں ناقص کامل بن گئے۔

☆ مولانا انوار الحسن نوری، پتوکی نے حضرت فقیہ اعظم کے درج ذیل ملفوظات بھجوائے۔

○ توکل علی اللہ بہرحال ضروری ہے اللہ رب العزت پر بھروسہ کرنے والا کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔

○ میرے نزدیک علم دین کی تدریس و تعلیم عظیم وظیفہ ہے۔

○ علم دین کے طلباء پیارے مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے مہمان ہیں۔

○ طلباء سے ذاتی کام لینا نامناسب سمجھتا ہوں۔

○ مجھے سفر حج و عمرہ میں مکہ مکرمہ سے پہلے مدینہ منورہ جانا عزیز تر ہے۔ کیونکہ اصل مقصود حاضری دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری ہے۔

○ سب سے بڑی کیمیاگری تو درس قرآن و حدیث ہے جو بفضلہ تعالیٰ میں سرانجام دے رہا ہوں۔

○ دستخط اس قدر صاف اور واضح کرنے چاہئے کہ ہر کوئی پڑھ سکے۔

○ غیر محرم عورت کے اختلاط سے بچنا چاہئے ورنہ عورتیں اس طرح فریب نفس میں پھنسالیتی ہیں جیسے شہد میں مکھیاں۔

○ تبرک کا چکھنا ہی کافی ہے ضروری نہیں کہ سیر ہو کر ہی کھایا جائے۔

تبرک آں باشد کہ از حلقوم فرو نرود

○ تحریر یا خط کے سرنامہ پر بالعموم بسم اللہ شریف کے عدد ۷۸۶ تحریر کئے جاتے ہیں حالانکہ ان کے نیچے ۹۲ کے عدد بھی تحریر کرنے چاہئیں کیونکہ یہ اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک عدد ہیں۔

○ تمام فقہی جزئیات پر عبور حاصل کرنا چاہئے اگر کسی وقت فقہ حنفی کے کسی جزئیہ کے مطابق عمل کسی مجبوری کی حالت میں ناممکن ہو تو (حسب شرائط فقہاء) کسی دوسری فقہ کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے۔





عکس مکتوب

حضرت سیدی صدر الافاضل علیہ الرحمۃ ۱۹۴۴ء

باتیں ان کی یاد رہیں گی

حاجی محمدؐ اسحاق نوری

حاجی محمد اسحاق صاحب نوری وہ خوش بخت انسان ہیں جنہیں عالم اسلام کی ممتاز شخصیات سے زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ متعدد بار حرمین شریفین اور ممالک اسلامیہ کے مقدس و متبرک مقامات پر حاضری دے چکے ہیں فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے نہ صرف خود بلکہ پورا گھرانہ مرید ہو چکا ہے۔ زندگی کے اس حصے کو حاصل حیات قرار دیتے ہیں جو فقیہ اعظم کی ارادت و عقیدت میں ان کی معیت میں گزرا اسی بناء پر پروفیسر خلیل احمد نوری نے موصوف سے فقیہ اعظم کی بلند پایہ شخصیت سے متعلق ایک انٹرویو کیا جو تقریباً تین گھنٹے میں ریکارڈ کیا گیا۔ انٹرویو کی اہمیت اس اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ محبت و عقیدت کے باوجود حاجی صاحب موصوف حضرت فقیہ اعظم کے عمل کا تنقیدی جائزہ لیتے رہے ہیں' سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مشاہدے کے اعلیٰ وصف سے متصف ہیں۔ آپ بھی ایک محرم راز کے مشاہدات و تاثرات کو ملاحظہ کریں اور فقیہ اعظم کی حیات مقدسہ کے انوار و تجلیات سے استفادہ کریں۔

یہ ۱۹۷۱ء کا واقعہ ہے۔ میں اور میری اہلیہ حج کرنے گئے ہوئے تھے۔ وہیں آپ کی زیارت ہوئی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے قبل آپ سے کوئی جان پہچان اور تعارف نہ تھا۔ یہ ملاقات ہمارے محترم استاد مرزا محمد ایوب صاحب کی وساطت سے ہوئی جو جدے میں ملازمت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب موصوف قیام پاکستان کے وقت انڈیا سے ہجرت

کر کے پاکستان آئے تھے۔ کچھ عرصہ کراچی میں قیام رہا اور پھر تین چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ ان کی رہائش گاہ ہمارے علاقے میں تھی۔ قرآن کریم کی تعلیم دینے کا انہیں بے حد شغف تھا۔ صرف ہمیں ہی نہیں ہماری پوری آبادی کو کسی مالی یا ذاتی منفعت کے بغیر قرآن کریم پڑھاتے رہے۔

مذکورہ سال جب حج پر گئے تو مرزا صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ مکہ مکرمہ میں جہاں ہمارا قیام ہوا، ہمارے معلم کا دفتر بھی اس عمارت میں واقع تھا۔ اسے ہمارے بخت کی ارجمندی کہئے کہ ایک تو حج اکبر تھا اور دوسری خوش قسمتی یہ تھی کہ اس سال حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز بھی حج پر تشریف لئے گئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ کا کمرہ بھی اسی بلڈنگ میں معلم کے کمرے سے متصل تھا۔ ہم بالائی منزل پر تھے اور آپ نچلی منزل میں۔ اس قیام کے دوران ایک روز مرزا محمد ایوب ہمیں ملنے کے لئے آئے تو قبلہ حضرت فقیہ اعظم سے ان کی اچانک ملاقات ہو گئی۔ مرزا صاحب کی ایک طویل عرصے سے آپ سے شناسائی تھی اور انسیت و محبت اور عقیدت کا ملا جلا سا رشتہ استوار تھا۔ مرزا صاحب آپ کو ساتھ لے کر ہمارے پاس بالائی منزل پر آ گئے۔ پہلی نظر میں ہی آپ کی شخصیت نے بڑا متاثر کیا۔ آپ کی شخصیت بڑی سادہ تھی مگر اس سادگی میں انتہائی کشش، وقار اور جاذبیت کا بے پناہ عنصر دکھائی دیا۔ مرزا صاحب نے آپ کا تعارف کرایا اور بتایا کہ پنجاب میں آپ کا بہت بڑا مدرسہ ہے، جہاں سے سینکڑوں علماء، قراء اور حفاظ، علوم دین سے آراستہ ہو کر ملک کے کونے کونے میں علم کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعارف کے چند لمحوں بعد فقیہ اعظم (نور اللہ مرقدہ) نے اپنی جیب سے دس ریال نکالے اور ساتھ آئے ہوئے مرزا صاحب کے بیٹے کو دے کر کیلے منگوائے۔ ہم سب نے مل کر کیلے کھائے میں نے دیکھا کہ پھل کھلا کر آپ کو بے حد مسرت ہوئی حالانکہ اس وقت ہماری حیثیت میزبان کی تھی اور آپ بطور مہمان ہمارے پاس تشریف فرما تھے۔ یہ آپ

کی شفقت کا کمال اور کریمانہ اخلاق کی انتہا تھی کہ جو ذمہ داری ہمیں ادا کرنا چاہئے تھی اسے آپ نے انجام دیا اور اپنی نظر عنایت سے نوازا۔ اس نشست میں آپ کی دلنواز سادگی، پرکشش شخصیت اور حسن سلوک نے روح و قلب میں ایک خوش کن تلاطم سا بپا کر دیا، زندگی نے ایک نئی کروٹ لی اور محسوس ہوا کہ ایک خلا سا تھا، جو آج پر ہو گیا ہے۔ اختتام نشست پر آپ نے ہمیں پاکستان واپسی پر بصیر پور آنے اور مرکز علم و عرفان دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی زیارت کرنے کی دعوت دی۔ ہم نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گے۔

دار العلوم میں پہلی حاضری اور ایک خواب

لاہور میں واپس آنے کے بعد بصیر پور حاضری کا شوق انگڑائیاں لیتا رہا۔ بارہا ارادہ کیا مگر کئی ایک مصروفیات آڑے آ جاتیں اور معاملہ آج اور کل پر ٹلتا رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ حاضری کی خواہش توانا ہوتی گئی۔ پھر ایک روز دار العلوم کے سالانہ اجلاس کا مطبوعہ دعوت نامہ ملا جس پر حضرت صاحب قبلہ کے دست اقدس سے چند جملے رقم تھے اور مکہ مکرمہ میں کئے گئے وعدے کی یاددہانی کروائی گئی تھی۔ دار العلوم کی زیارت اور آپ سے ملنے کا اشتیاق تو پہلے ہی عروج پر تھا، مگر آپ کے مکتوب گرامی نے اس تحریک و تشویق کو مزید مہمیز دی اور فوری طور پر حاضری کا پختہ ارادہ کر لیا۔ رات کو دیر تک ہم سب مکہ مکرمہ میں ہونے والی ملاقات کا تذکرہ کرتے رہے، آپ کے شیریں لب و لہجے، جمال آفریں تبسم اور سحر آمیز شخصیت کی یاد سے دلوں کو معمور کرتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

رات کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی میں نے دیکھا کہ بصیر پور میں حاضر ہوں۔ حضرت فقیہ اعظم ایک مجلس میں جلوہ افروز ہیں۔ مجھے دیکھ کر کھڑے ہوئے ہیں اور نہایت محبت سے بغل گیر ہو کر حال احوال دریافت کیا ہے۔ صبح کے وقت بیدار ہوا تو رات کے واقعے کی لذت سے ذہن و قلب کی حالت دگرگوں تھی اور شوق حاضری فزوں تر تھا۔

چنانچہ حسب پروگرام میں اور ایک میرا عزیز غلام رسول عازم بصیر پور ہوئے۔ ہمیں

یہ معلوم نہ تھا کہ بصیر پور جانے کے لئے کون سا راستہ موزوں تر تھا کیونکہ بصیر پور کو جانے والی ریل گاڑی قصور کے راستے سے ہی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم بھی براستہ قصور اپنی گاڑی پر روانہ ہو گئے۔ بصیر پور پہنچ کر ہمیں دار العلوم تک راہنمائی کے لئے دار العلوم ہی کے فاضل علماء (مولانا محمد شریف بدر اشرفی اور ایک اور صاحب) نے معاونت کی۔ دار العلوم میں پہنچے تو اجلاس کی کارروائی شروع تھی اور حضرت فقیہ اعظم سٹیج پر رونق افروز تھے۔ خواب کا نقشہ بالکل سامنے تھا اور مزید حیرانی اس وقت ہوئی جب آپ اٹھ کر بڑے تپاک کے ساتھ بغل گیر ہوئے اور خیر خیریت دریافت فرما کر خواب کے واقعے کو حقیقت میں بدل کر رکھ دیا تھا' ہاں خواب کی نسبت اس وقت لذت و سرور میں بے حد اضافہ پایا۔

شرف بیعت

اس حاضری کے بعد میں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ آپ جب بھی لاہور تشریف لایا کریں تو قیام کے لئے ہمارے غریب خانہ کو عزت و شرف بخشیں۔ آپ نے ہماری درخواست کو شرف پذیرائی بخشا اور کرم فرماتے رہے۔ ہم بھی بصیر پور حاضر ہوتے اور آپ بھی نوازتے رہے۔ ادھر سے مہربانی' شفقت اور عنایت کا سلسلہ جاری رہا اور ادھر سے نیاز مندی' فیروز بختی میں بدلتی رہی۔ اس دوران میں نے آپ سے شرف بیعت کے لئے کوئی زیادہ سنجیدگی سے غور و خوض نہیں کیا تھا۔ بیعت ہونے میں ایک جھجک سی آڑے آ رہی تھی۔ دل میں ایک کھٹکا سا لگا رہتا کہ شاید بیعت کا معاملہ بڑا مشکل اور کٹھن ہے اور انسان کو کئی ایک پابندیاں قبول کرنا پڑتی ہیں ممکن ہے میں ان کا متحمل نہ ہو سکوں۔ کبھی دل میں ایک خواہش سی پیدا ہوتی کہ اس شرف سے تہی دست رہنا سود مند نہیں اور بیعت ہو جانے میں ہی عافیت ہے۔ مگر اگلے ہی لمحے طبیعت کی فطری آزاد روی ایک ڈر اور خوف کی صورت میں ذہنی خیال کو الٹ سمت میں لے جاتی۔ اس دوران میری اہلیہ نے مجھے بیعت کے لئے تحریک و ترغیب دی اور مشورہ دیا کہ اگر زندگی میں کسی موڑ پر اس مرحلے سے گزرنا ہی ہے تو پھر

حضرت فقیہ اعظم کی شخصیت سے بڑھ کر اور کون سے شیخ کامل کی تلاش ہے۔ قلبی میلان تو تھا ہی' مگر اس تشویق نے شرف بیعت کے رجحان و خیال کو پختہ ارادے میں بدل دیا۔ چنانچہ میں نے طے کر لیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو آپ کے نیاز مندوں میں داخل ہو جاؤں۔

ان دنوں حضرت فقیہ اعظم حج پر تشریف لے جا رہے تھے' پروگرام کے مطابق بصیر پور سے لاہور' یہاں سے کراچی اور پھر حجاز کو روانگی تھی۔ آپ لاہور سے کراچی جا چکے تھے۔ میں نے سوچا کراچی جا کر بیعت ہو جاؤں جہاز کی سیٹ کے لئے کوشش کی مگر معاملہ الجھ گیا۔ ٹیلیفون پر حضرت صاحب قبلہ سے بات ہوئی اور عرض کیا کہ میں شرف زیارت کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں' مگر سیٹ دستیاب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کوشش کریں انشاء اللہ مل جائے گی۔ آپ کا یہ ارشاد تشفی کا باعث بنا اور عزم نو سے سیٹ کے حصول کے لئے سرگرم ہو گیا۔ چنانچہ اپنے ایک دوست سلیمی صاحب کے توسط سے یہ مسئلہ حل ہوا اور میں کشاں کشاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

حضرت فقیہ اعظم اپنے مرید جناب بابو رشید احمد نوری کے ہاں قیام فرما تھے۔ وہیں دست بوسی کا شرف ملا۔ دوسرے دن کراچی کے دو احباب نے (ماسٹر خوشی محمد اور دوسرے صاحب کا نام مستحضر نہیں) بیعت کی سعادت حاصل کی۔ جب حضرت فقیہ اعظم ان سے فارغ ہو چکے تو میں نے عرض کیا حضور! جو معاملہ آپ نے ان سے فرمایا ہے مجھے بھی اس سے نواز کر اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرمالیں۔ میری التجا پر آپ نے فرمایا کہ "پھر آپ داڑھی بڑی کر لیں" کیونکہ میری داڑھی ابھی سنت کے مطابق نہ تھی۔ میں تو پہلے بیعت سے خوفزدہ تھا' کڑی پابندیوں کے تصور سے دل میں گھبراہٹ موجود تھی اور اب بھی داڑھی بڑھانے کے بارے میں ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ سو میں نے عرض کیا "کوشش کروں گا" آپ نے فرمایا صرف کوشش نہیں بلکہ عزم بالجزم کرنا ہو گا کیونکہ داڑھی کا مطابق سنت ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ کے اس فرمان سے دل میں ایک تغیر سا پیدا ہوا اور میں نے عرض کیا "انشاء اللہ

آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی" اگرچہ مجھے اس بات کی سخت فکر لاحق تھی کہ میں اس قول کو شاید نبھا نہ سکوں مگر دل ایفائے عہد کے لئے مطمئن تھا۔ اس طرح آپ نے کرم فرمایا اور مجھے اعزاز حاصل ہوا کہ "چوہدری محمد اسحاق" سے "محمد اسحاق نوری" بن گیا۔

پرکشش اور جاذب شخصیت

روانگی حج کے اس موقع پر مجھے داڑھی کی برکت، حضرت صاحب قبلہ کی پرکشش شخصیت اور مثالی وجاہت کا مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔ حضرت فقیہہ اعظم نے روانگی سے قبل حسب ضابطہ کرنسی لینا تھی۔ چنانچہ احقر، بابو رشید احمد نوری اور دو یا تین دیگر مریدین کے ہمراہ آپ حاجی کیمپ میں تشریف لئے گئے۔ کاؤنٹر پر اس قدر رش تھا کہ نہ تو متعلقہ کاؤنٹر نظر آ رہا تھا اور نہ ہی وہاں موجود اہلکار دکھائی دے رہا تھا۔ اس دھکم پیل اور زبردست رش میں کرنسی کے حصول کا معاملہ خاصا دشوار نظر آیا۔ حضرت صاحب باہر لان میں بیٹھ گئے اور ہمیں پاسپورٹ دیا تاکہ ہم کرنسی لے آئیں۔ میں اور بابو رشید احمد صاحب نے ہزار جتن کئے مگر ہماری سب کوششیں بے کار گئیں۔ کرنسی لینا تو ایک طرف رہا، ہماری تو کاؤنٹر تک رسائی نہ ہو سکی۔ میرے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ موجودہ قدرے چھوٹی داڑھی کے ساتھ دینوی قدرو منزلت کا یہ حال ہے کہ مولوی سمجھ کر کوئی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے کو تیار نہیں جب کہ اس سنت رسول (علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم) سے عاری لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اور اس پر سوا یہ کہ حضرت صاحب داڑھی بڑھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ انہی وسوسوں میں گم، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں کی تمام صورتحال کہہ سنائی۔

حضرت صاحب اس وقت کپڑے کی ٹوپی پہنے بیٹھے تھے اور عمامہ مبارک سامنے رکھا تھا آپ نے فرمایا "چلو پھر ہم خود چلتے ہیں" یہ کہہ کر آپ نے عمامہ سر پر پہنا اور کاؤنٹر کی طرف رخ کیا۔ آپ کو دیکھتے ہی تمام لوگ ادھر ادھر ہو گئے اور آپ کسی سے الجھے بغیر سیدھے کاؤنٹر پر متعلقہ اہلکار کے پاس جا پہنچے۔ ہم دونوں متحیر و متعجب ہو کر انگلیاں دانتوں میں

لئے کھڑے تھے کہ وہ کون سی روحانی قوت ہے جس نے تمام لوگوں کو دھکیل کر دائیں بائیں کر دیا ہے۔ حالانکہ آپ کی کسی سے جان پہچان بھی نہیں اور نہ ہی کوئی واقفیت ہے اور جو لوگ کرنسی کے حصول کے لئے اپنی باری پر مرمٹنے کو تیار تھے آپ کی آمد پر سب کچھ فراموش کر کے آپ کے لئے جگہ بنا رہے ہیں۔۔۔۔ اس واقعہ نے ایک تو وہ ذہنی خلفشار اور شیطانی وسوسہ ختم کر ڈالا کہ موجودہ معاشرتی رویوں میں صاحب لحیہ کے لئے کوئی قدرومنزلت نہیں اور دوسرے آپ کی شخصی جاذبیت، علمی وجاہت اور روحانی تمکنت سے دل مسحور ہو گیا آپ کی رفعت شان کا عکس دل پر نقش ہو کر رہ گیا۔

آپ کی شخصی وجاہت کا یہ پہلو بھی بارہا سامنے آیا کہ حالت احرام میں کسی کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے، لباس کی یکسانیت کی بنا پر انسان کے امتیازی خدوخال واضح نہیں ہو پاتے اور کچھ تفریق نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے پیر کون ہے اور مرید کون، شاہ کون اور گدا کون؟ اور نہ ہی عالم اور جاہل کی کوئی تمیز ہو سکتی ہے۔ احرام کی چادریں تمام خصائل کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں مگر یہ حضرت فقیہہ اعظم کا شاید امتیاز تھا کہ حالت احرام میں متعدد مرتبہ آپ کی مصاحبت کا شرف ملا اور بہت سے لوگوں کو پوچھتے پایا کہ "یہ کون بزرگ ہیں؟" بعض لوگ کہتے "یہ پیر صاحب کہاں سے تشریف لائے ہیں؟" پھر میں نے ان کو بتایا کہ یہ سلسلہ قادریہ کے بزرگ ہیں اور بصیر پور میں آپ کی سکونت ہے۔ یعنی آپ کسی بھی لباس میں ہوتے پیر ہی دکھائی دیتے اور چہرے بشرے کے امتیازی خدوخال پرکشش اور جاذب نظر دکھائی دیتے حالانکہ تصنع اور بناوٹ تو آپ کے قریب بھی نہیں آئی تھی بلکہ آپ اس سے بہت نفور تھے، پھر بھی چہرے کی نورانیت دیکھنے والے کے قدم روک لیا کرتی تھی۔

بہترین رفیق سفر

مجھے غالباً سات یا آٹھ مرتبہ آپ کے ساتھ حج و عمرے کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر اس ارجمندی سے ہمکنار ہوتا رہا، مگر جو اعلیٰ اخلاقی قدریں

آپ کے ہاں دیکھنے کو ملیں اور رفیق سفر کی حیثیت سے محاسن کی جو فراوانی آپ کی ذات میں پائی کہیں بھی نہ دیکھ سکا۔

اس حیثیت سے آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ اس بات کے شدت سے قائل تھے کہ سفر میں ہر ایک اپنا سفر خرچ خود برداشت کرے اور خواہ کوئی پیر ہو یا مرید' دوسرے کی جیب پر بار نہ بنے۔۔۔۔ ایک مرتبہ ہم علی الصبح ایک بس پر بیٹھ کر جا رہے تھے کہ بس کا کرایہ ایک ریال تھا اور آپ کے پاس کھلا ہوا ایک ریال نہیں تھا' حسب دستور و معمول میں نے اپنا ریال ادا کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا ریال بھی آپ دے دیں۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور ریال ادا کر دیا۔ آگے چل کر آپ نے طوبیٰ مسجد کے پاس سے کچھ خریدا اور چینج کا مسئلہ حل ہو گیا تو آپ نے وہ ریال لوٹا دیا۔ میں نے گزارش کی کہ حضور! ایک ریال ہی کا تو معاملہ ہے' آپ رہنے دیجئے' پھر میں آپ کا مرید بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ کسی دوسرے پر بوجھ بنوں' خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ لہٰذا آپ اپنا ریال رکھ لیں۔

ایک مرتبہ میں اور چوہدری خوشی محمد نوری مدینہ منورہ میں آپ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے علیحدگی میں باہم طے کیا کہ مکان کا کرایہ اور کھانے وغیرہ کے تمام اخراجات ہم اٹھائیں گے اس سلسلے میں حضرت صاحب سے کوئی خرچ وصول نہیں کریں گے کیونکہ ہم آپ کے مرید ہیں' ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے شیخ کامل سے اظہار نیاز مندی کریں۔ حضرت صاحب قبلہ کو ہماری اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا' میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری اور زیارت کے لئے آیا ہوں' مجھے یہ قطعاً" پسند نہیں کہ یہاں طفیلی بن کر رہوں یا تم لوگوں پر بوجھ بنوں۔ بلکہ تمام متفرق اخراجات مشترکہ ہوں گے اور مشروبات صرف میرے ذمے۔ مشروبات سے آپ کی مراد سادہ پانی نہیں تھا بلکہ پیپسی' سیون اپ اور جوس وغیرہ۔ ہمارے لئے یہ بات بڑی تعجب خیز اور

تکلیف دہ تھی کہ مرید ہو کر اپنے شیخ کی جیب سے مشروبات پی رہے تھے۔ مگر آپ کا یہ حکم تھا اس لئے خاموش رہے' لیکن یہ پچھتاوا رہا کہ اگر ہم خود ایسا مشورہ نہ کرتے جو آپ کو منظور نہیں تھا' تو یہ نوبت بھی نہ آتی۔ غرض کہ باقی تمام اخراجات مشترک رہے جب کہ مشروبات کی تمام رقم آپ خود ادا فرماتے رہے۔ یہ آپ کی وہ خوبی اور اعلیٰ قدر ہے جو کسی عالم دین کے ہاں کم از کم مجھے نظر نہیں آئی۔

بعض اوقات حج کے موقع پر میری اہلیہ ساتھ ہوتیں اور ہم حجاج کرام کی طرح ایک بڑا کمرہ کرایہ پر لیتے' حضرت صاحب ہمیں حکم دیتے کہ تم میاں بیوی ہو' درمیان میں موٹے کپڑے کا پردہ لگا کر ایک طرف علیحدہ رہو۔ حالانکہ عام حجاج کرام اس معاملے میں کوئی امتیاز و تفریق گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی ایسے تکلف میں پڑنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے' وہاں ایک ہی کمرے میں مختلف علاقوں اور مختلف خاندانوں کے لوگ مرد و زن کے امتیاز کے بغیر گزارا کرتے ہیں مگر حضرت صاحب ہمیشہ ہم سے پردہ داری کی پابندی کراتے اور چادر لٹکانے کا حکم دیتے۔

میں اور قبلہ حضرت صاحب روزانہ حرم پاک میں اکٹھے جایا کرتے اور اکٹھے ہی واپس آتے۔ ایک روز آپ کو مقررہ وقت سے پہلے آنا پڑا۔ کمرے میں پردے کی دوسری طرف میری اہلیہ موجود تھیں مگر آپ نے کمرے میں جانا گوارا نہ فرمایا بلکہ میرے انتظار میں کمرے کے دروازے پر بیٹھے رہے۔ میں آیا تو مجھے اس بات پر سخت ندامت اور پشیمانی ہوئی میں نے کہا حضور! ہم دونوں میاں بیوی آپ کے مرید ہیں' پھر اندر پردہ لگا ہوا ہے' اور یہ آپ کا اپنا گھر بھی ہے' اس میں کون سی قباحت تھی؟ مگر آپ نے فرمایا کہ میں بہتر نہیں سمجھتا کہ حکم شرعی بھی یہی ہے۔

رفیق سفر کی حیثیت سے آپ کا یہ وصف بھی قابل ذکر ہے کہ سفر کی صعوبتوں سے آپ کبھی دل برداشتہ نہیں ہوا کرتے تھے کہ طبیعت میں چڑچڑا پن آجائے اور رفیق سفر سے الجھتے

رہیں یا ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ حالانکہ طویل اور متواتر سفر کا یہ خاصا ہے کہ انسان معمولی معمولی باتوں سے ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور اس کا اثر ساتھیوں کے ساتھ تعلقات پر بھی پڑتا ہے۔ طبائع کا اختلاف کھل کر سامنے آجاتا ہے یہاں تک کہ دوسروں کا جلد تیار نہ ہونا اور آہستہ یا تیز چلنا وغیرہ بھی کھٹکنے لگ جاتا ہے مگر آپ کبھی زچ نہ ہوئے، رفیق سفر کے لئے کبھی پریشانی کا سامان پیدا نہ کرتے بلکہ حتی الوسع آسانی کے اسباب پیدا کرتے۔ جس رفتار سے ساتھی چل رہا ہوتا، آپ بھی اسی رفتار سے چلتے، جو کھانا دوسروں کو پسند ہوتا، خود بھی پسند فرماتے، پابندی وقت کا خیال رکھتے اور بڑے منظم پروگرام کے ساتھ تیار ہو کر چلتے۔ میری اور آپ کی عمر میں تفاوت بھی تھا، اور ظاہر ہے کہ اس تفاوت کی بنا پر طبعی اور فطری رجحانات میں اختلاف و بعد ہو سکتا تھا، مگر کبھی کسی مقام پر آپ نے مجھ سے سفری ربط اور بندھن کو ڈھیلا نہ پڑنے دیا تھا اور نہ ہی کبھی پیر اور مرید ہونے کی حیثیت کو اجاگر کیا تھا۔ سفر میں صرف رفیق سفر کی حیثیت کو سامنے رکھتے اور بس۔

نفاست پسندی اور خوش مزاجی

ہمارے شیخ طریقت قبلہ فقیہ اعظم قدس سرہ، حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علی و آلہ وسلم کے اسوہ مبارکہ پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ قدرت نے آپ کی طبع مبارک کا خمیر اس انداز میں تیار فرمایا تھا جس سے کوئی قول و فعل خلافت سنت سرزد نہیں ہو سکتا تھا۔

طہارت و پاکیزگی اور نفاست ہمارے ایمان کا حصہ ہے، اور بلاشبہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت میں اطیب و اطہر ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع میں حضرت فقیہ اعظم کو بھی صاف ستھری اور نفیس اشیاء مرغوب تھیں۔ طبیعت کی نفاست پسندی کا اثر تھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو محسوس ہوتا کہ بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ بعد میں اعضا کو خشک فرماتے خصوصاً پاؤں دھونے کے بعد فوراً جوتا نہیں پہنا کرتے تھے، بلکہ تولئے سے خوب اچھی طرح خشک فرماتے تاکہ جوتے کی ہیئت خراب نہ ہو اور وہ بدنما اور بھدا

دکھائی نہ دے۔ سفر میں، خصوصاً غیر ملکی سفر کے دوران آپ اچھی سواری، اعلیٰ رہائش، اور اچھا کھانا پسند فرمایا کرتے تھے اور اس معاملے میں اخراجات کی پروا نہیں کرتے تھے۔ میں نے بہت اچھی طرح اس بات کا مشاہدہ کیا کہ آپ کنجوسی یا بخل نہ فرماتے۔ اپنے وسائل کے مطابق اچھی اشیاء کھا کر، اچھے اور نفیس ہوٹل میں قیام کر کے اور آرام دہ سواری استعمال کر کے خوش ہوتے۔

ایک مرتبہ ہم دمشق سے حلب گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر میں نے عرض کیا کہ ہمارے پیش نظر سیر و سیاحت بھی ہے اور زیارات کی سعادت کا حصول بھی۔ اگر ہم بس پر واپس گئے تو تھک جائیں گے اور یہ دونوں مقاصد بحسن و خوبی حاصل نہیں ہو سکیں گے، اس لئے بہتر ہے کہ ہم کار پر چلیں۔ آپ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور فرمایا کہ ہاں کار پر چلنا چاہئے۔ ہمارے ساتھی حاجی نور حسن صاحب (حجرہ شاہ مقیم) بضد تھے کہ کار مہنگی پڑے گی بس ہی مناسب ہے مگر حضرت صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں فرمایا نہیں، کار پر چلیں گے خواہ کتنی مہنگی پڑے۔۔۔

میری عادت ہے کہ میں کسی دوسرے ملک یا شہر جاؤں تو وہاں کی مقامی منڈی میں جا کر نیا پھل تلاش کرتا ہوں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض پھل اپنی نازکیت کے باعث ایک ملک سے دوسرے ملک تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ خراب ہو جاتے ہیں۔ جب ہم زیارات کے لئے شام گئے تو وہاں چیری دیکھی چونکہ یہ پھل ہمارے ملک میں دستیاب نہیں تھا اس لئے رغبت سے دو یا تین کلو کا ایک کریٹ خرید لیا۔ حضرت صاحب یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ایک نئی مباح اور حلال چیز سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور نہایت خوشی سے آپ نے اسے تناول فرمایا۔ حاجی نور حسن صاحب کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ اس قدر مہنگا پھل خریدنے کی کیا ضرورت تھی مگر آپ کی مسرت کا ٹھکانا نہ تھا کہ نفاست پسند اور خوش مزاج طبیعت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ سفر حج کے موقع پر ایک مرتبہ ہم جدہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے جدہ میں موقف

(بس یا ٹیکسی اسٹینڈ) پر پہنچے تو میں نے مشاہدہ کیا کہ ایک نئی اور اچھی کار کی باری ذرا توقف کے بعد آئے گی۔ اس لئے اگر تھوڑی دیر انتظار کر لیا جائے تو یہ زیادہ مناسب ہو گا۔ ایک تو سفر آرام دہ رہے گا' دوسرا یہ مدینہ پاک میں جلد پہنچا دے گی۔ میں نے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ گزارش کی تو آپ بہت خوش ہوئے کہ نئی کار میں چلیں گے اور جلد پہنچیں گے حالانکہ اس کا کرایہ بھی معمول سے زیادہ ادا کرنا پڑا تھا مگر آپ اس سفر سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

حضرت فقیہ اعظم کو معلوم تھا کہ مجھے نئی چیزیں پسند ہیں حالانکہ بعض اوقات نئی مصنوعات کی خریداری کا رجحان تعیش پسندی اور فضول خرچی کے زمرے میں آتا مگر مجھے ذاتی طور پر آپ نہیں روکتے تھے بلکہ بعض اوقات ایسی نئی اشیا کی نشاندہی فرماتے اس کے پیچھے یہ مقصد کار فرما ہوتا کہ اگر خدا توفیق دے تو جو اشیاء انسانیت کی بھلائی اور آسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں' انہیں استعمال میں لانا چاہئے۔۔۔۔ اس ضمن میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں حاضر تھے۔ حضرت صاحب گھر میں اکیلے تشریف لائے اور فرمایا کہ بازار سے گزرتے ہوئے ایک نئی چیز دیکھی ہے جو تمہارے خریدنے کی ہے۔ میں نے تفصیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ ایک چھتری ہے' جس میں سیل لگے ہوئے ہیں جو موٹر کو چلاتے ہیں اور ٹاپ پر ایک پنکھا ہے جو اس موٹر کے ذریعے چلتا ہے۔ چھتری کھلنے پر آپ چاہیں تو ہینڈل پر لگے بٹن کو دبائیں اور پنکھا چلالیں۔ یوں سایہ بھی میسر اور ہوا بھی موجود۔۔۔۔ آپ نے فرمایا میں نے وہ دکان اچھی طرح ذہن نشین کر لی ہے۔ میں ایک سادہ چھتری خرید لوں گا اور آپ مذکورہ الیکٹرونک چھتری خرید لیں لیکن جب وہاں پہنچے تو دکان بند ہو چکی تھی اور میں وہ چھتری تو نہ خرید سکا البتہ حضرت صاحب کی خوش مزاجی کی داد دیتا رہا۔

عرصہ پہلے میں نے ایک چاقو خریدا۔۔۔۔ چاقو کیا تھا' وہ ایک ہمہ جہت آلہ تھا جس کے چوبیس استعمالات تھے۔ کوئی بوتل کھولنے کا آلہ' کوئی ناخن تراشنے کا آلہ' حتی کہ اس میں

ایک مقناطیسی گلاس بھی تھا جسے سوئٹزرلینڈ والوں نے اپنی فوج کے استعمال کے لئے ایجاد کیا تھا۔ بازار سے مجھے ملا تو میں نے خرید لیا اور حضرت صاحب کو دکھایا تو اس کی رنگا رنگی پر بہت متعجب ہوئے اور میری خریداری پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ ایک مرتبہ یہاں لاہور میں ہمارے گھر آپ تشریف فرما تھے کہ آپ سے کوئی صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ ان صاحب کو بھی وہ چاقو دکھلائیں۔

یہ اور اسی قسم کے کئی دیگر مشاہدات آپ کی خوش مزاجی اور طبیعت کی نفاست پسندی کے عکاس تھے۔ خشک مزاجی اور کھردرا پن نہ تو خود اپناتے اور نہ دوسروں میں یہ چیزیں پسند فرماتے۔

ہمارے ہاں ایک ڈبہ نما کھلونا ہے جس میں ایک سپرنگ لگا ہوا ہے اس پر کپڑا چڑھا دیا جاتا ہے اور جب اسے کھولا جائے تو سپرنگ یک دم اوپر کو اچھلتے ہیں جس سے انسان دہشت زدہ ہو کر بوکھلا سا جاتا ہے کیونکہ بظاہر اس کے اوپر بادام بنے ہوئے ہیں اور کھولنے والا خیال کرتا ہے کہ بادام بھرا ڈبہ سامنے دھرا ہے۔ میں نے وہ ڈبہ حضرت فقیہ اعظم کو دکھایا تو اس مزاح پیدا کرنے والے کھلونے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک بار یہاں آپ کے کچھ مریدین حاضر تھے اور وہ کھلونا بھی پڑا تھا آپ نے ایک مرید سے فرمایا اسے کھولو آپ مسکراتے رہے کہ یہ کھولے گا تو ایک مرتبہ ڈر جائے گا اور ساتھ ساتھ دھوکہ دہی کا پہلو بھی سامنے تھا اس لئے اسے محتاط رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے فرماتے۔ "اسے کھولو اس میں کوئی اچنبھے والی چیز موجود ہے" میں نے عرض کیا کہ آپ نے اسے آگاہ کر دیا ہے' اب وہ محتاط رہے گا' اس لئے اب کھلوانے کا فائدہ ہی کیا مگر آپ وہی جملہ دہراتے جا رہے تھے کہ کچھ مزاح کا سماں بھی پیدا ہو جائے اور دھوکہ دہی کا پہلو بھی نہ پایا جائے۔

بحیثیت مہمان اور میزبان

معاشرتی رویوں اور اخلاقی اقدار کے حوالے سے حضرت فقیہ اعظم کی شخصیت کا

جائزہ لیں تو آپ کی طبیعت اعلیٰ فطری اصولوں کے عین مطابق تھی۔ اور جن اوصاف و خصائل کو ایک مومن کامل کا طرہ امتیاز ہونا چاہئے وہ بطریق احسن آپ میں موجود تھے۔

ایک طویل عرصے تک ہمیں آپ کی میزبانی کا شرف ملا۔ ہم اپنی کوشش کی حد تک آپ کے آرام و آسائش کا خیال کرتے' اچھے اور مناسب قیام کے لوازمات فراہم کرتے لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت صاحب کا رویہ اور انداز قیام بھی اسی قسم کا تھا کہ ہمیں کبھی بوجھ یا ناگواری محسوس نہ ہوئی۔ آپ تشریف لاتے تو ہمارے گھر کے ہر فرد کی خواہش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر کے خدمت بجالانے کی سعادت حاصل کرے مگر آپ اس بات کا اہتمام فرماتے کہ گھر والوں کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے جب گھر تشریف لاتے تو بیرونی برآمدے میں پڑی کرسیوں پر تشریف فرما ہو جاتے' خادم اطلاعی گھنٹی بجاتا یا دروازہ کھٹکھٹاتا اور اطلاع ملنے پر میں آپ کا استقبال کرتا' پھر آپ اندر تشریف لاتے حالانکہ بعض اوقات اندر کمرے تک جانے کے لئے دروازہ بھی کھلا ہوتا اور یقین ہوتا کہ اس حصے میں خواتین کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہے لیکن پھر بھی باقاعدہ اطلاع کے بغیر آپ کو اندر چلے جانا پسند نہیں تھا۔ جو کمرہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جاتا اطلاع کے بغیر دروازے سے باہر نکلنا یا جھانکنا بھی مناسب نہ سمجھتے آپ کے پلنگ کے پاس سائیڈ ٹیبل پر یا گردوپیش میں کئی اشیاء پڑی ہوتیں مگر یہ بھی پسند نہ ہوتا کہ کسی چیز کو اٹھا کر دیکھ ہی لیں کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کا استعمال کیا ہے بلکہ ایک سرسری نظر سے کمرے کا جائزہ لینا بھی پسند نہیں فرماتے تھے باوجودیکہ یہ ایک فطری اور طبعی سی چیز ہے کہ ہر انسان نئی جگہ جا کر وہاں پر موجود اشیاء کے بارے میں متجسسانہ نظر ڈالتا ہے۔

آپ کی آمد پر لاہور اور گردونواح کے بہت سے مریدین اور عقیدت مند آپ کی قدم بوسی اور زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔۔۔ اور جب کھانا کھانے کا وقت ہوتا تو سب کو دستر خوان یا کھانے کی میز پر نہ بلواتے بلکہ ساتھ آئے ہوئے خادم کو ساتھ بلا لیتے۔ ہماری طرف

سے سب کے لئے صلائے عام ہوتی مگر آپ فرماتے کہ یہ مقامی لوگ ہیں کھانا کھا کر آئے ہوں گے یا گھر جا کر کھالیں گے۔۔۔ آپ کا نقطہ نظر یہ ہوتا کہ میزبان پر خواہ مخواہ کا بوجھ نہ پڑے اور کسی قسم کی پریشانی کی نوبت نہ آنے پائے۔ مثلاً آپ کو فرش پر بیٹھ کر کھانا تناول کرنا زیادہ مرغوب تھا لیکن ٹیبل پر کھانا لگا دیا جاتا تو کبیدہ خاطر نہ ہوتے اور کرسی پر بیٹھ کر کھا لیتے۔ یعنی میزبان کے ساتھ حسن سلوک کے جو اعلیٰ اصول اسلام نے عطا کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں یا عصر حاضر میں مروج ہیں اور اسلام کی انہیں تائید بھی حاصل ہے ان سب کی مکمل پاسبانی فرمایا کرتے تھے۔

جس طرح آپ کو آداب مہمانی کا پاس خاطر تھا' اسی طرح بطور میزبان بھی ارفع اوصاف سے مزین تھے میں جب کبھی بصیر پور میں حاضری کے لئے جاتا تو آپ میری پسند کا خیال رکھتے۔ میں چونکہ سلاد وغیرہ کا زیادہ شوق رکھتا ہوں اس لئے خاص طور پر ان اشیاء کا بندوبست فرماتے۔ مزید کرم یہ فرماتے کہ اکثر گھر سے خود کھانا اٹھا کر لاتے باوجودیکہ گھر کا خادم یہ کام انجام دے سکتا تھا مگر اس میں مہمان کی عزت افزائی کا پہلو پیش نظر رکھا کرتے تھے۔ کھانے میں زیادہ تکلف نہ برتتے اور نہ کسی قسم کے تصنع سے کام لیتے۔ ہاں! معمول سے ہٹ کر کسی ڈش کا اضافہ فرماتے تاکہ مہمان کی دلجوئی ہو اور میزبانی کا حق ادا ہو جائے۔

انداز تربیت

حضرت فقیہ اعظم (علیہ الرحمتہ) کی طبیعت کا یہ بھی خاصا تھا کہ آپ بلاوجہ اور بے جا روک ٹوک نہیں فرماتے تھے' جائز اور مباح امور کے متعلق ٹوکنا آپ کو سخت ناپسند تھا لیکن اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کی اصلاح اور تربیت کا پہلو بھی اوجھل نہیں ہونے دیا کرتے تھے۔ کوئی خلاف شرع یا نامناسب حرکت دیکھتے تو اس انداز میں اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت فرماتے کہ مسئلہ نکھر کر سامنے آجاتا اور دل نور ایمانی سے جگمگا اٹھتا۔ اصل میں آپ کے انداز تربیت کی یہ خصوصیت تھی کہ ایک تو لب و لہجہ نہایت شیریں او

ساده تھا، پھر نصیحتی کلمات کے پیچھے خلوص اور سچائی کی چاشنی بھری ہوتی۔ ایک ایک کلمہ دل میں پیوست ہوتا چلا جاتا۔

ایک مرتبہ ہم کہیں جا رہے تھے کہ میں نے حسب عادت بے توجہی سے سمت کعبہ کی طرف تھوک دیا آپ نے فرمایا۔ "کعبے شریف کی سمت تھوکنا مناسب نہیں" میں نے دل میں عہد کیا کہ ٹھیک ہے آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ چند دن بعد میں نے اپنے دائیں طرف تھوکا تو آپ نے فرمایا کہ "دائیں طرف نہیں تھوکنا چاہئے" اس وقت میرے دل میں تھوڑا سا میل پیدا ہوا اور شیطانی وسوسے نے جڑ پکڑنا شروع کی۔ میں نے سوچا کہ اب تھوکنے پر بھی پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ دائیں اور بائیں کا امتیاز چہ معنی دارد؟ حضرت صاحب میرے اس شیطانی خیال پر مطلع ہوئے اور کشف کے ذریعے دل کے احوال کا مطالعہ فرماتے ہوئے گویا ہوئے۔ نہیں، نہیں! تھوکنے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے، دائیں طرف تھوکیں یا بائیں طرف۔ اصل بات یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں اسلام کی تابعداری کرنے کی عادت پروان چڑھتی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی سے معمولی سے کام کو انجام دیتے وقت بھی انسان یہ سوچ لے کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علی وآلہ وسلم) کی رضامندی شامل ہے یا نہیں۔ اور اس کام کو انجام دینے کا اسلام نے کیا طریقہ سکھایا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علی وآلہ وسلم) کے نزدیک کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے۔"

آپ کے ان الفاظ سے میرے دل کا سارا میل دھل گیا اور تمام اشکال رفع ہو گئے۔

ابتدا میں مجھے نئی گاڑی رکھنے کا بے حد شوق تھا۔ ہر ڈیڑھ دو مہینے کے بعد پہلی گاڑی فروخت کر کے نئی گاڑی خرید لینا میرا معمول تھا۔ گاڑی پر ایک مکھی کے برابر بھی نشان یا داغ پڑ جاتا تو وہ میرے ذوق پر گراں گزرتا اور اسے فروخت کر دیتا۔ مثلاً ایک مرتبہ اردو بازار (لاہور) گیا تو ایک دکان کے سامنے لگے ہوئے پردے کا بانس میری گاڑی کی چھت پر گرا۔ جس سے تقریباً آدھ انچ کے برابر معمولی سا نشان پڑ گیا۔ اتنا معمولی کہ رنگ بھی نہیں اترا پایا تھا

اور تھا بھی چھت کے ایک کونے پر جہاں کسی کی نظر بھی نہیں پڑتی تھی مگر میں نے فوراً گاڑی فروخت کر دی اور نئی گاڑی خرید لی۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واقعہ سنئے۔ حضرت صاحب قبلہ ایک مرتبہ حج پر روانہ ہو رہے تھے میں بالکل نئی گاڑی خرید کر حاضر ہوا۔ آپ نے غالباً" اوکاڑہ سے ریل پر سوار ہونا تھا۔ آپ اوکاڑہ جانے کے لئے میری گاڑی میں تشریف فرما تھے دار العلوم میں آپ کے مریدین، عقیدت مندوں اور متوسلین کا بے پناہ رش تھا۔ میں نے یہ سوچ کر گاڑی کو حرکت دی کہ گاڑی چلے گی تو لوگ خود بخود ادھر ادھر ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ انسانوں کے اس زبردست ہجوم سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی لیکن جب گاڑی کو حرکت دی تو اس کا دروازہ دار العلوم میں موجود شیشم کے درخت سے جا ٹکرایا جو ہجوم کے سبب میری نظر سے اوجھل تھا۔ دروازے پر خاصا بڑا نشان پڑ گیا تھا اور اس نقصان کی وجہ سے میری ساری عقیدت دھری کی دھری رہ گئی۔ تمام ذوق وشوق ختم ہو گیا اور میرا ذہن گاڑی میں اٹک کر رہ گیا۔ رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ میں تو عقیدت اور محبت کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور یہاں آ کر یہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ نامعلوم اب مناسب طریقے سے مرمت بھی ہو سکے یا نہیں۔ دروازہ مرمت ہو گیا تو یکسانیت پیدا کرنے کے لئے اس کے ساتھ کا رنگ بھی مارکیٹ سے دستیاب ہو سکتا ہے یا نہیں ـــــ انہی خیالات اور تفکرات میں گم آپ کو لے کر اوکاڑہ روانہ ہو گیا۔ راستے میں آپ نے اچانک فرمایا۔

"دنیا کی تمام رنگا رنگ اشیاء بس یونہی ہوتی ہیں۔ ان کے چھن جانے پر زیادہ کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔"

پھر آپ نے فرمایا۔

"کسی آستانے پر ایک مرتبہ لنگر تقسیم ہو رہا تھا۔ ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے تقسیم کنندہ گھبرا گیا تو اس نے ایک عقیدت مند کے ہاتھوں پر چمچ دے مارا۔ جس سے عقیدت مند کے

ہاتھوں پر زخم آگیا اور نشان پڑ گیا۔ وہ مرید صادق اپنی ہتھیلی کو چومتا پھرتا تھا اور لوگوں کو فخریہ انداز میں دکھاتا پھرتا کہ یہ میرے شیخ کے آستانے کا عطاکردہ نشان ہے۔ اور اس پر خوش ہو کر ناز کیا کرتا تھا۔"

پہلے تو مجھے حیرانی ہوئی کہ آپ نے میرے قلبی احوال کو نگاہ کشف سے دیکھ لیا ہے اور تمام خیالات آپ کے سامنے آئینہ کی مانند ظاہر ہو گئے ہیں پھر آپ کی گفتگو سے دل کی تمام پریشانی یک دم کافور ہو گئی۔ میں بالکل مطمئن ہو گیا بلکہ اس نقصان پر مسرت سی ہونے لگی۔ اب اس واقعے کا دوسرا پہلو بھی دیکھئے۔ میرا خیال تھا کہ اس گاڑی کی قیمت کم ہو جائے گی اور مارکیٹ سے مناسب دام نہیں مل سکیں گے۔ لیکن میرے اندازے کے برعکس اصل قیمت سے بھی پندرہ ہزار روپے زیادہ میں فروخت ہوئی۔ اور نہ صرف نقصان پورا ہو گیا بلکہ منافع بھی مل گیا۔ آپ کی اس تربیت کا اثر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ گاڑی پر نشانات برداشت کرنے کا عمومی طور پر حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اور پہلے والا رجحان ماند پڑتا چلا گیا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وقت بیعت آپ نے مجھ سے داڑھی بڑھانے کا وعدہ لیا تھا۔ چنانچہ آپ کے حکم کے زیر اثر جب اس پر عمل شروع کیا تو چونکہ نفس بہت عیار ہے اور بار بار راہ حق سے ہٹاتا اور بہکاتا ہے اس لئے ایک دو مرتبہ داڑھی کٹائی تاکہ اچھی طرح سے ہموار اور برابر ہو جائے مگر بعد میں بہت ندامت ہوتی اور خود کو وعدہ خلافی پر ملامت کرتا۔ ایک شیطانی اثر یہ بھی ہوا کہ بڑھتی ہوئی داڑھی میں خراش سی ہونے لگ گئی اور ایک عجیب تلملاہٹ اور ہیجان سا پیدا ہونے لگا۔ میں نے سوچا کہ حضرت صاحب قبلہ سے عرض کروں گا کہ اس میں کوئی رعایت نہیں ہو سکتی کیا؟ سو جب بصیر پور میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ داڑھی بڑھانے میں ذرا مشکل سی پیش آ رہی ہے۔ مجھے خیال گزرا کہ شاید آپ فرما دیں کہ چلو اس قدر ہی کافی ہے اور اس طرح کچھ رعایت مل جائے گی۔ مگر آپ نے فرمایا "میں اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہوں، مجھے چھ قسم کے شدید مختلف جسمانی عارضے لاحق ہیں، مگر

اس کے باوجود بحمد اللہ تمام کام موافق سنت ادا ہو رہے ہیں۔ اور آپ سے یہ چند بال بھی برداشت نہیں ہو پاتے" بس آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میرے دل کی کایا پلٹ گئی اور داڑھی بڑھتی چلی گئی۔ اس طرح خیال بھی نہ گزرا کہ داڑھی کس قدر بڑھ گئی ہے چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق چار انگشت سے زائد کٹوا ڈالی لیکن اس وقت ذوق و شوق کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ اس سے بھی بڑی داڑھی رکھنے کو تیار تھا۔ آپ کا حکم نہ ہوتا تو بڑھتی ہی چلی جاتی اور یہ آپ کے اس جملے کا اثر تھا کہ "مجھے چھ شدید قسم کے عارضے ہیں اور آپ سے سنت مصطفیٰ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء) بھی برداشت نہیں ہو سکتی۔"

ایک دفعہ آپ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، ہماری بیٹیاں ابھی چھوٹی تھیں۔ خصوصاً" عابدہ ابھی بالکل کم سن تھی۔ حضرت صاحب اسے بڑا پیار فرمایا کرتے اور حکم دیتے کہ اسے سر پر دوپٹہ اوڑھایا کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو بالکل ہی چھوٹی ہے اور اس کی حد بلوغت بہت دور ہے ابھی پردے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے بڑے ناصحانہ اور مربیانہ انداز میں ارشاد فرمایا "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر پردہ فرض نہیں، اور نہ یہ مکلف ہے مگر ابھی سے پردے کا اہتمام کیا جائے گا تو بالغ ہونے تک اس کی عادت پختہ ہو جائے گی اور دوپٹہ اوڑھنا طبیعت پر گراں نہیں گزرے گا۔ آپ کی اس وضاحت سے شک و شبہ دور ہو گیا اور معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ مذکورہ بچی کو آپ مائی صاحبہ یا مائی عابدہ کہہ کر پکارا کرتے حالانکہ وہ بالکل بچی سی تھی۔ مگر آپ کے ان الفاظ کا اثر ہوا کہ جب وہ جوان ہوئی تو نعت پڑھنے اور قرآن کریم حفظ کرنے کے علاوہ تہجد و نوافل وغیرہ ادا کرنے کی بھی عادی ہو گئی۔ بعد میں اس کا وصال ہو گیا مگر حضرت صاحب کا "مائی صاحبہ" کہہ کر پکارنا بالکل سچا ثابت ہوا حالانکہ اس وقت اس کی عمر ابھی بمشکل چار یا پانچ سال تھی۔

حضرت فقیہ اعظم کی اصلاح اور نگاہ کرم کا صدقہ تھا کہ اگرچہ ہمارا گھرانہ پہلے سے ہی مذہبی تھا اور دین سے خاصا تعلق تھا مگر آپ کی توجہات کے سبب نماز کی عادت بھی پختہ ہو گئی،

حاضری روضہ رسول کا عشق بھی فزوں تر ہو گیا' دین کا فہم اور مذہب سے وابستگی بھی بڑھ گئی۔ آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو یقیناً یہ رنگ ڈھنگ نہ ہوتا۔ یہ سب آپ کی اصلاح و تربیت اور نظر عنایت کے سبب ہوا۔

محبت رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

مجھے علماء سے محبت ہے اور ایک طویل مدت سے اہل علم اور مراکز علم سے وابستگی موجود ہے۔ متعدد مدارس میں حاضری کا موقع ملتا رہا ہے۔ کئی علوم و فنون' تفاسیر اور حدیث کے اسباق سننے کا اتفاق ہوا۔ اس سلسلے میں مجھے ذاتی مشاہدہ ہوا کہ وہ خاص کیفیات جو حضرت فقیہ اعظم کے درس حدیث میں دیکھنے کو ملتیں' کہیں اور نظر نہ آئیں۔ جب بھی بصیرپور حاضر ہوا اور حدیث کے درس میں بیٹھا تو دیکھا کہ حضرت صاحب خود بھی رو رہے ہیں اور طلباء بھی رو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اسباق اور احادیث مبارکہ آپ کی نظر سے کئی مرتبہ گزرتی رہی ہوں گی اور جس طرح ڈاکٹر آپریشن کرتے کرتے بے حس سے ہو جاتے ہیں' اسی طرح بعض لوگ درس حدیث دیتے دیتے عشق و محبت کی کیفیات سے عاری ہوتے چلے جاتے ہیں مگر حضرت فقیہ اعظم نصف صدی تک حدیث پاک پڑھاتے رہے اور وہی واقعات اور احادیث متعدد مرتبہ مطالعے اور نظر سے گزرتی رہیں' مگر یہ عشق رسول کی انتہا تھی کہ ارشادات و اقوال رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) زبان پر آتے یا کان میں پڑتے ہی آنکھیں چھلک پڑتیں اور آنسوؤں کا ایک سیلاب سا رواں ہو جاتا۔ ایک عجیب سماں بندھ جاتا کہ پڑھانے والا بھی رو رہا ہوتا' پڑھنے والے بھی زاری کر رہے ہوتے اور سامعین بھی آنسو بہا رہے ہوتے۔ باقی مدارس میں استاد پڑھا رہے ہیں اور شاگرد پڑھ رہے ہیں اور اس کو معمول سمجھ کر ایک روانی اور تسلسل سے انجام دیا جاتا ہے مگر یہاں عشق رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے بغیر ایک حرف بھی ادا کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا۔

عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کی سرشت میں گندھا ہوا تھا اور اس

کے اظہار کے متعدد مظاہر دیکھنے کو ملے مگر اس موضوع پر ایک موقع کی گفتگو مجھے کبھی نہ بھول سکے گی۔ ہم کار میں سفر کر رہے تھے کہ آپ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے عقیدت و محبت اور آپ سے جاں نثاری ہمارے مسلک کا خاصہ ہے۔ یہ دولت بے پایاں ہمیں اپنے بزرگوں سے ورثا ملی ہے۔ مگر میں نے مسلکی حوالوں سے بالاتر ہو کر اور بزرگوں سے سنی سنائی باتوں سے ہٹ کر تحقیق کی ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے لکیر کا فقیر بننا پسند نہیں اور جب تک کسی معاملے اور مسئلے کی تہہ تک نہ پہنچ جاؤں کوئی نظریہ قائم نہیں کرتا' تقلید محض مجھے بالکل گوارا نہیں ہے اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس لائبریری میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں کئی زبانوں میں ہیں اور بے شمار علوم میں ہیں۔ اور وہ نمائش یا دکھلاوے کے طور پر نہیں رکھی گئیں بلکہ ان سب کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے' برسوں ان کو پڑھا ہے اور پڑھایا ہے' تحقیق و تجسس میں ایک عمر بیت گئی ہے۔۔۔۔ ان سب کتابوں کا حاصل اور پوری عمر کے مطالعہ کا نچوڑ آپ کو بتائے دیتا ہوں" آپ نے پھر تاکیداً" فرمایا کہ "آپ کو طول طویل باتوں میں الجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ منطقی اور فلسفی پیچیدگیوں سے آپ کو کیا واسطہ؟ ان سب کا جو عطر اور خلاصہ ہاتھ لگا ہے' جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں اور جو تحقیقی نکتہ ہاتھ آیا ہے صرف وہی آپ کو بتائے دیتا ہوں' وہ نکتہ صرف یہ ہے کہ "رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت و عقیدت اور آپ کے ساتھ عشق و وارفتگی اصل ایمان ہے اور یہی حقیقت دین ہے۔ ساری تعلیم کا خلاصہ اور حاصل مطالعہ بس یہی کچھ ہے۔ اسی کو ذہن نشین کر لیں اور اسی پر عمل پیرا ہو جائیں۔ دنیا و آخرت کی کامیابی کا مدار صرف اسی نکتہ کو سمجھ لینے میں مضمر ہے۔"

اس کے ساتھ آپ نے ایک واقعہ بھی ارشاد فرمایا اور حدیث پاک کے حوالے سے مجھے سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی سے بار بار لغزش ہو جایا کرتی تھی کہ وہ عہد جاہلیت سے شراب کے عادی تھے اور کوشش کے باوجود اس جرم کا ارتکاب کر

بیٹھتے تھے اور بار بار حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں لائے جاتے۔ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) میں سے کسی نے ان پر لعنت کی کہ تم بار بار اس جرم کا ارتکاب کر کے حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اذیت اور دکھ میں مبتلا کرتے ہو۔۔۔۔ یہ سن کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سخت جلال میں آئے اور آپ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو، مت لعنت کرو، اگرچہ یہ شراب کا رسیا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے محبت کرتا ہے۔" یہ واقعہ سنانے کے بعد ایک مرتبہ آپنے پھر اس بات کو دہرایا کہ یہ ہے تحقیقی نکتہ جس کو برس ہا برس کے مطالعہ کے بعد حاصل کر پایا ہوں کہ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بغیر دین و ایمان اور علم و آگہی کی کوئی حقیقت نہیں۔

مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی محبت

محبت و عشق کی اس جلوہ گری اور شدت کا نتیجہ تھا کہ جب کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شہر مقدس کا تذکرہ ہوتا، آپ کی آنکھوں میں نمی پیدا ہو جاتی اور ضبط و شکیب کے سب بندھن ٹوٹ جاتے، بیتابی سے جسم لرزنے لگ جاتا اور عشق و اخلاص میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپتے دکھائے دیتے۔ عاشقانہ کیفیات کا عجب رنگ ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ پر وارد ہونے والی ان کیفیات کو الفاظ و معانی کا جامہ پہنانا بھی مشکل اور سعی لا حاصل ہے۔

جب بھی مدینہ طیبہ کو روانگی ہوتی تو چونکہ عموماً" لاہور سے کراچی کا سفر بذریعہ ریل فرمایا کرتے تھے، اس لئے ریل میں سیٹوں کی ریزرویشن کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی اور آپ کی طرف سے ہر مرتبہ یہ تاکید خاص ہوتی اور ہدایت ملتی کہ بکنگ کلرک سے پوچھ کر سیٹیں بک کروائیں جن پر بیٹھیں تو چہرہ مدینہ طیبہ کی سمت میں ہو نہ کہ اس طرف پیٹھ ہو تاکہ لاہور سے روانگی ہی اس انداز میں ہو کہ گویا ہم بارگاہ سرور ہر دو سرا (علیہ التحیۃ والثناء) میں حاضر

ہیں۔

ایک دفعہ حج یا عمرے کے ارادے سے حجاز مقدس کو تشریف لے جا رہے تھے۔ حسب معمول کراچی تک ریل پر سفر کا ارادہ تھا۔ گاڑی نے پشاور سے آکر تقریباً" پون گھنٹہ رکنے کے بعد کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ ہم لاہور سٹیشن پر فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں بیٹھے تھے، سخت گرمی کے دن تھے اور ویٹنگ روم میں قدرے سکون تھا کہ پنکھا وغیرہ چل رہا تھا۔ مگر باہر لوگ پسینے سے شرابور دکھائی دیتے۔ گاڑی آپہنچی تو آپ سوار ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے عرض کیا کہ ابھی رش بہت ہے۔ اور گرمی بے انتہا پڑ رہی ہے۔ آپ یہیں تشریف رکھیں۔ روانگی سے دس پندرہ منٹ قبل گاڑی میں چلیں گے۔ آپ کی سیٹیں روک لی گئی ہیں، ان پر بستر لگا دیا گیا ہے، بلکہ خدام انکی حفاظت کے لئے وہاں موجود ہیں۔ اس لئے سیٹوں کی طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیں خواہ مخواہ پریشانی ہو گی۔ اور اس گرمی میں وہاں بیٹھنا محال اور دشوار ہو جائے گا۔ ہماری ان گزارشات پر آپ بیٹھ گئے مگر اگلے ہی لمحے اٹھ کھڑے ہوئے ہم نے اصرار کیا، آپ ابھی باہر نہ جائیں مگر حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا کہ "نہیں میں یہاں نہیں رک سکتا۔ گاڑی کا رخ مدینہ طیبہ کی جانب ہے اور میں یہاں ویٹنگ روم میں بیٹھا ہوا ہوں، میں ابھی سفر کا آغاز کرنا چاہتا ہوں" بلکہ آپ نے فرمایا "میں کامیاب ہونا چاہتا ہوں۔ کیونکہ گاڑی میں جتنے لمحے بھی گزریں گے مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے عبادت میں گزریں گے۔ اس لئے اب یہاں رکنا ممکن نہیں، میں ابھی اس عبادت کی ابتداء کرنا چاہتا ہوں" پھر آپ عجلت میں تیز تیز قدم اٹھاتے گاڑی میں اپنی سیٹ پر جا بیٹھے۔

کافی عرصہ قبل ایک فلائٹ متعارف کروائی گئی جو کراچی سے پرواز کر کے براہ راست مدینہ طیبہ جا کر اترتی تھی۔ ایئرپورٹ کے گردو پیش اور اہم مقامات پر میں نے اس فلائٹ کے اشتہار لگے دیکھے۔ جن میں روضہ انور کا نقشہ بنا ہوا تھا اور باب عثمان اور باب عمر والی سمت کو ظاہر کر کے دکھایا گیا تھا اگرچہ معمول کی پروازوں سے چار ہزار روپے زیادہ تھا۔ میں

نے حضرت صاحب کی خدمت میں اس کی اطلاع کی تو آپ نے بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا' اس پر ضرور سفر کرنا چاہئے کیونکہ یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ انسان کراچی سے سیدھا مدینہ منورہ جا پہنچے۔ آپ کی خواہش اور حکم کے مطابق ٹکٹ وغیرہ بنوائے گئے اور ویزے کا بندوبست کیا گیا۔ جب جہاز کراچی سے اڑا تو تقریباً" دس منٹ بعد آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پرواز یہاں سے چل کر اب مدینہ منورہ کی سرزمین پر اترے گی۔ بڑی سعادت اور خوش قسمتی ہے' کسی توقف کے بغیر سرزمین مقدس پر جا اتریں گے۔ اس کے عوض چار ہزار تو بہت کم ہے۔ چار ہزار کی اس کے مقابلے میں کیا وقعت ہے؟ پھر آپ نے فرمایا ڈائریکٹ مدینے شریف جا پہنچانے والی پرواز کے لئے تو چار لاکھ کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پھر فرمایا' چار لاکھ؟ چار کروڑ بھی بے وقعت ہیں' مگر اس پر بھی آپ کی تسلی نہ ہوئی اور آپ نے فرمایا اس پرواز کا جتنا بھی کرایہ ہو' کم ہے' جس قدر ہو' تھوڑا ہے' کیونکہ یہ پرواز بلاواسطہ آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے در دولت پر پہنچانے والی ہے۔

مدینہ شریف میں حاضری آپ کی روح کی غذا تھی اور اس کے بغیر خود کو ادھورا خیال کرتے۔ گنبد خضریٰ کے رو برو حاضر ہوتے تو مواجہ عالیہ میں کھڑے ہو کر خوب زاری فرماتے۔ اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے۔ میں مواجہ عالیہ میں ذرا دور کھڑے ہو کر سلام عرض کرتا۔ آپ نے مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا' حضور! میں دنیادار آدمی ہوں' بعض اوقات دنیوی خیالات کے زیر اثر ذوق پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک عشق کی کیفیت پیدا نہ ہو' بے ادبی اور گستاخی سی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا جیسی بھی حالت ہو اور دل کا جو بھی معاملہ ہو وہاں کھڑے ہو جایا کرو۔ ظاہری یا باطنی جو بھی پوزیشن ہو مواجہ عالیہ میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جایا کریں۔ میں نے آپ کے حکم اور مشورے پر عمل کیا تو ایک مرتبہ تو کیفیت پیدا نہ ہوئی' مگر رفتہ رفتہ طبیعت جذب سے آشنا ہونے لگی' ذوق بھی مل گیا اور آہ و زاری بھی اللہ رب العزت نے عطا فرما دی۔

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری آپ کو اس قدر مرغوب اور محبوب تھی کہ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے آپ مدینہ طیبہ سے باہر کم ہی نکلتے۔ اور دیگر زیارات پر ہر مرتبہ نہیں کیا کرتے تھے۔ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر متعدد بار حاضری دیتے۔ ورنہ حرم محترم میں رہنا ہی زیادہ پسند تھا' جنت البقیع میں بھی حاضر ہوتے مگر سلام و دعا کے لئے عموماً" باہر ہی تشریف رکھتے۔ فرمایا کرتے' اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں انسان کے قدم کے نیچے کسی صحابی رسول یا بزرگ کی قبر موجود نہ ہو۔ کیونکہ اہل سعود نے قبروں کو مسمار کر دیا ہے اور اب امتیاز کرنا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ اندر تشریف لے گئے مگر جلد واپس پلٹے اور خاصے پریشان نظر آئے کہ کہیں کوئی گستاخی کی صورت پیدا نہ ہو گئی ہو۔

شہر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عشق و محبت اور خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی وابستگی اور وارفتگی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو خواب میں یہ اشارہ ملا اور حکم ہوا کہ حاجی اکبر علی صاحب کو زیارت کے لئے بھجوائیں تو آپ کو حاجی صاحب موصوف سے حد درجہ محبت ہو گئی۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ ان کے ساتھ کراچی تک جائیں اور جہاز میں سوار کرا کے آئیں۔ آپ نے مجھے خاص طور پر تاکید کی کہ ان کے کسی قول و فعل پر کبیدہ خاطر نہ ہوں حاجی صاحب کو سگریٹ پینے کی بھی عادت تھی۔ اور ان کی داڑھی بھی سنت کے مطابق نہ تھی (اب بحمدہ تعالیٰ موصوف کی داڑھی پوری ہے اور سگریٹ نوشی بھی ترک کر دی ہے) اس لئے آپ کو خیال آیا کہ شاید ان باتوں سے یا کسی دوسرے عمل کی بنا پر خلاف ادب حرکت سرزد نہ ہو جائے۔ اس لئے تاکید کی کہ حاجی صاحب کو نہایت احترام کے ساتھ الوداع کہہ کر آؤں۔ کیونکہ ان کو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خصوصی بلاوا آیا ہے اور مہمان خاص کی حیثیت سے جا رہے ہیں۔ اسی نسبت کے سبب حاجی صاحب سے آپ کو بہت محبت ہو گئی تھی۔ اور متعدد بار ان کے پاس گاؤں ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔

ایک دفعہ ان کے بیٹے کی شادی تھی۔ حالانکہ آپ بیمار بھی تھے اور کمزوری کی بنا پر پیدل چلنا دشوار تھا' مگر ان کی محبت کی وجہ سے بہت سا فاصلہ پیدل چل کر گئے۔ واپسی پر آپ بار بار حاجی صاحب سے پوچھتے کہ آپ خوش تو ہیں نا؟ وہ کہتے میں بہت خوش ہوں مگر آپ پھر اسی سوال کو دہراتے۔ میں حیران ہوا کہ جو لوگ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول و محبوب ہیں' آپ ان کی کس قدر عزت افزائی فرماتے ہیں۔

ہمارا معمول یہ تھا کہ سیدھے مدینہ منورہ جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دوران حج بھی مکہ مکرمہ جانے کی بجائے پہلے مدینہ عالیہ میں حاضر ہوتے۔ عام لوگوں کو اس سلسلے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا یا پھر ارادے اور عزم کی ذرا کمزوری ہوتی کہ سیدھے مدینہ منورہ نہ جا سکتے۔ اصل میں سعودی اہل کاروں کا طریق کار یہ تھا کہ ایئرپورٹ پر پاسپورٹ لے لیے جاتے تھے اور ضروری کاروائی کے بعد واپس کر دیے جاتے تھے مگر تھوڑی دیر بعد معلم کے اہل کار جمع کر لیتے اور پھر واپس نہ کیے جاتے۔ پاسپورٹ کی عدم موجودگی کے باعث تمام حجاج پابند ہو جاتے اور مدینہ شریف نہ جا سکتے۔ ہم معلم کو پاسپورٹ سپرد کرنے سے پہلے ہی ٹیکسی پر سوار ہو کر مدینہ عالیہ کا رخ کرتے۔ ایک سفر حج میں شیخ القرآن حضرت مولانا ابو البیان غلام علی اوکاڑوی' محترم غلام قادر قریشی اور جناب لال دین بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ ادھر حج کے ایام بالکل قریب آچکے تھے مگر حسب معمول حضرت صاحب قبلہ نے سوچا کہ پہلے مدینہ شریف حاضر ہوں گے۔ وہاں سے واپس احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں آئیں گے۔ حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب مدظلہ العالی نے تمام صورت حال کا جائزہ لیا اور واپس آکر رپورٹ دی کہ چونکہ حج کے دن بالکل قریب ہیں اس لئے حکام نے بہت سختی کے ساتھ سیدھا مدینے شریف جانے سے منع کر رکھا ہے۔ اور اب مدینہ شریف جانا ممکن ہی نہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا اچھا دیکھا جائے گا' "ہم تو مدینے کے مسافر ہیں" حضرت مولانا صاحب اور دیگر احباب احرام وغیرہ باندھ کر مکہ مکرمہ جانے کے لئے تیار ہو گئے اور ہم ٹیکسی لے کر حرم محترم

میں روضہ انور کے سامنے جا حاضر ہوئے۔ راستے میں کسی نے بھی ہمیں روک رکاوٹ نہ کی۔ وہاں پر علامہ اوکاڑوی صاحب کے ایک عقیدت مند ملے' انہوں نے آپ کے بارے میں دریافت کیا کہ اوکاڑوی صاحب آپ کے ساتھ تھے' وہ کیوں نہیں آئے۔ حضرت صاحب نے جواب دیا کہ وہ "ناممکن" کا شکار ہو گئے' اور مدینہ عالیہ آنے سے رہ گئے۔

مدینہ شریف کے ساتھ نسبت اور تعلق آپ کو بہت پسند تھا اور جب اور جس چیز سے بھی اس نسبت کو تقویت ملتی اسے اختیار فرماتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلاتے۔ ہم نے ایک بار مدینہ طیبہ کے قریب ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا جس میں بمشکل دو بستر زمین پر بچھائے جا سکتے تھے۔ میں نے اپنے ذوق اور عادت کے مطابق بہت سی خریداری کر لی۔ ٹیپ ریکارڈرز اور دور بین وغیرہ' یہاں تک کہ بعض اشیاء کو چھت سے لٹکا دیا سامان کی وجہ سے کمرے میں سونا تک مشکل سا ہو گیا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ نے ذرا جلالت کے انداز میں فرمایا کہ یہاں سونے کے لئے پہلے ہی جگہ تنگ ہے اور پھر آپ نے سامان کی بھرمار کر کے مزید تنگی پیدا کر دی ہے۔ میں نے گزارش کی "حضور! ہم تو مدینہ طیبہ میں بے سروسامان آتے ہیں اور سامان والے بن کے جاتے ہیں"۔ بس میرا اتنا کہنا تھا کہ آپ کی جلالی کیفیت محبت میں بدل گئی اور بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور پھر نہ صرف آپ نے میری اس روش پر اعتراض نہ کیا' بلکہ فرمایا جو چاہو لے آؤ اور جہاں چاہو رکھتے چلے جاؤ۔

مدینہ شریف جانے کی تڑپ اور اضطرب کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ایک بار تمام تر تیاری کے باوجود ویزہ نہ مل سکا' ٹکٹ لئے ہوئے تھے' ہیلتھ کارڈ بنا ہوا تھا۔ حضرت فقیہ اعظم نے فرمایا کہ چلو اسی طرح ایئرپورٹ پر چلتے ہیں۔ حکام کو کہیں گے کہ ہمیں مدینہ شریف بھیج دو۔ جہاں تک جانا ممکن ہے وہاں تک تو چلیں' مجھے تعجب ہوا کہ بغیر ویزے کے ایئرپورٹ پر جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ بہرحال ہم کاؤنٹر پر پہنچے اور متعلقہ ملازم کو پاسپورٹ تھما دیا۔ اس نے ورق گردانی کے بعد کہا کہ جناب آپ نے تو ویزہ نہیں لگوایا کس طرح جا سکتے ہیں؟ حضرت

صاحب نے فرمایا ہم نے ٹکٹ لے رکھا ہے آپ ہمیں آگے بھیج دیں۔ اہلکار بڑا مووب اور شریف النفس انسان تھا۔ پھر آپ کی شخصیت کا وقار بھی تھا کہ اس نے ادب سے کہا حضرت! ہم آگے بھیج تو دیں مگر آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور کہیں کوئی بڑی مشکل نہ پیش آ جائے۔ کوئی اور ہوتا تو اسے جھڑک دیا جاتا کہ ویزے کے بغیر تمہارا یہاں کیا کام ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اچھا اگر تمہاری کوئی مجبوری ہے تو پھر ٹھیک ہے ہم واپس چلے جاتے ہیں۔ میں نے حضرت صاحب سے کہا کہ ویزے کے بغیر ہم نے فضول کوشش کی ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں! جہاں تک ہماری رسائی تھی اور جا سکتے تھے وہاں تک تو ہم گئے ہیں۔ گھر سے تیار ہو کر آنا، قطار میں لگنا اور دیگر کوششیں کچھ نہ کچھ تو اجر و ثواب کا سبب بنیں گی اور آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں پذیرائی ملے گی۔

مرض الوصال اور حب مدینہ

مرض الوصال کے ایام میں آپ زیادہ تر جذب کے عالم میں رہے تھے لیکن جب میو ہسپتال میں آپ کو اس سے افاقہ ہوا تو جو پہلی بات آپ کے منہ سے نکلی وہ یا تو زیادہ تر دار العلوم سے متعلق تھی، یا پھر مدینہ منورہ کی حاضری سے متعلق تھی۔ دار العلوم کی پڑھائی اور سلسلہ تعلیم و تعلم کے بارے میں استفسار کیا اور نماز کی تاکید کی۔ پھر مجھے بلایا اور مدینہ شریف جانے کے متعلق گفتگو کی۔ کیونکہ ہم پہلے بھی اکٹھے جایا کرتے تھے اور اس سال بھی پروگرام طے کیا تھا کہ شوال میں حاضری دیں گے۔ مجھ سے پوچھا، کب جانے کا ارادہ ہے میں نے کہا آپ ٹھیک ہو لیں تو پھر چلتے ہیں۔ فرمایا نہیں ابھی چلیں میں نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو پھر چلیں۔ آپ نے فرمایا چلو۔ وقت مقررہ سے پہلے ہم مدینہ میں حاضر ہوں گے اور واقعی آپ اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں وقت مقررہ سے پہلے حاضر ہو گئے تھے۔ یہ بات خصوصیت سے یاد رکھنے کی ہے کہ اس آخری گفتگو میں جس بات پر زیادہ زور دیا وہ مدینہ منورہ سے متعلق تھی اور دوسرے نمبر پر دار العلوم کے بارے میں تاکید کی تھی۔

مدینہ منورہ کی مصروفیات

حاضری روضہ انور کے بعد آپ کی مصروفیات کا زیادہ تر محور دینی اور اسلامی کتب کی تلاش تھا۔ کتب سے آپ کو بے حد رغبت تھی۔ خصوصاً نایاب عربی کتب کا مل جانا ان کے لئے بے پایاں دولت سے کم نہ تھا۔ وہاں ہمارے ملنے والوں میں سے ایک شخص حافظ مقبول نامی ہیں اگرچہ ان کا تعلق اہلحدیث مکتب فکر سے ہے، مگر حضرت صاحب کے ساتھ نہایت عزت و تکریم سے پیش آیا کرتے۔ کتابوں کی تلاش کے سلسلے میں وہ آپ کی معاونت کرتا اور کتب خانوں کے مالکان سے آپ کا تعارف کرواتے ہوئے ھذا شیخ کبیر فی الباکستان ایسے الفاظ استعمال کرتے اور پھر کتابوں کے بنڈل کندھے پر اٹھا کر ہمارے مکان پر پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت کے فیضان اور آپ کی شفقت و محبت کا حافظ صاحب موصوف پر یہ اثر ہوا کہ ان کا عقیدہ درست ہو گیا۔ دوسری اہم مصروفیت مولانا ضیاء الدین (علیہ الرحمتہ) کے ساتھ ملاقات تھی وہ بھی آپ کی بے حد قدر فرماتے اور آپ بھی بڑے ادب و احترام سے پیش آتے۔ یہی رویہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ رہا اور روزانہ بعد نماز عشاء ان کے ہاں منعقدہ محفل میلاد میں ضرور شرکت فرمایا کرتے تھے۔ تیسری مصروفیت وہاں پر دیگر محافل نعت و میلاد میں حاضری تھی۔ خصوصاً ایک ترکی بزرگ عاشق رسول شیخ فہمی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں محفل میلاد میں شرکت فرماتے۔ فہمی صاحب کی محفل میں پڑھا جانے والا کلام اور دیگر ذکر و اذکار عربی زبان میں ہوتا۔ پہلی مرتبہ مجھے وہاں آپ کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ان کے مخصوص انداز ذکر میں بڑی لگن اور محبت کے ساتھ شریک ہوتے۔

تلاوت قرآن

ذکر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ذکر مدینہ کے بعد جن مواقع پر آپ کو تڑپتے پایا وہ قرآن مجید کی تلاوت کا مرحلہ ہوتا۔ قرآن مجید سے تلاوت کا شغف بھی بے حد تھا۔ کوئی

ایسا سفر مجھے یاد نہیں جس میں آپ نے تلاوت نہ کی ہو' ہوائی جہاز میں ہوں یا ریل گاڑی میں خواہ کار میں سفر کر رہے ہوں' تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ ہم بھی گھروں میں تلاوت کیا کرتے ہیں' علماء کو بھی تلاوت کرتے دیکھا ہے بہت سے دوسرے مشائخ کو بھی کلام اللہ پڑھتے دیکھا مگر آپ کا انداز تلاوت انوکھا ہی نظر آیا۔ اس قدر محویت اور ڈوب کر تلاوت کرتے کہ آنسوؤں کی ایک لڑی بن جاتی اور گریہ زاری کا عالم دیدنی ہوتا۔ کار میں جا رہے ہوتے تو گردونواح کے ماحول سے بے نیاز مصروف تلاوت ہو جاتے جب تلاوت کے بعد مجھے حکم دیتے کہ ٹیپ ریکارڈر پر نعت کا کیسٹ لگا دوں۔ یعنی یا تو ذکر اللہ سے انس تھا یا پھر ذکر حبیب خدا سے محبت تھی۔ آپ کی یہ مستقل عادت تھی کہ جب جہاز میں سفر کرتے تو مجھ سے پوچھ لیتے کہ جہاز نے اڑان لے لی ہے یا نہیں؟ جب میں بتاتا کہ ہاں اب جہاز فضا میں بلند ہو چکا ہے تو آپ فوراً قرآن مجید کھول لیتے اور تلاوت شروع فرما دیتے اور جب جہاز لینڈ کرتا تو قرآن مجید بند کرتے اور فرمایا کرتے کہ الحمد اللہ فضا میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب حاصل کر لیا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ میں نے دو قرآن مجید مختلف پروازوں میں ختم کیے ہیں۔ میں جہاز میں کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا کرتا تھا' ایک دن عرض کیا کہ میں تو باہر کے مناظر سے لطف اٹھاتا ہوں آپ نے کمال حکمت سے فرمایا "قرآن مجید میں بھی بے شمار مناظر موجود ہیں۔"

احترام سادات

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نسبت و تعلق ہی کا سبب تھا کہ آپ سادات کرام کا بے حد احترام فرماتے اور ظاہری شکل و صورت یا ان کے اعمال پر نظر نہ جاتی۔ صرف نسبت مصطفوی (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) کو مد نظر رکھا کرتے۔

ایک دفعہ عمرے پر جانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اس سلسلے میں ایک پاکستانی سفیر جناب سید عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی تاکہ وہ سعودی سفیر کو کہہ کر ویزہ لگوا دیں۔ سید

صاحب موصوف حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی داڑھی وغیرہ نہیں تھی۔ جب ہم ان کی کوٹھی پر حاضر ہوئے تو وہ اپنے ڈرائینگ روم میں تشریف فرما تھے' حضرت صاحب نے جا کر ان کی دست بوسی کی۔ میں نے بھی ان کے ہاتھ چومے۔ ہم نے معاملہ عرض کیا تو انہوں نے سعودی سفیر کو فون کیا۔ وہ نہ مل سکے اور دن کم ہونے کی بنا پر ویزہ نہ لگ سکا۔ جب ہم واپس پلٹے تو حضرت صاحب نے پھر دست بوسی کی اور میں حیران ہوا کہ نہ صرف ڈرائینگ روم سے باہر تک بلکہ ان کی کوٹھی کے مرکزی دروازے تک الٹے قدموں واپس ہوئے حالانکہ ڈرائینگ روم سے باہر نکلتے ہی حضرت سید صاحب نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

یوں ہی ایک بار ہم مدینہ منورہ میں حاضر تھے۔ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کی اولاد میں سے ایک حافظ قرآن جناب سید منور حسین صاحب (جو آج کل لندن میں مقیم ہیں) حرم شریف میں نماز تراویح پڑھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت صاحب تک بھی یہ بات پہنچی چونکہ سید صاحب مذکور کی داڑھی نہیں تھی' اس لئے آپ نے ان کے مریدین میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ حضرت سید صاحب حافظ قرآن بھی ہیں' سادات کرام سے ان کا تعلق ہے اور پیران عظام کی اولاد سے ہیں مگر ان کی داڑھی نہیں ہے۔ میری یہ جرات نہیں کہ میں براہ راست آپ سے عرض کروں اور داڑھی کی طرف توجہ دلاؤں۔ آپ میری جانب سے یہ گزارش کر دیں کہ اگر آپ حفظ قرآن' سادات سے تعلق اور اولاد مشائخ ہونے کے ساتھ داڑھی کی نسبت بھی قائم فرما لیں تو کیا ہی بات ہے۔ یہ تو گویا سونے پر سہاگہ والی بات بن جائے۔ آپ نے بار بار فرمایا کہ اسی ڈھنگ کے ساتھ بات کریں۔ اور براہ راست یوں نہ کہیں کہ داڑھی رکھ لو پھر مجھے فرمایا کہ سادات کرام کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ ان سے برائی کا سرزد ہونا بالکل یوں ہی ہے جیسے کسی کے کپڑے کو مٹی لگ جائے اور خشک ہو جانے کے بعد اسے جھاڑ دیا جائے۔ ان کا مقام بہت بلند ہے اس لئے احتیاط کی

سخت ضرورت ہے چنانچہ جب سید صاحب تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے داڑھی رکھنے کا عزم کر لیا۔ اور اسی دن آپ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی باوجودیکہ اسی دن انہوں نے تازہ تازہ شیو کیا تھا۔ مگر ارادہ کر لینے کے بعد آپ نے کسی کراہت کے بغیر تراویح ادا کی۔ اب وہ بحمد اللہ داڑھی سے ہیں۔

آپ جب بھی لاہور تشریف لاتے تو داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر ضرور حاضری دیا کرتے۔ دوسری ضروری حاضری حضرت مولانا سید ابوالبرکات علیہ الرحمتہ کے پاس ہوتی۔ گاڑی نکل جانے کا ڈر یا کسی اور نقصان کا اندیشہ آپ کے اس معمول میں رکاوٹ نہ بن سکتا۔ سید صاحب قبلہ کی حیات اقدس میں ان کے حضور نذرانہ بھی ضرور پیش فرمایا کرتے اگرچہ دس روپے ہی کیوں نہ ہوں۔ بغیر نذرانہ پیش کئے آپ نے ایک بھی ملاقات نہیں کی تھی۔ حضرت قبلہ سید صاحب علیہ الرحمتہ بھی آپ کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ اٹھ کر آپ کے ساتھ بغل گیر ہوتے۔ جب آخر عمر میں آپ بے حد نحیف اور کمزور ہو گئے تو دوسروں کی مدد سے اٹھ کر استقبال فرماتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آپ نے بیٹھے بٹھائے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے ہوں۔ حضرت فقیہ اعظم جب آپ کے پاس سے واپس پلٹتے تو حزب الاحناف کے مرکزی دروازے تک الٹے قدموں واپس ہوا کرتے۔ قبلہ سید صاحب کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب کے ساتھ بھی ملاقات رہا کرتی تھی۔ ان کی خدمت میں بھی ہدیہ پیش کرنے اور دست بوسی کا معمول رہا۔

ایک مرتبہ عمرے پر جانے کے لئے ہم لاہور سے کراچی تک سفر کر رہے تھے۔ حضرت قبلہ تو حسب معمول قرآن کریم کی تلاوت میں منہمک ہو گئے اور میں باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب سے گپ شپ لگانے میں مشغول ہو گیا۔ جو میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوران گفتگو پتہ چلا کہ ان کا تعلق سادات کرام کے

گھرانے سے ہے۔ سفر کے اختتام پر آپ جہاز سے اترے (آپ جب صحت مند تھے تو بہت تیز چلا کرتے تھے دیکھنے کو بہت متوازی اور درمیانی چال دکھائی دیتی مگر ان کے ساتھ برابر چلنا دشوار ہوتا۔) چنانچہ حسب عادت جب آپ جہاز سے اترے تو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مجھ سے اور سید صاحب مذکور سے آگے نکل گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا "یہ سید صاحب ہیں" بس اتنا سننا تھا کہ فوراً واپس ہو لئے اور ان کا بریف کیس پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ اب وہ سید صاحب آپ سے کہتے کہ نہیں حضرت! آپ بزرگ آدمی ہیں مجھے گنہگار نہ کریں مگر آپ مصر تھے کہ خدمت انجام دینے کا موقع مل جائے۔ میں نے مداخلت کرتے ہوئے بریف کیس پکڑ لیا۔ پھر بھی حضرت صاحب ان کے آگے نہیں چل رہے تھے' انہوں نے بہت اصرار کیا مگر انہیں پیٹھ کر کے چلنا سوء ادب خیال کیا۔ نہ ان کی ٹائی کی طرف دھیان دیا اور نہ ان کے سوٹ وغیرہ پہ نظر کی۔ بس صرف احترام سادات کا جذبہ غالب آ گیا۔

اعتدال اور احتیاط

حضرت فقیہ اعظم ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے۔ افراط و تفریط آپ کو قطعاً" پسند نہ تھی۔ جس عمل میں شریعت مطہرہ نے شدت نہیں دکھائی بلکہ کچھ رعایت دی ہے' اس پر اصرار نہیں فرماتے تھے۔ لیکن خود عمل مستحب کو اپناتے اور حتی الوسع شریعت کے کسی پہلو پر بھی بے عملی کا مظاہرہ نہ فرماتے۔ مثلاً آپ کے ساتھ جب کبھی اماں جی ہوتیں تو آپ پردے کا سخت اہتمام فرماتے۔ منیٰ' عرفات اور مزدلفہ جیسے مقامات پر بھی پردے داری کا التزام رکھتے۔ لیکن وہاں پردے کی صورت یوں ہوا کرتی کہ ایک خاص طریقے سے نقاب لگایا جاتا کہ چہرے سے بھی کپڑا ہٹا رہتا اور پردے میں بھی فرق نہ آتا۔ میری عادت تھی کہ ایسے مواقع پر میں سوال کر لیتا تھا۔ اور آپ بھی جھڑکنے کے بجائے شفقت اور محبت سے جواب دے کر مجھے مطمئن فرما دیتے۔ میں نے عرض کیا' حضور! یہ تمام مخلوق جو حج کرنے آئی ہوئی ہے' اور انہوں نے ایسا اہتمام نہیں کیا جیسا آپ نے کر

رکھا ہے، تو کیا ان کے حج میں فرق آجائے گا اور ان کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا کوئی پردہ کرے یا نہ کرے، سب کے حج مقبول ہو جائیں گے، مگر ہم چونکہ پردے کے بہت زیادہ عادی ہیں۔ ہمارے لئے پردے کے بغیر رہنا دشوار ہے۔۔۔ یعنی خود اپنا عمل احتیاط پر مبنی تھا اور دوسروں کے لئے رخصت کی بنا پر جواز کا فتویٰ دیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ ہم نے جو کچھ کیا وہی ٹھیک ہے، اور باقی سب لوگ غلطی پر ہیں بلکہ اعتدال اور میانہ روی کی راہ کو اپنایا اور توضیح بھی یوں کردی کہ سب اشکال رفع ہو گئے۔ بلکہ ساتھ میری بہو، عبدالرزاق کی بیوی تھی، اس نے بھی دیکھ کر اسی طرح پردے کی صورت بنالی، مگر اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا اور سخت قسم کی الجھن سی پیدا ہونے لگی تو آپ نے فرمایا اسے کہو کہ اس تکلف میں نہ پڑے کیوں خواہ مخواہ خود کو مصیبت میں ڈالے ہوئے ہے۔

آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ اگر کوئی ایسا کام ہم سے سرزد ہو جاتا جو تربیت پر مستقل اثر انداز ہو سکتا تھا، تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ اگرچہ وہ معمولی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو امور وقتی ہوں اور ان سے کسی قباحت کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملتا ہو تو منع نہ فرماتے۔ ہاں اگر کسی نے استفسار کرلیا تو پھر صورت مسئلہ واضح فرمادیتے۔ خصوصاً" حلال و حرام کے بارے میں آپ کا رویہ بڑا محتاط اور معتدل تھا۔ ایک مرتبہ میرے ایک پیر بھائی میرے ساتھ کار میں سفر کر رہے تھے کہ میں نے قوالی کا کیسٹ لگا دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا؟ کیا تم نے حضرت صاحب سے اجازت لی ہے اور اصل مسئلہ دریافت کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اگر میں پوچھوں گا تو ظاہر ہے کہ آپ منع فرمادیں گے، اس لئے ایسے امور پر خاموش رہنے میں ہی عافیت ہے۔ ہمارے پیر بھائی جناب محمد عبداللہ نے کوئی مسئلہ پوچھا، اور آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ حالانکہ میرا اندازہ تھا اگر نہ پوچھتا اور آپ کے سامنے انجام دیا جاتا یا آپ کے علم میں ہوتا تو آپ ناجائز نہ فرماتے۔ استفسار کرنے پر انسان کو خواہ مخواہ کی پابندیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو زیادہ تنگ نہیں کرنا چاہئے۔ جس امر میں مباح کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہو، اسے حرام کہہ کر مسلمانوں کو دین سے متنفر کرنے والی بات ہے۔ کسی چیز کو حرام قرار دینے کے معاملے میں خصوصاً" بہت احتیاط ملحوظ رکھتے۔ اور جب تک کسی بات کی تہہ تک نہ پہنچتے اور تحقیق و تدقیق نہ کرلیتے، جھٹ سے فتویٰ نہ لگا دیتے۔ بہت سی آسان آسان باتیں جو کسی اور عالم سے دریافت نہ ہوئیں، آپ نے ان کی طرف رہنمائی کرکے سہولتیں پیدا کردیں۔ مثلاً یہی مسئلہ کہ بیٹھے بیٹھے انسان سو جائے تو وضو فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ ٹیک نہ لگائی ہوئی ہو، خواہ گھنٹوں سوتا رہے۔ مجھے اس مسئلے کا علم نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے اس کے متعلق آگاہ کیا تھا۔ اور جب حرم پاک میں ہوتے تو اسی پوزیشن میں نیند آجاتی تو گردوپیش کے لوگ وضو کرنے پر مجبور کرتے اور حرم شریف کے اگلے حصے سے وضو کی جگہ تک آنا خاصا کٹھن کام ہوتا۔ خاص طور پر سردیوں میں معاملہ ذرا زیادہ ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے رہنمائی فرمائی اور بتایا کہ اس طرح وضو نہیں ٹوٹتا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وضو کا ٹوٹنا یاد نہ ہو تو وضو ہی سمجھنا چاہئے۔ یہ اور اس قسم کے کئی دوسرے مسائل جو انسان کے لئے وسعت پیدا کرتے ہیں اور تنگی رفع کرنے کا سبب بنتے ہیں، حضرت صاحب ضرور بتایا کرتے تھے۔

آخر عمر میں جب ضعیف العمری نے کمزور کردیا اور مختلف امراض نے آگھیرا تو کبھی کبھی نمازیں ملا کر بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (اصطلاح فقہاء میں اسے جمع صوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مدیر) اب مجھے معلوم نہیں کہ کس فقہی مسلک میں اس کا جواز ہے، مجھے تو صرف یہ معلوم ہے کہ بہ امر مجبوری آپ اس پر عمل کرلیا کرتے تھے۔ اپنے شیخ طریقت کا عمل ہمارے لئے بہترین مشعل راہ اور قابل عمل فتویٰ ہے۔ لہٰذا اب بڑھاپے اور کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بھی اس پر عمل کرلیتا ہوں۔ حضرت فقیہ اعظم نے یہ وضاحت بھی فرمادی تھی کہ آئمہ دین متین کے درمیان اختلاف امت کے لئے رحمت کا سبب ہے۔ اور رحمت کا مطلب

یہ بھی ہے کہ کسی ایک کے مقلد رہتے ہوئے کسی مشکل وقت میں دوسرے امام کے مذہب کے مطابق عمل کرلیا جائے تو یہ عمل بھی اللہ کی بارگاہ سے رد نہیں کیا جائے گا۔

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے ایک مرتبہ صرف صدری پہنی ہوئی تھی نماز کا وقت ہوا تو کرتہ پہنے بغیر اسی صدری کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ میں نے سوال کیا "حضرت! ہم اگر نصف بازوؤں والی بش شرٹ پہن کر مسجد میں نماز ادا کرنے چلے جائیں تو علماء حضرات ہمیں میلی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور عام طور پر حکم صادر فرما دیتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی' جاؤ مکمل بازوؤں والی قمیص پہن کر آؤ۔ مگر آپ نے تو کرتہ پہننے کا اہتمام نہ فرمایا؟"------ آپ نے فرمایا "ایسے لباس میں نماز قبول ہو جاتی ہے اور دین کسی خاص لباس کے ساتھ نماز ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔" پھر آپ نے ایک صحابی کا واقعہ سنایا کہ وہ اونٹ چراتے ہوئے آئے اور کندھے پر رسی ڈال کر نماز ادا کرنا شروع کردی۔ جبکہ ناف سے اوپر جسم کا حصہ برہنہ تھا۔ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسول کریم علیہ التحیتہ والتسلیم کی بارگاہ میں صحابی کے اس عمل کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا چونکہ "یہ ستر برہنہ نہیں ہے بلکہ ستر کو ڈھانپے ہوئے ہے لہٰذا اس کی نماز درست ہے۔" حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا "اگر وہ صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے کندھے پر رسی نہ بھی ڈالتے تو بھی نماز درست ہو جاتی کیونکہ انہوں نے ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ شدید گرمی کے موقع پر بش شرٹ وغیرہ سے نماز ادا کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں! ایسا نہ ہو کہ انسان پہنا ہوا لباس بھی اتار دے اور نماز کے لئے ایسی رعایت کا غلط مطلب اخذ کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہمارے سامنے ہے کہ آپ نے کئی مواقع پر ضرورت کے اعتبار سے مختلف نوعیت کے لباس زیب تن فرمائے ہیں۔ جنگ کے موقع پر جنگی لباس زیب تن فرمایا اور اسی میں نماز ادا فرمائی ہے۔ آپ کے اس عمل سے یہ مسئلہ مستفاد ہے کہ کارخانے میں اگر کوئی مشینوں پر کام کرنے والا ہے تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ لازماً "ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے' اس

طرح کوئی حادثہ بھی درپیش ہو سکتا ہے۔ ملازم اسی لباس میں نماز ادا کرسکتا ہے جو اس نے ڈیوٹی کے وقت پہن رکھا ہے اسے لباس تبدیل کرنے کی پابندی نہیں۔ اسی پر دیگر ضروریات و معاملات کو قیاس کیا جا سکتا ہے اسی موضوع پر ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد قادری (خطیب جامع مسجد وزیر خان لاہور) سے بات ہوئی تو انہوں نے بڑی وضاحت سے فرمایا' ایک وقت تھا جب انگریز کے درمیان لباس کا تفاوت تھا اور ان کا لباس ان کی ثقافت کا عکاس تھا مگر اب وہی لباس بطور علامت مروج نہیں ہے لہٰذا ایسی احتیاط کی کوئی وجہ نہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت فقیہ اعظم (قدس سرہ العزیز) حرمت و حلت کے بارے میں حکم صادر فرماتے ہوئے خوب تدبر و تفکر فرمایا کرتے تھے۔ بغیر تحقیق کے ایک عمومی نظریے اور رجحان کے پیش نظر حلال اشیاء پر حرمت کا فتویٰ صادر کرنا آپ کے لئے نہایت گراں تھا۔ حالانکہ ہمارے علماء کرام اس معاملے میں کچھ عجلت پسند واقع ہوئے ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ اس ضمن میں ایک دفعہ کا واقعہ دیکھئے۔ میں اور میرے ایک عزیز غلام رسول صاحب حضرت فقیہ اعظم کے ساتھ بصیرپور جا رہے تھے۔ ہمارے درمیان ٹائی کے مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ غلام رسول کا موقف تھا کہ یہ صلیب کا نشان ہے لہٰذا اسے پہننا ناجائز ہے۔ میرا موقف تھا کہ یہ صلیب کا نشان نہیں ہے موجودہ پھانسی کے پھندے کی صورت شکل تو ہو سکتی ہے' مگر صلیب کی علامت نہیں ہے لہٰذا اس کو ناجائز قرار دینا غلط ہے۔ غلام رسول نے اپنے موقف کی تائید میں بیان کیا کہ ایک مسلمان فاتح نے کسی عیسائی علاقے پر فتح پائی تو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان شکل و صورت کے اعتبار سے حد فاصل قائم کرنے کے لئے عیسائی رعایا پر ٹائی کا پہننا لازم قرار دیا تھا۔ اگر عیسائیت کی علامت نہ ہوتی تو وہ فاتح حکمران ایسا حکم کیوں نافذ کرتے؟--- ادھر میں نے اپنے موقف کے اثبات میں بتایا کہ برطانیہ سے آئے ہوئے اپنے ایک دوست سے میں نے ٹائی کے پس منظر پر سوال کیا تو اس نے بتایا کہ چونکہ یورپین ممالک میں سخت سردی ہوتی ہے اور وہاں کے باشندے اپنی چھاتی کو سردی سے

بچانے کے لئے گلے میں مفرل ڈالا کرتے تھے۔ اس مفرل کو ڈالی جانے والی گرہ رفتہ رفتہ ٹائی کی صورت میں تبدیل ہوتی گئی--- (یاد رہے کہ میں خود ان دنوں ٹائی نہیں پہنا کرتا تھا)----

ہم دونوں پورے سفر میں بحث کرتے کرتے تھک گئے۔ غلام رسول اس کے عدم جواز میں اور میں اس کے اثبات و جواز میں دلائل دیتا رہا۔ لیکن اس دوران میں حضرت فقیہ اعظمؒ بالکل خاموش ہماری بحث سنتے رہے۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ شاید آپ مجھے جھڑک دیں گے کہ تم کیوں انگریزوں کے عمل کی تائید اور اثبات کر رہے ہو۔ کوئی اور عالم دین ہوتے تو یقیناً معتوب ٹھہرتا اور وہ غلام رسول کے نکتہ نظر کے موید ہوتے لیکن حضرت صاحب نے بالکل خاموشی اختیار فرمائی۔ جب ہم بحث مباحثے سے تنگ آگئے تو حضرت فقیہ اعظم سے گذارش کی کہ جناب آپ اس سلسلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ آپ نے چونکہ اس پر خود تحقیق نہیں فرمائی تھی اس لیے اس مسئلے پر کوئی حتمی فیصلہ صادر نہ فرمایا۔ نہ تو میری کھل کر تائید کی اور نہ ہی غلام رسول کے موقف کو رد کیا بلکہ غلام رسول سے صرف اتنا فرمایا کہ آپ مجھے وہ کتاب لا کر دیں جس میں یہ تفصیل موجود ہو کہ کسی مسلمان فاتح نے حد امتیاز قائم کرنے کے لیے عیسائی باشندوں کو ٹائی پہننے کا حکم دیا ہو۔ گویا آپ نے حرمت و حلت کا حکم لگانے کے بجائے اس وقت تک متنازعہ مسئلہ ملتوی کر دیا جب تک مکمل تحقیق و جستجو سے صورت حال واضح نہیں ہو جاتی۔

حضرت فقیہ اعظم کے تحقیقی رویے کا ایک واقعہ اس طرح سامنے آیا کہ مدینہ منورہ میں پرانی وضع کا ایک گنبد نما حمام "حمام طیبہ" کے نام سے معروف تھا۔ حمام کے تصور سے اندیشہ تھا کہ لوگ وہاں شاید برہنہ ہو کر غسل کرتے ہوں گے۔ میں نے سوچا کہ جا کر پتہ لوں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ میں نے دیکھا لوگ وہاں بڑے بڑے اور موٹے تولئے باندھ کر غسل کر رہے تھے۔ پتھر کے بڑے بڑے پیالہ نما ٹب موجود تھے۔ جس میں ٹھنڈا اور گرم پانی

ملا ہوتا اور ایک برتن کی مدد سے پانی نکال کر بدن پر ڈال لیا جاتا۔ مجھے اس بات میں کوئی عیب دکھائی نہ دیا اور غسل کر کے لطف اندوز ہوا۔ واپسی پر میں نے حضرت صاحب کو بھی بتایا کہ وہاں نہانے کا یہ طریقہ کار ہے' آپ نے فرمایا جب تک میں خود جا کر دیکھ نہ لوں' کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور اس طریقے کو موزوں اور موافق شرع قرار دے کر خود بھی غسل فرمایا بلکہ جمعہ کے روز ہم وہیں جا کر نہایا کرتے۔ آپ نے فرمایا جب ستر ڈھکا ہوا ہے تو اس پر برہنگی کا حکم کیوں صادر کیا جائے۔

ابتداء میں سنا کرتا تھا کہ ٹشو پیپر سے طہارت کرنا علما کے نزدیک ناپسندیدہ اور مکروہ ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا کاغذ ہے اور ایک فقہی جزئیہ کی روشنی میں کاغذ کو ایسے استعمال میں لانا مکروہ شمار کیا گیا ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر حضرت فقیہ اعظم سے وضاحت طلب کی چونکہ ٹشو پیپر ابھی زیادہ متعارف نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے فرمایا وہ کاغذ لا کر دکھاؤ۔ میں نے ٹشو پیپر کا رول پیش کیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ٹائلٹ میں استعمال کے لیے یا پھر ناک صاف کرنے یا جسم پر کوئی نجاست وغیرہ لگ جائے تو اس کے ازالے کے لیے بنایا گیا ہے۔ آپ نے دوسرا سوال کیا کہ کیا اس پر لکھا جا سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ معلوم نہیں' لیکن اندازہ ہے کہ اس پر سیاہی پھیل جائے گی۔ آپ نے قلم منگوایا اور خود لکھ کر دیکھا تو واقعی سیاہی پھیل گئی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے سوال کئے اور خوب تحقیق کی اور ہر پہلو سے اس کے بارے میں کرید کی۔ پھر جب آپ کو یقین ہو گیا کہ اس فقہی کلیئے کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا جس میں طہارت کے لیے کاغذ کا استعمال ممنوع ہے تو آپ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی چیز ہے' مجھے بھی لا کر دیں۔ حالانکہ اس سے قبل آپ مٹی کے ڈھیلے سفر میں ساتھ رکھا کرتے تھے۔ پھر آپ ہمیشہ ٹشو پیپر کا رول ساتھ لے جایا کرتے۔ مقصد یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے اور شرعاً" جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں خوب غور و تدبر نہ کر لیتے' حرام یا ممنوع ہونے کا حکم نہ دیتے تھے۔

ایک دفعہ آپ ہمارے گھر تشریف لائے۔ کھانے کا وقت ہوا تو ٹیبل پر کھانا لگایا گیا۔ کچھ اور ساتھی بھی تھے ہم سبھی چمچ کے ساتھ کھیر کھا رہے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ بھی چمچ کے ساتھ تناول فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! ہماری کتنی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی چمچ استعمال فرمایا ہے اور اب ہمارے لیے سہولت بھی پیدا ہو گئی ہے اور سنت ادا کرنے کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ لاہور میں گورنر ہاؤس کے قریب ایک مسجد کے خطیب تھے جن کا نام ڈاکٹر ظفر صاحب تھا، انہوں نے ایک بار دوران خطبہ بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علالت کے دوران میں ایک بار لکڑی کے چمچ سے کچھ نوش فرمایا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑی کا چمچ استعمال فرمایا تھا اور ہم سٹین لیس سٹیل کا استعمال کرتے ہیں مگر سنت کی شکل تو ہے نا!۔۔۔ حضرت فقیہ اعظم نے میری پوری گفتگو اطمینان سے سنی اور اس کے باوجود کہ آپ خود بھی چمچ کے ساتھ نوش فرما رہے تھے اور میری بات آپ کے عمل کی موید تھی۔ اس لیے چاہئے تو یہ تھا کہ آپ ہاں میں ہاں ملا دیتے، یا پھر خاموش رہتے تاکہ حاضرین پر یہی تاثر پیدا ہو کہ یہ عمل سنت میں شامل ہے۔۔۔ مگر آپ نے یہ پسند نہ فرمایا اور کہا کہ میں نے کہیں نہیں پڑھا اور نہ یہ بات میرے مطالعے سے گزری ہے کہ آپ نے کبھی چمچ سے کچھ نوش فرمایا تھا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ مذکورہ ڈاکٹر صاحب سے کہیں کہ مجھے بھی وہ کتاب دکھائیں جس میں یہ بات درج ہو۔ ساتھ فرمایا کہ یہ عمل بطور سنت تو ثابت نہیں مگر جائز اور مباح ہے۔

جیسا کہ پہلے میں نے بتایا ہے کہ مجھے اکثر سوال کرنے کی عادت تھی اور آپ نظر کرم فرماتے ہوئے میری بات کو اطمینان سے سنا کرتے اور نہایت تسلی بخش جواب دیتے۔ اس لیے میں بار بار جسارت کیا کرتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فہم دین کے لیے سوال کرنے والے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اگر مجھے ایک آدھ مرتبہ جھڑک دیتے یا

ناراضگی کا اظہار کرتے تو مجھے سوالات کرنے کی جرات کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ ہر معاملے میں کریم تھے، نوازنا اور نوازتے چلے جانا ان کا خاصہ تھا۔ ہاں تو ایک بار میں نے ذاتی قسم کا سوال کر دیا کہ حضور! آپ نے یہ جو (تریزوں والا) کرتا پہن رکھا ہے، کیا یہ سنت کے مطابق ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں! تھوڑا سا فرق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قمیض مبارک عموماً" پہنا کرتے تھے، وہ اس سے کچھ مختلف قسم کی تھی۔ اب میں حیران تھا کہ علماء کرام عموماً" ایسا ہی کرتہ پہنتے ہیں اور لوگوں کو یہی تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ سنت مصطفوی (علیہ التحیۃ والتسلیم) کی اتباع میں ہے۔ لیکن آپ نے اپنے عمل کو سنت ثابت کرنے کے لیے اس قسم کا تاثر نہیں دیا بلکہ حق بات کا اعلان فرمایا اگرچہ اس سے ذاتی عمل کے حسن کا پہلو نہیں نکلتا تھا۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ یوں بھی ہوا کہ آپ سفر میں وضو کے لیے عموماً" لوٹا رکھا کرتے تھے اور مجھے لوٹے سے وضو کرنا بڑا دشوار ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک چلو میں پانی لیں اور پھر دوسرے میں ڈالنا چاہیں تو پہلے چلو والا پانی بہہ جاتا ہے اور اس طرح عجیب طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے میں نے پوچھ لیا "کیا لوٹے سے وضو کرنا طریق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور یہ سنت پاک ہے؟ میرا خیال تھا کہ آپ نے اسے سنت قرار دیا تو پھر بہر صورت اسی پر عمل کروں گا خواہ اس میں دشواری ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل لوٹا استعمال نہیں فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکڑی کا پیالہ اونچی جگہ پر رکھا کرتے تھے۔ اور اس سے ڈائریکٹ پانی لے کر وضو فرمایا کرتے تھے۔ اب دیکھئے کہ علماء کرام خصوصاً تبلیغی جماعت والے لوٹے کے استعمال کو ہی سنت قرار دیتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب نے اصل مسئلہ واضح کر دیا ہے اور اپنے عمل کی تائید کے لیے اسے سنت قرار نہیں دیا۔ میں نے تجربہ کیا کہ پیالے سے وضو کرنا نہایت آسان ہے اور اس سہولت کا پتہ حضرت صاحب نے بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی ہزاروں رحمتیں

نازل فرمائے۔

عالم باعمل

ہو سکتا ہے کہ لوگ سنی سنائی بات کریں، مگر میں ذاتی مشاہدے سے کہتا ہوں کہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے علم پر خود بھی عمل پیرا تھے۔ مسائل بتاتے ہی نہیں تھے، انہیں اپنی ذات پر وارد کر کے دکھاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ نماز کا وقت ہو جاتا تو ایک طرح کی بے کلی سی پیدا ہو جاتی اور جب تک نماز ادا نہ فرما لیتے، تب تک انہیں قرار اور سکون نہیں ملتا تھا۔ جب تک سکت رہی کھڑے ہو کر ہی نماز ادا فرماتے رہے، خواہ اپنے خادم کے سہارے کھڑے ہو کر قیام کرنا پڑا یا دیوار وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر۔ ریل گاڑی میں بھی کھڑے ہو کر ادا فرمائی اور ہوائی جہاز میں بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ نماز کو باجماعت ادا کرنے کا اہتمام بھی لازم رہا۔ خادم کے ساتھ ہونے کا فائدہ رہا کہ جماعت کے لیے اور افراد دستیاب نہ ہوتے تو خادم کو ساتھ ملا کر جماعت فرما لیتے۔ ہمارے گھر تشریف لاتے تو مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے یا پھر گھر میں جماعت کرواتے۔ کئی مسائل پر دوسروں کے لیے رخصت کا فتویٰ دیتے اور خود عزیمت کا راستہ اختیار فرماتے۔ ورع و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ گھڑی میں دھات کا چین استعمال کرنے پر آپ کا فتویٰ جواز پر ہے۔ مگر خود بہت کم ایسا چین پہنتے بلکہ زیادہ تر چمڑے یا ریکسین وغیرہ کا چین ہی استعمال فرماتے۔

حج کے موقع پر جب کبھی ہم سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی جس پر دم ادا کرنا واجب ہوتا تو ہمیں بتا دیتے اور اس کی ادائیگی کا حکم دیتے لیکن خود کو ان مسائل سے مبرا خیال نہ کرتے بلکہ اپنی ذات پر بھی نافذ کیا کرتے۔ چنانچہ ایک بار ہم نے عمرہ کیا اور حدود حرم میں بال کٹانا ضروری تھا۔ بے خیالی میں ہم حدود حرم سے نکل گئے۔ تو حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ شاید مجھ پر دم واجب ہو گیا ہے۔ چنانچہ کتابوں کے مطالعہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ دم دینا پڑے گا اور پھر اپنے مرید حاجی خوشی محمد نوری کو حکم دیا کہ وہ جانور خرید کر میری

طرف سے حدود حرم میں جانور ذبح کر دیں۔

اسی طرح حالت احرام میں ایک بار مرزا محمد ایوب صاحب کے ہاں قیام تھا۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ لیٹے ہوئے تھے اور جس فوم کے تکیے پر سر رکھا ہوا تھا وہ بہت نرم تھا۔ اس قدر نرم کہ اس میں دھنس جانے کی وجہ سے آپ کا آدھا سر مبارک چھپ گیا تھا۔ میں نے توجہ دلاتے ہوئے عرض کیا "حضور! آپ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ احرام کی حالت میں سر کھلا رکھنا ضروری ہے، لیکن اس وقت آپ کا سر بھی آدھا ڈھکا ہوا ہے۔ آپ نے فوراً وہ تکیہ اٹھا کر دوسری طرف ڈال دیا اور مسئلے پر عمل کرنے کے لیے اپنی سہولت اور آرام کا خیال نہ کیا یا کسی قسم کے جواز کی سبیل نہ نکالی۔

پھر جب کبھی کسی بات پر عمل کرنے سے کوئی چوک واقع ہو جاتی تو بعد میں سخت پشیمان ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہم سے کسی آدمی نے لوٹا طلب کیا۔ اس وقت ہمیں بھی اس کی ضرورت تھی، اس لیے انکار کر دیا لیکن تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کپڑے پر کوئی نجاست لگ گئی۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم نے اس آدمی کو لوٹا دینے سے انکار کر دیا تھا، شاید اس وجہ سے ہمیں یہ تکلیف پہنچی ہے اور بہت دیر تک پریشان رہے کہ ہم نے اس کے ساتھ تعاون کیوں نہ کیا۔ آپ کے اتقاء اور ورع کی ایک عمدہ مثال دارالعلوم کے فنڈز کے متعلق آپ کا محتاط رویہ تھا۔ کرتے کے نیچے آپ کی اندرونی صدری کی دو جیبیں تھیں۔ دائیں طرف کی جیب میں دارالعلوم کی رقم رکھتے اور بائیں طرف والی جیب ذاتی اخراجات کی رقم کے لیے مختص کر رکھی تھی۔۔۔ جب کوئی رقم پیش کرتا تو فوری طور پر استفسار کر لیتے کہ اس کا کیا مصرف ہے؟ ایک بار مدینہ طیبہ میں کچھ لوگوں نے دارالعلوم کی خدمت کے لیے ریال پیش کیے۔ آپ نے دائیں طرف کی جیب میں ڈال لیے۔ میرے پاس غالباً پانچ سو یا ہزار ریال کا نوٹ تھا اور مجھے چینج درکار تھا۔ میں نے آپ سے اس سلسلے میں گذارش کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ دارالعلوم کی رقم ہے، اس سے چینج نہیں دیا

جا سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ رقم ریال کی صورت میں ہے، جسے پاکستان میں واپس لے جانا تو ممکن نہیں ہے۔ فرمایا، جب ایئرپورٹ پر واپس جانے لگیں گے اور چینج کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا، تب آپ بھی چینج لے سکیں گے۔ یعنی دارالعلوم کے فنڈز میں کسی قسم کی دخل اندازی برداشت نہیں تھی۔

دارلعلوم کے فنڈز کے متعلق آپ بہت حساس تھے، ذاتی رقم کو بھی دارالعلوم پر قربان کردیتے، وہ عطیات اور تحائف جو آپ کی ذاتی ضروریات کے لئے پیش کئے جاتے، ان سے اسی قدر رقم رکھتے جس سے لوازم زندگی پورے ہو جاتے باقی دارالعلوم کے خزانے میں جمع فرمادیتے۔۔۔۔ اس سلسلے میں مجھے ذاتی مشاہدہ ہوا۔۔۔ ایک بار پاک پتن شریف میں ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے پوچھا یہ کس لئے ہے؟ عرض کیا، یہ آپ کا نذرانہ ہے، چند دنوں بعد مجھے لاہور گھر کے پتہ پر آٹھ صد روپے کی رسید ملی، اس طرح آپ نے میری وضاحت کے باوجود ہزار میں سے دو سو روپے اپنی ذاتی ضرورت کے لئے رکھے باقی آٹھ سو روپے دارالعلوم کے فنڈ میں جمع کردیئے۔

محافظ شریعت

شریعت کے قطعی احکام میں دخل اندازی، لچک یا نرمی گوارا نہیں فرماتے تھے، تحقیق و جستجو کے بعد جس نتیجے پر پہنچ جاتے اس پر جمے رہنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ خواہ آپ کے اس موقف کے مقابل کتنی بڑی قوت و طاقت موجود ہوتی۔ کئی مسائل پر آپ نے علماء سے مختلف نظریہ اپنایا اور اسے حکم شرعی سمجھ کر آخری دم تک محافظت فرمائی اور لچک برداشت نہیں کی۔

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ چونکہ قربانی کے لیے چھترے کی عمر سال ہی ضروری قرار دیتے تھے اور چھ ماہ کا چھترا خلاف شرع گردانتے تھے، اس لیے ایک مرتبہ میں نے عرض کیا "حضور بہت سے علماء اور عوام اس بات کے قائل ہیں کہ چھ ماہ کا چھترا قربانی کے لیے

جائز ہے اور بہار شریعت میں بھی یہ مسئلہ اس طرح مندرج ہے۔ عام لوگ چونکہ چھترا ہی قربان کرتے ہیں اور یہاں دنبہ ذبح کرنے کا رواج کم ہی ہے تو آپ بھی چھ ماہ کے چھترے کے لیے جواز کا فتوی دے دیں تاکہ بہت سے غریب لوگوں کا بھلا ہو جائے۔" آپ نے فرمایا "میں کیا کر سکتا ہوں، جب حدیث میں پاک جس جانور کے لیے چھ ماہ کی اجازت دی گئی ہے، وہ دنبہ ہے، اس لیے اس سلسلے میں مجبور ہوں اور اپنے فتوے کو تبدیل کرکے حکم شرعی کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔

عزم واستقامت اور بے خوفی

۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے قائدانہ حیثیت سے حصہ لیا تھا اور اپنے علاقے کی بھرپور اور مجاہدانہ نمائندگی فرمائی تھی۔ حکومت کے جبر و تشدد کے سامنے آہنی دیوار بنے رہے۔ ان دنوں میں آپ نے اپنی مسند تدریس کو بھی رونق بخشی۔ محراب و منبر سے نکل کر سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے رہے اور حکومت کی غیر اسلامی حرکتوں پر بھرپور احتجاج کیا اور علاقے کے جاگیردارانہ انداز سیاست پر کاری ضرب لگائی۔

جب آپ نے گرفتاری دی تو انتظامیہ آپ کو دیپالپور لے آئی۔ وہاں میں نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ جب میں تھانے میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ ایک چارپائی پر تشریف فرما ہیں اور عملے کا ایک آدمی آپ کو پنکھا کر رہا ہے نیز آپ کی نہایت تکریم کی جارہی ہے۔ وہاں پر اے سی رانا محمد رفیق میرے قریبی دوستوں میں سے تھا۔ میں اسے ملا تو اس نے کہا، حضرت صاحب نے خود ہی گرفتاری پیش کی ہے، ہماری یہ جرات نہیں کہ ہم آپ کو گرفتار کریں یا کسی تکلیف سے دوچار کریں۔ اگر آپ فرمائیں تو ابھی ہم واپس بصیرپور چھوڑ آتے ہیں اور اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو پھر میری کوٹھی میں تشریف لے چلیں، میں ان کی تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا، میں نے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں گذارش کی تو

آپ نے فرمایا "میں بالکل رہا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے خود گرفتاری دی ہے۔ اے سی غلط کہہ رہا ہے، وہ حکومت اور انتظامیہ کا آدمی ہے"۔ میں نے کہا، پھر آپ کوٹھی پر تشریف لے چلیں، وہاں آرام رہے گا، آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا اور بڑے سخت لہجے میں فرمایا۔ "مجھے اس کی کوٹھی بھی قبول نہیں، اور اسی جگہ پر باقی لوگوں کے ساتھ رہنا ہی مجھے پسند ہے۔" میں نے اے سی سے آپ کے اس عزم کا ذکر کیا تو اس نے کہا، اگر آپ جیل میں ہی جانا پسند فرماتے ہیں تو پولیس کی عام گاڑی (وین) کے بجائے میں خود اپنی کار میں بٹھا کر ساہیوال جیل میں چھوڑ آتا ہوں۔ آپ نے اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا "یا تو ہم جیل لے جانے والی معمولی گاڑی میں بیٹھ کر جائیں گے یا پھر اپنی کار میں"۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق میں اپنی کار میں لے کر ساہیوال روانہ ہوا۔

جیل کا ماحول خواہ جس قدر بھی آزادانہ ہو تمام سہولتیں میسر ہوں، پھر بھی وہ قید و بند کی زندگی ہے اور جیل کے عملے اور انتظامیہ کے ہاتھوں میں انسان بے بس اور مجبور ہو کر رہ جاتا ہے۔ خواہ وہ تشدد کریں، ستائیں یا تکلیف پہنچائیں۔ انسان کی آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ غرض کہ ہر صورت میں وہ جگہ پریشان کن اور عمومی زندگی کی نسبت تکلیف دہ ہے لیکن اسے آپ کی استقامت کہیں یا بے نیازی و بے خوفی کہ دیپالپور سے بمشکل پانچ سات میل کا سفر طے کیا ہوگا کہ حضرت صاحب قبلہ کو نیند آگئی اور اس طرح گہری نیند سوئے کہ پورے راستے آپ بیدار نہیں ہوئے۔ بالکل جیل کے دروازے پر پہنچ کر میں نے آواز دے کر اور ہاتھ سے ہلا کر آپ کو بیدار کیا اور بتایا کہ حضور ہم جیل کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں۔ وہاں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے مریدین، تلامذہ اور متوسلین کھڑے تھے۔ آپ کا بہت زبردست استقبال ہوا۔ بہت نعرے بازی ہوئی اور ہاروں سے لاد دئے گئے۔ چنانچہ بڑے استقلال کے ساتھ آپ جیل میں داخل ہوئے۔

میں نے لاہور سیکرٹریٹ سے ایک آدمی کو سفارشی بنایا تاکہ سنٹرل جیل ساہیوال کے

سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ کچھ راہ و رسم پیدا ہو اور ملاقات کرنے میں آسانی رہے۔ چنانچہ جب ہم سپرنٹنڈنٹ کی کوٹھی پر پہنچے تو اس نے کہا "اس کام کے لئے اتنی بڑی سفارش کی کیا ضرورت تھی۔ ہماری ساری عمر چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور بدمعاشوں کے ساتھ گزری ہے اور آج ہماری خوش قسمتی سے ایک سبب پیدا ہو گیا ہے کہ یہ بزرگ ہمارے پاس تشریف لائے ہیں۔ ہم تو جا کر روزانہ ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں ان کی زیارت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے لیے قابل صد احترام ہیں اور ہم ان کے خادم ہیں"---- آپ جب چاہیں، ملاقات کے لیے آجایا کریں۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات کرنے میں قوانین اور اوقات وغیرہ کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔

عزم و استقلال کا دوسرا مظاہرہ اس وقت دیکھنے کو ملا، جب آپ کو اپنے جواں سال صاحبزادے حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری کے وصال کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں حاضری کے لیے موجود تھے۔ میں اور حافظ منظور حسین نوری صاحب ساتھ تھے۔ اطلاع ملنے پر آپ نے کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ نہایت استقلال اور عزیمت کے ساتھ واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ بہر صورت یہ پریشان کن معاملہ تھا۔ مگر آپ کے چہرے پر کامل اطمینان اور آسودگی کے آثار تھے اور اضطراب یا گھبراہٹ بالکل مفقود تھی۔ مجھے آپ نے وہیں ٹھہرنے کی اجازت دی اور حافظ منظور حسین کو ساتھ لے کر واپس تشریف لے آئے۔

چند عادات و خصائل

آپ کو طلباء کرام سے بے حد محبت تھی۔ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مہمان سمجھتے اور ان کے آرام و آسائش اور ضروریات کا بے حد خیال رکھتے۔ مدینہ طیبہ میں طلباء کے لیے دعائیں کرنا معمول رہا اور اپنے خطوط میں بالالتزام سلام و دعا بھجوایا کرتے۔ ایک مرتبہ ویزے کے سلسلے میں ہم راولپنڈی سے واپس آرہے تھے۔ طالب علم بھی ساتھ

تھے۔ کار میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی اور میں نے طلباء سے کہا "کچھ دھکا لگانا پڑے گا۔" آپ نے سختی سے منع فرمادیا کہ طلباء کو میں نے اس لیے نہیں رکھا ہوا کہ وہ گاڑیوں کو دھکے لگاتے پھریں۔" چنانچہ ان سے یہ خدمت لینے سے بالکل منع فرمادیا۔ خصوصاً" اپنے خادم طلباء کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کیا کرتے تھے۔ جو سہولت اور آسانی انہیں خود میسر ہوتی، انہیں بھی فراہم کرتے بلکہ اپنی ذات سے بھی بڑھ کر ان کا آرام مطلوب ہوتا۔

آپ کو جب کبھی کبھی جلال آجاتا تو اظہار ناراضگی کا انداز بھی انوکھا ہوتا۔ ایسے وقت میں عام طور پر ایک دو جملوں کو بار بار دہرایا کرتے اور جلد ہی جلالی کیفیت جمال میں بدل جاتی۔

کھانے میں آپ کو میٹھا زیادہ مرغوب تھا۔ سبزیوں میں کدو کا سالن بڑے خوش ہو کر کھایا کرتے۔ مدینہ شریف میں زیادہ تر کدو کا سالن پکایا جاتا اور نہایت لذت کے ساتھ تناول فرماتے۔

آپ بہت بڑے متوکل علی اللہ تھے اور اپنے تمام تر معاملات میں اللہ پر بھروسا رکھتے۔ حالات موافق ہوں یا مخالف اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی رحمت اور اس کے کرم سے وابستہ رہتے۔ لیکن توکل علی اللہ کے ساتھ تدبیر بھی مدنظر رکھتے۔ میرا بوتل پینے والے پائپوں (سٹرا) کا کارخانہ تھا یہ کاروبار جب بند ہو گیا اور ابھی کوئی کاروبار نہیں شروع کیا تھا۔ آپ مجھے بار بار فرماتے تھے کہ کوئی کام شروع کرو، حرکت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کم ہی توجہ کرتی ہے۔ اس کی آپ نے ایک مثال دیتے ہوئے وہ معروف واقعہ سنایا کہ ایک غزوہ میں جب پانی ختم ہو چکا تھا اور لشکر اسلام سخت مشکل میں تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ پیش کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے اس میں دست اقدس رکھا اور آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہو گیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو پیالے کے بغیر کسی اور صورت میں پانی کا جاری کرنا ممکن تھا آپ کے عمل سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے

کے لیے کسی وسیلے سے منسلک ہونا بہت ضروری ہے۔ اس لیے فرماتے کوئی کام شروع ضرور کرو، خواہ صرف کوشش ہی کرتے رہو۔

دار العلوم کے چندے اور فنڈ کے متعلق آپ کبھی متفکر نہیں ہوا کرتے تھے۔ ہمارے پاس بڑے بڑے امراء، روسا اور صاحب ثروت لوگ آیا کرتے۔ مگر آپ کبھی اشارۃً بھی دار العلوم کی خدمت پر نہیں اکساتے تھے۔ حالانکہ دار العلوم کی ترقی آپ کا مشن تھا۔ ہاں خود بخود رقم پیش کی جاتی تو وصول کرتے اور دار العلوم کے لیے زر تعاون موصول ہونے پر خوشی ہوتی۔

مشاہدات و تاثرات

علامہ احمد علی قصوری

سیدی و مولائی حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ، و رفع اللہ درجاتہ کی جامع الصفات شخصیت کے بہت سے گوشے ایسے ہیں کہ جن پر تفصیلی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ تاہم اس وقت میں جو بات چیت کر رہا ہوں اس میں شائد کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہ رہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ چند بکھری یادیں ہوں گی، جنہیں بکھرے ہوئے انداز میں ہی پیش کردوں گا۔

اپنی شعوری زندگی میں میرا مختلف علماء سے مختلف حوالوں سے واسطہ رہا ہے۔ علماء میرے اساتذہ میں بھی شامل ہیں، مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے ہمعصر دوست احباب بھی ہیں اور رفقاء کار بھی۔ گویا ہمعصر اور ہم سفر ہونے کے ناطے کثیر تعداد میں علماء کو دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا ہے، حصول علم کے لئے متعدد اکابر سے اکتساب فیض کیا ہے تو دوسری طرف نامور قائدین کی قیادت و رفاقت میں کام بھی کیا ہے۔ پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت فقیہ اعظیم بہت سے معاملات میں علماء سے مختلف تھے۔ سب سے پہلے علمی حوالے سے جائزہ لیں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ دور زوال ہے اور اس میں علمی اعتبار سے جامعیت اور ہمہ گیریت کی حامل شخصیات خال خال نظر آتی ہیں۔ یہ بونوں کا دور ہے علمی گہرائی اور گیرائی عنقا ہوتی جارہی ہے۔ فقیہ اعظم کی حیثیت پورے چمنستان میں اپنے بلند قامت کی بناء پر نمایاں ترین نظر آنے والے ان چند درختوں میں سے ایک ایسے شجر کی ہے جو سایہ دار اور ثمربار

ہونے کی بناء پر اپنی قدر و قیمت اور افادیت سب سے منوا لیتا ہے۔ ہمارا زمانہ سپیشلائزیشن کا دور کہلاتا ہے۔ جس طرح کوئی زمانہ تھا کہ علم الابدان والطب کے کسی ماہر کے پاس مریض سر سے لے کر پاؤں تک کسی بھی عضو کی کوئی شکایت لے کر آتا تو وہ طبیب نبض اور قارورہ دیکھ پرکھ کر مرض کی صحیح تشخیص کے ساتھ ساتھ اس کا ٹھیک ٹھیک علاج بھی کر دیتا تھا۔ اب انسانی جسم کی مختلف رطوبتوں اور مادوں کے تجزیئے کے لئے ٹیسٹ لیبارٹریز الگ ہیں اور ناک' کان' گلے' پیٹ' دل اور دماغ وغیرہم کے معالجین بھی الگ الگ ہیں۔ حضرت فقیہ اعظیم قدس سرہ' العزیز علوم دینیہ کے میدان میں جامعیت کے حامل تھے۔ وہ تفسیر' حدیث و اصول حدیث' فقہ اور اصول فقہ' اسماء الرجال' معانی' بلاغت' منطق' فلسفہ' تصوف' عروض' صرف' نحو اور مخصوص اصطلاحی الفاظ میں یہ کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں اجتہادی حد تک مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان علوم میں سے انہوں نے جس میدان کا رخ کیا۔ وہ ایسے شہوار نظر آئے کہ جسے اپنی سواری پر مکمل گرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی تمام حرکات و سکنات اور رفتار پر ایسا کنٹرول ہوتا ہے کہ سواری اس کی منشاء اور اشارے کے بغیر دائیں بائیں کہیں حرکت نہیں کر سکتی۔ اپنی تدریسی زندگی میں انہوں نے علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں طرح کی کتب شاندار طریقے سے پڑھائی ہیں۔ نظام الاوقات اور تقسیم اسباق کے مطابق اگرچہ انہوں نے فلسفہ و منطق کی تدریس کسی سال یا کئی سال اپنے پاس نہیں رکھی اور متعلقہ کتب براہ راست زیر مطالعہ نہ رہنے کے باوجود جب کبھی اساتذہ اور طلبہ کے لئے کوئی دقیق مرحلہ اور کتابی الجھن آئی تو آپ اسے چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے۔ مدرسین اور اساتذہ کی بالعموم یہی کیفیت اور پریکٹس ہوتی ہے کہ جو کتب اور علوم ان کی تدریس میں شامل نہ ہوں وہ ان کے تحت الشعور میں کہیں جا کر دب جاتے ہیں اگر کسی شخص نے منطق اور فلسفے میں مہارت پیدا کرلی ہے تو اسے کتب فقہ و حدیث اور ان کے مسائل میں گرفت اور چابکدستی حاصل نہیں رہتی۔ اس طرح علماء مختلف شعبوں تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن قبلہ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا معاملہ ایسا

نہیں تھا۔ اس عمومی کیفیت کے بالکل برعکس وہ متروکہ اور زیر تدریس کتب و علوم پر مکمل گرفت اور استحضار کے حامل تھے۔

علمی جامعیت کے حوالے سے قبلہ گاہم کا دوسرا امتیازی وصف قدیم علوم میں مکمل عبور کے ساتھ ساتھ جدید مشینی اور سائنسی دور میں پیدا شدہ مسائل اور الجھنوں کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل نکالنا ہے۔ قدیم اصول و ضوابط کی پابندی' ائمہ احناف کے باعمل مقلد اور اسلاف کے سختی کے ساتھ مودب و نیاز مند ہونے کے باوجود بوقت ضرورت دیانت اور اجتہادی بصیرت کے ساتھ اختلاف رائے کی راہ اختیار فرماتے اور کورانہ تقلید جامد پر علماً" و عملاً ضرب لگا دیتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں علماء ہیں جو صرف درس نظامی پڑھ کر سند فراغت اور دستار فضیلت پر اکتفا کر لیتے ہیں اور بعد ازاں اپنی عملی' تبلیغی اور تدریسی زندگی میں بھی قدیم کتب اور ان کی شروح و حواشی کے مطالعے تک اپنے آپ کو پابند و محدود رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو قدیم علوم و فنون انہوں نے حاصل کئے ہیں انہیں من و عن اپنے تلامذہ کے سینوں میں منتقل کرنا ہی ان کا فریضہ و کمال ہے۔ اس طرز عمل اور طریق کار کے ٹھوس' بنیادی اور محدود فوائد اپنی جگہ درست سہی لیکن اس کے نقصانات میں سے ایک بڑا خسارہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے کٹ کر متحرک اور رواں دواں زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ خاص طور پر جدید دور کے پیچیدہ مسائل کا حل پیش کرنے سے نہ صرف قاصر رہ جاتے ہیں بلکہ سوسائٹی اور معاشرے میں اپنا وقار بھی قائم نہیں رکھ سکتے۔ حضرت فقیہ اعظیم اعلی اللہ مقامہ کا ایک حیران کن وصف یہ ہے کہ انہوں نے کالج اور یونیورسٹی کا راستہ نہیں دیکھا۔ شہری زندگی سے ہٹ کر دور دراز ایک دیہات نما قصبے میں ڈیرہ جمایا' جہاں جدید زندگی کی خاص سہولتیں تو کجا بجلی جیسی عام آسانی بھی میسر نہیں تھی جدید علوم سے آگاہی کے اسباب و وسائل بھی مہیا نہیں تھے' لیکن جب ان کے پاس ایسے استفتاء اور استفسار پہنچے جن کا ٹیکنیکل سائنسی امور سے براہ راست تعلق تھا' تو انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا اور جب بھی کبھی ایسے

مسائل کے متعلق قلم اٹھایا یا زبان کھولی تو پھر ایسے ہی معلوم ہوا کہ وہ سارے گوشوں سے مکمل طور پر آگاہ ہیں۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

ان بکھری بکھری یادوں کی میرے ذہن میں جو کرنیں نمودار ہو رہی ہیں، ان میں علم کے ساتھ ساتھ آپ کے عمل کا پہلو بڑا تابناک اور بے مثال حد تک روشن ہے۔ یہ ایک بہت بڑا حقیقت پر مبنی المیہ ہے کہ علماء کی صفوں میں بالعموم ان کے عمل کا پہلو بڑا کمزور ہے۔ ہماری عملی کیفیت اور کردار کی حالت سطحی، سرسری یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لیجئے کہ بمشکل گذارے کی حد تک پہنچتی ہے۔ اس سے آگے جو تقویٰ اور ورع کا مقام ہے وہ کہیں کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے الا ماشاء اللہ۔ میرے اور آپ کے مربی و ممدوح حضرت فقیہ اعظم .فضلہ و کرمہ تعالیٰ تقویٰ اور ورع کی نچلی یا درمیانی سیڑھیوں پر نہیں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دور زوال میں بہت بلند اور اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ مجھے اپنی طالب علمی کی زندگی سے لے کر شعوری اور عملی زندگی میں اب تک جن علماء سے مجالست، رفاقت یا ہم سفری کا تعلق رہا ہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں (نام لئے بغیر عرض کر رہا ہوں) کہ جن کا نہ عمل حجت ہے نہ قول۔ ثانیاً" وہ ہیں کہ جن کا قول تو کسی حد تک حجت ہے لیکن عمل بالکل ہی نہیں لیکن فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ بلا مبالغہ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کا قول اور عمل دونوں صرف میرے لئے ہی حجت نہیں بلکہ دیگر بہت سے اصاغر و اکابر بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

میں اپنے مشاہدے کی بناء پر ان کی عظمت کردار کا ایک اور پہلو بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معروف ارشاد ہے کہ برائی کو قوت بازو سے روکو، اگر اس کی سکت نہیں رکھتے تو زبان سے روکو، اور اگر یہ بھی نہیں تو دل سے ضرور برا جانو۔ یعنی برائی سے کسی بھی حال میں صلح نہیں ہونی چاہئے۔ میں نے اس حدیث مبارکہ کا اپنی زندگی میں چلتا پھرتا مصداق اگر دیکھا ہے تو وہ حضرت فقیہ اعظم کی صورت میں دیکھا ہے۔ انہوں نے اللہ و رسول (جل جلالہ، و صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کے خلاف، شریعت کی منشا اور تقویٰ کے

تقاضوں کے خلاف جب بھی کوئی بات دیکھی تو کسی نہ کسی سطح کے رد عمل کا اظہار ضرور کیا۔ بلکہ مذکورہ حدیث پاک میں بندہ مومن اور غیور امتی سے مطلوبہ ترتیب کے مطابق اظہار کیا۔ مطلوبہ ترتیب سے میری مراد یہ ہے کہ آپ نے جب کبھی برائی دیکھی اور آپ کے پاس اسے بالجبر روکنے کی طاقت تھی تو آپ نے ایک ذرہ برابر رعائت نہیں کی یعنی آپ نے اسے واقعتاً بالقوہ روکا۔ آگے اختیار کی بات الگ ہے کہ کسی شخص کو اختیار بالید کتنا ہے۔ باندازِ دگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اس ملک کے تمام اختیارات اور قوت نافذہ حضرت فقیہ اعظم کے ظاہری ہاتھوں میں ہوتی تو وہ پاکستان میں بدی کی قوتوں اور اشجار خبیثہ کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتے اور برائی کو فنا کر دینے کے لئے اپنا اختیار استعمال کرنے سے قطعی گریز نہ کرتے۔ جہاں اور جتنا اختیار انہیں حاصل تھا۔ میں نے بارہا دیکھا کہ طلباء، مسائل پوچھنے کے لئے آنے والے عام شہریوں، علاقے کے زمینداروں، جاگیرداروں یا حکومتی منصبداروں میں سے کسی نے اپنی گفتگو میں غفلت یا لاعلمی کی بناء پر شرعی تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا تو اسے حکیمانہ انداز میں توجہ دلا دیتے کہ میاں یہ تمہاری بے خبری ہے، مسئلہ ایسے نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص کے متعلق یہ اندازہ ہو جاتا کہ وہ جان بوجھ کر شریعت کی منشاء سے ہٹ کر دائیں بائیں نکلنے کی کوشش کر رہا ہے یا آئیں بائیں شائیں کر رہا ہے تو پھر آپ کا رد عمل بڑا جلالی ہوتا تھا۔ ایسے مراحل پر ان کا چہرۂ تاباں ایک ایسا آئینہ نظر آتا تھا کہ جس پر نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا تھا کہ اس نادان کی سوچ کے انداز سے حضرت پر کیا رد عمل ہو رہا ہے بلکہ اس کا برملا اظہار فرما دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جہاں وہ زور استعمال کر سکتے تھے تو ضرور کرتے تھے۔ وگرنہ سخت تہذیبی الفاظ میں ٹوک دیتے تھے۔ اگر کوئی بات بہت زیادہ خلاف شریعت نہ ہوتی اور آپ رعائت کی قدرے گنجائش پا کر کسی مصلحت کی بناء پر یا خلاف حکمت جانتے ہوئے سخت الفاظ کے ذریعے نہ بھی ٹوکتے تو ان کے چہرے کے اثرات مخاطب کو بڑے واضح انداز میں جتا اور بتا دیتے تھے کہ تمہاری بات اور طرز عمل بڑا غلط اور ناپسندیدہ ہے۔ میں اس ضمن میں یہ موازنہ کرنا چاہتا ہوں

کہ بالعموم ہم مسلمانوں، بلکہ علماء کا بھی (الاماشاء اللہ) یہ وطیرہ ہے کہ ہماری ذات پر کوئی تنقید کرے یا بات ہماری طبع اور خواہش کے خلاف جائے تو ہم سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہماری دینی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار اور شرعی احکام کا مذاق اڑایا جائے، پھبتیاں کسی جائیں تو ہم لوگ کانوں میں روئی ٹھونس لینے اور منقار زیر پر رہنے میں ہی عافیت جانتے ہیں جب کہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ طرز عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم فداہ امی وابی کے اسوہ حسنہ کے بالکل برعکس ہے۔ استاذی المکرم حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اس کمزوری سے کوسوں دور تھے۔ اسلام کے واضح اوامرو نواہی کا تو ذکر ہی کیا وہ تو نفلی اور استحبابی امور کی خلاف ورزی پر بھی بے چینی اور اضطراب کا اظہار فرمادیتے تھے۔

میں جب اپنی عمر رفتہ کو آواز دیتا ہوں اور ان لمحات کو یاد کرتا ہوں جو حصول علم اور اکتساب فیض کے لئے اس عالم باعمل اور ولی کامل کی صحبت میں گذرے ہیں تو بہت سے مناظر نگاہوں میں آتے ہیں۔

ان کے جلالی رنگ کے ساتھ ساتھ ان کی جمالی کیفیات بھی یاد آتی ہیں۔ میں نے انہیں رقت اور سوز وگداز کے عالم میں بھی دیکھا ہے۔ کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں سن کر ان کا تڑپنا، پھڑکنا، سسکیاں لے لے کر زار وقطار رونا اور وجدانی کیفیات میں مبتلا ہو کر بے اختیار آہ وبکا کرنا اور ہچکیاں لینا بھی یاد آتا ہے۔ تہجد واشراق تک کی نفلی عبادتوں کی پابندی کے ساتھ ادائیگی، وظائف پر مداومت اور حضر تو کیا سفر میں چلتی ریل کے ڈبے میں بھی نوافل تک کھڑے ہو کر ادا کرنے کے بے شمار نظارے میری نگاہوں میں ہیں۔ بڑے خوشگوار ماحول میں ان کی وہ ہشاش بشاش کیفیتیں بھی یاد آتی ہیں کہ جب وہ ایک کھلا ہوا گلزار نظر آتے تھے۔ ان مشاہدات میں میری کوئی انفرادیت نہیں ہے۔ یقیناً لازماً میرے سینکڑوں ہزاروں استاذ بھائی ان نظاروں کے شاہد گواہ ہیں۔

طلباء کی ذہنی، عملی اور روحانی تربیت کے حوالے سے بھی بہت سے امور قابل ذکر ہیں۔ جب کسی طالب علم میں ذہانت، محنت اور ذوق عبادت وغیرہ کے آثار نظر آتے تو انفرادی توجہ اور خصوصی شفقت سے حوصلہ افزائی فرماتے۔ اگر کسی طالب علم کے متعلق انہیں یہ اندازہ ہو جاتا کہ وہ آگے چل کر دین کی بہتر طور پر خدمت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ان کی پوری کوشش اور خواہش یہ ہوتی تھی کہ اس نگینے کی تراش خراش کر کے اسے ایسا گوہر آبدار بنا دیا جائے جو اپنی نورانیت آگے معاشرے میں جا کر بکھیرے اور ماحول کی تاریکیوں کو دور کرے۔

سیدی فقیہ اعظم

مفتی ابوالافضل محمد اجمل

جامع کمالات

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کمالات کا وہ مرقع زریں اور گلدستہ عنبریں ہیں کہ جن کے فضائل و مناقب تحریر کرنے کے لئے دم بخود ہوں۔ آپ جامع معقول و منقول اور ماہر فنون و علوم تھے۔ صرف لسان و بیان تک ہی آپکا علم محدود نہ تھا بلکہ آپ عالم ربانی' کامل الاخلاص ہونے کے ساتھ تزکیہ باطنی اور کرامت و استقامت کے میدان میں بھی شہسوار و سباق غایات تھے۔ اگر آپ کو طالع برج ہدایت یا نیر فلک فقاہت کہا جائے تو روا اور محیط دائرہ علم و عرفاں یا مرکز قطب تسلیم و رضا کہا جائے تو بجا۔ آپ کا معدن اسرار شریعت اور کامل شیخ الطریقت ہونا مسلم تو غواص بحار حقیقت اور قاسم درر معرفت ہونا بھی معرض انکار نہیں۔ سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نظر کیمیا اثر نے جاہل کو عالم اور مردہ کو زندہ بنایا' عالم کو معلم' ناقص کو کامل اور کامل کو ہادی راہ شریعت و طریقت بنا دیا۔ فقیر راقم الحروف کے دور طالبعلمی کی ابتداء ہی تھی ایک دن رخصت کے وقت اس جامع الکمالات' بحرالعلوم و الکرامات کی ایک لہر نمودار ہوئی اور ارشاد فرمایا "آ تجھے ایسا وظیفہ بتادوں جس سے علوم کے دروازے کھلتے جائیں" پھر ایسا کرم ہوا جس کا اظہار کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔

بحرالعلوم

عقل و وہم اور گمان و قیاس قاصر ہیں کہ کیسے غوطہ زن ہو کر اس بحر علم و عرفان کی

گہرائی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ آپ نے سلم العلوم، قاضی اور حمد اللہ جس معلم سے پڑھیں وہ دیوبندی ذہن رکھتا تھا اور حسب عادت عقائد پر بحث اسکا مشغلہ تھا ایک دن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کلی پر بحث چھیڑی اور کہا کہ یہ صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے ہے اس پر سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے فوراً" گرفت فرمائی کہ کلی اور جزئی تو مجعول و مخلوق ہیں جیسا کہ سلم العلوم میں ہے "جعل الکلیات والجزئیات" للذا یہ مخلوق کی صفت ہی بن سکتی ہیں اور تمام مخلوقات میں ارفع و اعلیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو صفات کلیہ کاملہ (علم کلی و اختیار کلی وغیرہ) سے وہی متصف ہیں۔ اس مبارک بیان نے اس کو متحیر و ساکت کردیا۔

سیدی فقیہ اعظم صرف حدیث و فقہ کے مسلم امام ہی نہ تھے بلکہ جمیع علوم و فنون پر کامل دسترس حاصل تھی اور اسکا کامل جلوہ اور بے غبار و بلا اشتراک چمک دمک دار العلوم کے فیض یافتگان میں سے السابقون السابقون جن پر صادق تھا ان میں خوب عیاں۔ ان حضرات میں بھی کمی نہیں بطور مثال صرف اپنے والد مکرم صدر معظم استاذ الاساتذہ جامع معقول و منقول بحر العلوم و ضیاء العلماء حضرت مولانا علامہ الحاج ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں جنکی علمیت اور جامعیت پر گلشن نور کو ناز تھا اور سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ نے جنہیں اپنا شارح فرمایا نیز دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی تاریخ انکے استاذ العلماء والفضلاء ہونے پر شاہد عدل ہے۔

فقیر راقم الحروف نے بفضلہ تعالیٰ کریمائے سعدی سے اختتام دورہ حدیث شریف تک فارسی صرف نحو وغیرہ علم تصوف، اخلاق اور علوم آلیہ نیز فقہ و تفسیر و حدیث علوم اعلیہ دینیہ کا بیش بہا حصہ سیدی فقیہ اعظم سے بلاواسطہ حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی اور بالواسطہ جو فیوضات حاصل ہوئے وہ بھی آپکی نظر و عنایت ہی ہے۔ جب ہم نے سیدی فقیہ اعظم سے "صرف میر" شروع کی، پہلے سبق میں ایک شعر فرمایا۔

علم دیں فقہ ست و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

پھر بیان فرمایا کہ ہم جو کتاب شروع کر رہے ہیں یہ فقہ، تفسیر یا حدیث کی کتاب تو نہیں مگر مقدمتہ الشئی کو اصل کا حکم ہوتا ہے، ہم صرف و نحو وغیرہ کو اسلئے پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ یہ علم دین کی تحصیل میں مد و معاون ہیں للذا یہ ان کا غیر نہیں۔ انہیں علوم آلیہ بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ نیز فرمایا سید صاحب کی کتابیں بڑی بابرکت ہیں۔ شرح مائتہ عامل شروع کرتے وقت خطبے میں سید الانبیاء کے بارے فرمایا سید کسے کہتے ہیں **الذی یلجا الناس الیہ فی حوائجھم** یعنی سید وہ ہے جس کی طرف حاجت مند لوگ آئیں اور پناہ حاصل کریں، سید الانبیاء وہ ہیں جن کی طرف عوام تو عوام تمام انبیاء کرام بھی حاجات پیش کریں اور وہ ذات ہے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تمام مخلوقات کے حاجت روا اور مرکز توجہات ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ قدر حسنہ و جمالہ و جودہ ونوالہ۔

مرج البحرین

یہ جسد خاکی اور وجود عنصری عالم سفلی سے نسبت رکھتا ہے اور اس میں موجود روح کا تعلق اصالتاً" عالم علوی سے ہے۔ سفلی اور علوی تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں مگر خاصان خدا کا نہ ظاہر سفلی تقاضوں کے تابع اور نہ ان کا باطن علوی تقاضوں میں پھنسا ہوا بلکہ ان کا ظاہر قال و جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اور شریعت مطہرہ کا پورا عامل اور ان مقدس حضرات کا باطن عکس حال مصطفائی سے متحلی اور متجلی ہوتا ہے یہ مقدس گروہ صرف اپنی حد تک ہی نہیں بلکہ وراثت نبوی اور ولایت محمدیہ سے حصہ پاکر اسرار و انوار اصول طریقت اور خیرات و برکات وصول الی اللہ، سیر الی اللہ، سیر مع اللہ اور سیر فی اللہ سے نواز کر راہنمائے بے راہرواں اور ہادی گم گشتگاں نیز معلم خیرات بنا کر ملکوت میں عظیم کے لقب سے سرفراز فرماتے ہیں۔

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ نیابت غوث الثقلین اور ولایت محمدیہ کے جلووں سے مستنیر

اسی پاکیزہ گروہ سے اپنے وقت کے فرد وحید اور دریکتا تھے **احب الاعمال الی اللہ ادومها وان قل** پر **مستقیم لا یخافون لومۃ لائم** اور **کتب فی قلوبھم الایمان** نیز **الزمھم کلمۃ التقوی** جیسی عظیم ولازوال عظمتوں اور اخلاق حمیدہ سے متخلق ومتزین۔ پھر **ینظر بنور اللہ** 'فراست کے مالک تھے۔

وحدت میں کثرت

لیس علی اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی واحد

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** واضح فرمارہا ہے کہ سچے خدام دین حضرات فقہائے کرام میں سے ہر ایک 'ایک ہونے کے باوجود ہزاروں سے بڑھ کر ہے۔ سیدنا وغوثنا الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علی جدہ الکریم وعلیہ وسلم کے ارشاد عالی ہے **البیضتہ منا بالف والفرخ لا یقوم** جس سے خوب نمایاں ہے کہ اس عظیم بارگاہ بے کس پناہ کے سچے متسبین سے ہر ایک ہزاروں کے برابر بلکہ بہت بڑھ کر ہے۔ حضرت رب العزت جل وعلا نے حضرت خلیل الرحمن سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کی تعریف **ان ابراہیم کان امۃ قانتا** سے فرمائی حضرات مفسرین کرام نے حضرت سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کو امت کہا جانے کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ایک وجہ یہ ذکر فرمائی **ای کان ما مومنا او مو تما بہ فان الناس کانوا یقصدونہ للاستفادۃ و یقتدون بسیرتہ۔** تفسیر قرطبی میں ایک وجہ یہ لکھی **والامۃ الرجل الجامع للخیر** یونہی تفسیر مظہری میں قاموس سے نقل فرمایا **الامتہ بالضم الرجل الجامع للخیر۔۔۔وکان ابراہیم علیہ السلام رجلا جامعا الفضائل لا تکاد توجد فی اشخاص کثیرۃ** اور حضرت راس المفسرین سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں مروی ہے **ای کان عندہ علیہ السلام من الخیر ما کان عند امتہ وہی الجامعۃ لکثیرۃ** اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

منقول ہے **کان معلما للخیر یا تم بہ اھل الدنیا** اسی معنی کی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **بلغنی ان عبداللہ بن مسعود قال یرحم اللہ معاذا کان امتہ قانتا۔** اس پر دریافت کیا گیا کہ یہ لفظ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں بیان ہوا ہے تو جواب میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **ان الامتہ الذی یعلم الناس الخیر۔** اس سے واضح ہوا کہ ابتداء واصالتاً" اگرچہ **کان امتہ** کا اطلاق حضرت جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہوا مگر نیابتہ اس شان کے مظہروہ تمام حضرات ہیں جو ایسی خیر وبرکت اور فضائل و کمالات کے جامع ہوں جو ان کے علاوہ دوسرے کثیر لوگوں کی جماعت میں "فرداً" فرداً" موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ معلم خیر بھی ہوں تو اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو سیدی فقیہ اعظم جن کی کنیت ہی ابوالخیر ہے اور جامع للخیر اور معلم خیر ہونا بھی بلاشبہ ثابت ہے تو خود بخود ان کے لئے کان امتہ قانتا کا جلوہ اپنے دور میں کماحقہ ثابت تھا اور اس شان وحدت میں کثرت کا ظہور کس قدر نمایاں تھا مگر۔

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

وجودی یا شہودی

برادر طریقت حضرت مولانا الحاج غلام حسین نوری علیہ الرحمہ اور یہ فقیر قادری عفی عنہ دونوں حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر فیضان سلسلہ طریقت سے مستفیض ہو رہے ہیں دریں اثناء عرض کی گئی کہ ہم وجودی ہیں یا شہودی تو ارشاد فرمایا ہم وجودی ہیں۔ پھر اس غامض ترین مسئلہ وحدت الوجود کو ایسے جامع مگر سہل طریق سے ذہن نشین فرمایا کہ نہ حضرات اصحاب شریعت کا اعتراض باقی رہا اور نہ ہی ارباب طریقت کاملین محققین کے ارشادات کی خلاف ورزی ہوئی۔ اور اتنی سیر حاصل تعلیم فرمائی کہ کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہا۔

یہ مسئلہ دراصل اپنی دقت و غموض کی وجہ سے شبہات و اشکالات کا موجب بنتا ہے پھر جہلاء شریعت و طریقت کو متضاد راہیں کہہ کر سراسر غلطی کا شکار ہوجاتے ہیں اسی لئے حضرات کاملین نے قبل از وقت اس کا بیان فرمانا مناسب نہیں سمجھا اور نہ ہی ہر ایک کا یہ حصہ۔ صحیح سمجھ کر جتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کے مقابل غلط سمجھنے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں اور جلب نفع سے بہرحال دفع ضرر اولیٰ ہے۔

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ یہ شعر کئی بار ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

گر حفظ مراتب بکنی صدیقی و صدیقی
ورحفظ مراتب نہ کنی زندیقی و زندیقی

عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ گہوارۂ ادب و عشق میں پروردہ تھے اور ابتداء سے ہی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سرمدی نصیب تھی **ولقد اتینا ابراہیم رشدہ من قبل** کی تجلی حاصل تھی آغاز تعلیم تھا اور بچپنے کا عالم آپ کو ایک ماسٹر کے پاس پڑھنے بٹھایا گیا۔ مگر آپ نے انکار و اعراض کا پہلو اختیار فرمایا جس کی وجہ یہ ظاہر ہوئی کہ داڑھی منڈوانے والے کے پاس پڑھنا پسند نہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ پنجابی نعت دل کی گہرائیوں سے نکلی جس کا ہر ہر حرف عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گواہ ہے۔ جس کا پہلا شعر ہے

پیارے خدا دے شفا دے دوا دے
وچھوڑے دے مارے جوا دے وسادے

آخری شعر یہ ہے

میں صدقے خزانے بھرے تیرے مولیٰ
کدی کاسے بھر دے توں نورگدا دے

اور درمیانی اشعار میں سے دو شعر لکھنے پر قلم مجبور ہو رہا ہے۔

جدائیاں نے پیہہ پیہہ کے دل کیتا پیپو
مدینے دی گلیاں دا گھٹا بنادے
نہ ہٹساں میں اسلوں دی فریاد کرنوں
میرے مولیٰ یاتاں ایہہ پردے ہٹا دے

آپ کی تمام التجائیں درجہ قبولیت سے مشرف ہوئیں کہ زمانہ شاہد ہے۔ جب آپ کے قلب منور سے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برقی رو لہراتی اور ٹکراتی ہوئی گزرتی اور اس کے اثر سے اشکباری عجب رنگ لاتی تو دیکھنے والا حیران ہو کر رہ جاتا۔

اخی فی اللہ قاری جان محمد صاحب نوری نے ایک واقعہ سنایا جس کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کی معیت میں قاری صاحب موصوف اور قاری عبدالرشید صاحب نوری حاضر تھے اور فاتحہ خوانی سے واپس دارالعلوم آتے ہوئے پرانے شہر میں شیخ سردار محمد بیکری والے کی دکان کے سامنے سے گزرے شیخ صاحب موصوف ہمیشہ حاضری دینے والے نیاز مندوں میں سے ہیں۔ اس وقت شیخ صاحب دکان میں مصروف کار تھے حضرت سیدی علیہ الرحمتہ نے ان کی طرف نظر کی مگر سلام کہے بغیر آگے چلتے گئے قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آرہا تھا کہ شیخ صاحب تو بڑے نیاز مند ہیں شاید حضرت نے سلام کیوں نہیں کیا شیخ صاحب نے تو دیکھا نہیں ورنہ وہ خود ہی دوڑ کر سلام کر لیتے۔ وہ جمعہ کا دن تھا بعد از نماز جمعہ دارالعلوم میں بیٹھے تو شیخ صاحب نے آکر حاضری دی اس وقت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ نے فرمایا کہ شیخ صاحب ہم آپ کی دکان سے گزرے تھے مگر اس وقت سلام نہ بلایا کیونکہ آپ کے ران اور گھٹنے ننگے تھے۔ اس وقت مجھے وجہ سمجھ آئی کہ سلام نہ کہنے کی وجہ دراصل یہ تھی۔ یوں ہی کسی مولانا صاحب نے ایک استفتاء بھیجا جس کے اول میں لفظ "سلام مسنون" درج تھا جس کے جواب میں لکھا کہ آپ کا "سلام مسنون غیر مسنون ہے" غرضیکہ ہر ہر کام میں جائز و ناجائز اور مسنون و غیر مسنون کا خیال بلا تکلف راسخ فی الطبع

تھا۔

محبوب العلماء والمشائخ

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کو رب العزت جل وعلا نے عظمت و جلال کے ساتھ ساتھ علماء و مشائخ میں مقبولیت و محبوبیت بھی عطا فرمائی تھی۔ استاذ الاساتذہ شیخ الموحدین سند المحققین مرجع الکاملین حضرت مولانا علامہ سیدی قبلہ فتح محمد جیبوی بہاولنگری قدس سرہ کی نظر شفقت و محبت نے سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی خوب تربیت فرمائی اور ان دونوں مقدس ہستیوں کو آپس میں بے پناہ محبت تھی۔ سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ تمام اساتذہ کی مہربانیاں شامل حال ہیں مگر طریقہ تدریس حضرت قبلہ فتح محمد صاحب علیہ الرحمۃ سے حاصل ہوا۔ حضرت قبلہ مولانا فتح محمد علیہ الرحمۃ بھی فرمایا کرتے کہ جب مجھے بیماری اور تکلیف ہو اور بصیرپور آنا ہو جائے تو محمد نور اللہ کو دیکھ کر تسکین پاتا ہوں۔

امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی روحانیت بھی سیدی فقیہ اعظم سے خوش اور ان کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی صریح جزئیہ کو تلاش کر رہے تھے خواب میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے فرمایا "مولانا یہ مسئلہ آپ کے کتب خانہ میں ہی ہے" بیدار ہوئے تو بہت آسانی سے اپنی موجودہ کتابوں سے ہی مل گیا۔

بصیرپور میں دار العلوم کے لئے جگہ متعین کرنے کی بابت مختلف تجاویز سامنے تھیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں زیارت بابشارت کے دوران اس جگہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ "ہم اپنا دار العلوم یہاں بنائیں گے" بہرحال اس کی بنا حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر رکھی گئی۔ سالہا قبل بصیرپور میں عالم کامل حضرت خواجہ محمد اکبر علیہ الرحمۃ نے اپنے مخصوص مریدوں کو اس مرکز نور کے ادب کا حکم فرمایا یہ جگہ اس وقت بالکل غیر آباد تھی نیز فرمایا کہ اس جگہ مجھ سے بڑے علماء پیدا ہوں گے۔ بلکہ صدیوں پیشتر

شیر گڑھ والے حضرت سید ابراہیم المعروف حضرت سید داؤد بندگی علیہ الرحمۃ نے اس مرکز نور سے مغربی سمت ملا فرید والے قبرستان میں چلہ کشی فرمائی اور اس مرکز نور کی بشارت فرمائی جس کا تذکرہ حضرت کے قلمی نوادرات میں ہے۔

مرکز توجہات علماء و مشائخ

در اصل سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کا مبارک سینہ ہے جو حقیقتاً "و اصالتاً" دار العلوم ہے اسی کی بدولت یہ چہار دیواری اس کے کمرے اور برآمدے جو کہ طلباء کرام کے لئے دار الاقامت ہیں دار العلوم کہلاتی ہے عموماً مکان کی عظمت سے مکین کو شرف ملتا ہے مگر سیدی فقیہ اعظم وہ صاحب استقامت و فضیلت مکین معظم ہیں جن سے اس مکان بلکہ اس کے ماحول کو بھی شرف و شان نصیب ہوا جس کی صراحت بھی ایک موقعہ پر حضرت کی زبان فیض ترجمان سے یوں ظاہر ہوئی کہ حاضرین علماء سے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ چہار دیواری دار العلوم ہے۔ دار العلوم تو یہ سینہ ہے اور ساتھ ہی اپنے سینہ پر نور پر ہاتھ رکھا کہنے والے نے سچ فرمایا کہ

در صفحہ دل بین کہ کتابے بہ ازیں نیست

نائب غوث الوری

حضور سیدنا و غوثنا الاعظم نے بظاہر اپنے اساتذہ و مشائخ سے تربیت حاصل کی اور جب آپ کا عروج کمال ظہور کو پہنچا تو پھر آپ کے اساتذہ و مشائخ بھی اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ انہوں نے بھی اپنی تکمیل باطنی کے لئے آپ سے استفادہ کیا اور خلافت حاصل کی حتی کہ آپ پیر پیراں اور میر میراں کہلائے یہی نیابت اور تجلی سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کو حاصل ہوئی حتی کہ آپ کے والد ماجد کشتہ عشق رسول حضرت خواجہ ابو النور باباجی محمد صدیق علیہ الرحمۃ جن سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی تھی جب سیدی فقیہ اعظم کا سورج اپنے عروج پر چمکا تو اس وقت اپنی تکمیل تعلیم و تسکین قلب

سلیم کے لئے دورہ حدیث شریف اس والد مکرم نے اپنے لخت جگر سیدی فقیہ اعظم سے پڑھا اور سب سے پہلی جماعت جب فارغ التحصیل ہوئی تو جہاں اس میں سیدی قبلہ قدس سرہ کے حقیقی بھائی استاذ العلماء حضرت مولانا علامہ ابو البقاء محمد حبیب اللہ صاحب نوری علیہ الرحمتہ اور حضرت کے ماموں زاد محرم اسرار رفیق خاص صدر مکرم ضیاء العلماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا علامہ الحاج ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری علیہ الرحمتہ کی دستار بندی ہوئی وہیں ان کے ساتھ سب سے پہلے مخدوم اہل سنت فنافی الرسول کشتہ عشق مصطفےٰ حضرت قبلہ باباجی ابولنور محمد صدیق علیہ الرحمتہ کی دستار بندی کا انوکھا سماں چشم فلک نے دیکھا۔ یونہی بیعت معاہدۂ وفا میں بھی شمولیت فرمائی۔ امام اہلسنّت حضرت سیدنا و مولانا ابو البرکات سید احمد علیہ الرحمتہ جیسے استاذ مکرم نے سیدی فقیہ اعظم کو فقیہ اعظم کا لقب عطا فرمایا۔ یونہی حضرت سیدنا و غوثنا الاعظم قدس سرہ العزیز نے اپنی محبوبیت خاصہ 'غوثیت کبریٰ اور قطبیت عالیہ کا اعلان درس و تدریس کا مرہون منت ٹھہرایا اور فرمایا دوست العلم حتی حسوت قطبا تونیاًبا" سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کی قطبیت کی بشارت باوضاحت بھی علوم دینیہ کی درس و تدریس کے دوران ہی ظہور پزیر ہوئی ورنہ عظمت و رفعت اور مستقبل میں قطب بنائے جانے کی بشارتیں تو پہلے ہی باباجی علیہ الرحمتہ وغیرہم کو مل چکی تھیں۔

کہاں یہ عاجز راقم الحروف اور کہاں عظمت سیدی فقیہ اعظم۔ میں ہرگز اس عظیم الشان (جن کے بارے یدعیٰ فی الملکوت عظیماوارد) شخصیت کے بارے میں تحریر کرنے کے لائق نہیں مگر "ارشاد احباء ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا" حضرات مشائخ طریقت کی عظیم بارگاہوں میں التجائیہ کلام عرض کی تھی جس کا ایک شعر لکھ کر ختام المسک بناتا ہوں۔

خلوتی گل اب تو مل باقی رہی کچھ بھی نہ تاب
سیدی صدر الافاضل نور دکھلا بے حجاب

وصلی اللہ تعالیٰ حبیبہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وخلفاۂ واحباۂ اجمعین۔



خصوصی سند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد قرئ علی المولانا ابو البرکات سلمہ جمیع المسلسلات والنوادر کما قرأت
جمیعہا علی مولانا عبد الغنی البہاری ثم المدنی المہاجر واجازنی بہا
وقد اجازنی بہا مولانا المعظم المجدد للمأۃ الحاضرۃ مولانا احمد رضا خاں
المغفور المرحوم وبجمیع الاوراد والمسانید وسائر کتب اسماء
الرجال مانا اجیز للاخ المحترم مولانا نور اللہ سلمہ اللہ الاکرم بجمیعہا
ان یروی عنی بالشروط المعتبرۃ عند اہل الحدیث فبارک اللہ
حیاتہ وثبتہ اللہ علی الصراط المستقیم ومحبتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
وحفظہ اللہ عن المسلمین اللہم آمین آمین کتبہ ابو محمد محمد دیدار علی
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ بمطبع الاسلامی [illegible]

محدث الوری حضرت سید دیدار علی شاہ صاحب
قدس سرہ العزیز کے دست مبارک سے تحریر کردہ
خصوصی سند مسلسلات، نوادر اور اوراد و وظائف

کمالِ تقویٰ اور فقیہِ اعظم

مولانا خواجہ غلام حسین سیدی

امام اہل سنت حضرت علامہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب بصیر پوری جہاں ایک بہت بڑے عالم دین محدث اور مفسر تھے وہاں انتہائی متقی اور پرہیز گار بھی تھے۔ چند واقعات زیب قرطاس ہیں تاکہ لوگ ان سے سبق سیکھیں اور تقوی و پرہیز گاری اختیار کریں۔

رفیق سفر کا حق

عمدۃ العارفین حضرت میاں علی محمد خان صاحب آف بسی شریف درویش منش، درویش دوست اور علماء نواز بزرگ تھے۔ وہ اور حضرت فقیہ اعظم دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت میاں علی محمد خان صاحب تو ایک دن رہ کر وہاں سے قصور چلے آئے اور حضرت فقیہ اعظم دو دن وہیں رہے کیونکہ استاد گھرانہ ہونے کے ناطے آپ کا ہر سال یہی معمول تھا واپسی پر دوپہر کے وقت ہم جب لاہور سے ریل گاڑی کے ذریعے قصور پہنچے تو قصور اسٹیشن پر حضرت میاں علی محمد خان صاحب بھی پاک پتن شریف جانے کے لئے اسی ریل میں سوار ہوگئے۔ آپ سیکنڈ کے کمرہ میں تھے یا فرسٹ کلاس میں۔ حضرت صاحب کو پتہ چلا تو آپ نے ان سے ملاقات فرمائی۔ گاڑی چھوٹنے سے پہلے جب آپ واپس اپنی جگہ پر اپنے ڈبہ میں جانے لگے تو حضرت میاں علی محمد خان صاحب نے فرمایا آپ کے ساتھ کچھ طلبہ بھی ہیں؟ حضرت نے فرمایا "ہاں" تو حضرت میاں صاحب نے کچھ مٹھائی، خربوزے اور آم وغیرہ فروٹ دیا اس کے علاوہ کچھ برف بھی دی جو اس زمانہ میں

نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھی اور فرمایا کہ یہ چیزیں آپ کے لئے ہیں اس میں سے کچھ طلبہ کو بھی دے دیں۔ حضرت فقیہ اعظم کا ٹکٹ تو بصیر پور کا تھا لیکن میں چونکہ ان دنوں کریوالہ میں مقیم تھا لہٰذا میں نے بصیر پور شریف سے دو اسٹیشن آگے وساویوالہ کا ٹکٹ لیا ہوا تھا۔ وہاں سے پیدل کریوالہ جانا پڑتا تھا۔ جب گاڑی بصیر پور پہنچی تو حضرت صاحب اتر گئے۔ خدام نے سامان وغیرہ اٹھا لیا اور میں اسی ٹرین پہ آگے وساویوالہ چلا گیا۔ میرے ذہن میں تو کسی قسم کا خیال تک بھی نہیں تھا کہ میاں صاحب کی عطا کردہ ان اشیاء میں میرا بھی کوئی حصہ ہے میں گھر چلا گیا اور حضرت میاں علی محمد خان صاحب نے جو تحائف دیئے تھے وہ حضرت نے اپنے ہمسفر طلبہ میں تقسیم کر دیئے اور کچھ خود گھر میں استعمال کر لئے۔ دوسرے یا تیسرے دن حضرت صاحب کا ایک خط مجھے ملا جس میں آپ نے تحریر فرمایا۔ خواجہ صاحب! آپ نے شرم و حیا کی حد کر دی اور ہمارا نقصان کر دیا۔ وہ اس طرح کہ حضرت میاں صاحب نے جو تحفے دیئے تھے اس میں آپ بھی شامل تھے لیکن آپ نے مطالبہ نہ کیا اور ہمیں یاد نہ رہا، ہمیں ذہول ہو گیا سہو ہو گیا۔ ہم نے وہ استعمال کر لئے اس کی شامت یہ پڑی کہ ہماری تہجد کی نماز قضا ہو گئی لہٰذا فوراً بصیر پور آؤ اور آپ کا جو حق بنتا ہے اس کی قیمت ہم سے وصول کر لو۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے **"انت ومالک لابیک"** تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔ بیٹے، شاگرد، مرید اور مخلص لوگوں کے گھر سے ہر چیز بغیر پوچھے لے سکتا ہے۔ چنانچہ میں جب یہاں آیا تو آپ نے ایک مرتبہ پھر فرمایا "تو نے حد کر دی کہ اپنا حصہ نہ لیا اور ہماری تہجد کی نماز قضا ہو گئی۔ ہم نے بڑی توبہ کی" استغفار کیا۔ میں نے کہا کہ آپ کی تہجد کی نماز تو اس لئے قضا ہو گئی تھی کہ آپ تھکے ماندے تھے اور اگر آپ نے استعمال بھی کر لیا ہے تو آپ میری عقیدت سے واقف ہیں، پھر آپ کا حق ہے کہ جو چیز میری ہو اور یقیناً میری ہو۔ وہ بھی تو آپ لے سکتے ہیں۔ فرمایا کیا قیمت ہے اس کی؟ بتاؤ، تو میں نے عرض کی کہ ان اشیاء میں جو بھی میرا حصہ تھا جتنی بھی اس کی قیمت تھی وہ میں نے نیاز مندی کے ساتھ آپ کو ہبہ کر دی۔ یہ انتہائی تقویٰ ہے اور ایسا تقویٰ کہیں اور دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔

یتیموں کے مال سے اجتناب

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ میرے محترم اور مشفق استاد تھے مجھے ان سے ایک خاص عقیدت تھی اور ان کے ساتھ کچھ خصوصی مراسم بھی تھے۔ جب میں کریوالہ میں مقیم تھا آپ کی خدمت میں بصیر پور کم و بیش مہینے میں ایک بار ضرور حاضر ہوتا۔

ایک بار میں نے نہایت عالیشان، قیمتی لباس اور بہت خوبصورت جوتا پہن رکھا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا، خواجہ صاحب! آج آپ نے بڑا عمدہ زریں لباس پہن رکھا ہے میں نے کہا حضرت! فرید پور جاگیر کے محمد عثمان خان کے چہلم کے موقع پر کپڑے، والد صاحب کی طرف بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ بھئی یہ کپڑے بڑے اچھے ہیں۔ آپ، نوجوان ہیں۔ پہنیں! میں تو بوڑھا آدمی ہوں۔ یہ وہی کپڑے ہیں یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ میری طرف بھی کپڑوں کے دو جوڑے آئے تھے علاوہ ازیں جوتا بھی تھا وہ تلے کے ساتھ مغرق تھا اور کپڑے بہترین تھے۔ میں نے ان کے اصرار پر قبول تو کر لئے مگر وہ خیرات کر دیئے ہیں کیونکہ خان صاحب مرحوم کی اولاد ایک بیٹا اور دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی نابالغ ہے اور قرآن کریم میں آتا ہے **ولا تقربوا مال الیتیم**۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ گو رسم کے لحاظ سے چہلم کے موقع پر یہ سب کچھ دیا جاتا ہے مگر ان کپڑوں میں چونکہ یتیم بچوں کا بھی حصہ ہے لہٰذا میں نے **ولا تقربوا مال الیتیم** کے تحت ان کپڑوں سے احتراز کیا ہے اور وہ سب کے سب خیرات کر دیئے ہیں۔ یہ بھی انتہا درجے کا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ ایسا تقویٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

پرتکلف کھانا چھوڑ دیا

فرید پور جاگیر ایک ایسا مرکزی اور مبارک مقام ہے جہاں بڑے بڑے علماء رہے ہیں، اسی مقام پر حضرت مولانا غلام محمد صاحب اور مولانا ثابت علی صاحب مرحوم جو مولانا احمد دین صاحب مرحوم (جد امجد سیدی فقیہ اعظم) کے استاد محترم مولانا ثابت علی (جد امجد مولانا محمد

اکبر صاحب جنہیں فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی گرہ سے عمرہ کروایا تھا) بھی یہاں رہے ہیں۔ قدرت کا کرنا یہ کہ جہاں حضرت مولانا احمد دین صاحب ایک طالب علم بن کر رہے ہیں اسی مقام پر حضرت مولانا احمد دین صاحب نے اپنے پوتے حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ کو دیکھا کہ بڑی سج دھج کے ساتھ طلبہ کو پڑھاتے ہیں اور خان صاحب ان کا بے حد احترام کرتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے۔

حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرید پور میں آٹھ نو سال اقامت پذیر رہے اس لئے خان صاحبان کے ساتھ خصوصی مراسم بھی تھے۔ فرید پور میں ہی حضرت کی والدہ ماجدہ اور جد امجد کے مزارات بھی تھے۔ وقتاً فوقتاً آپ مزارات پر حاضری کے لئے فرید پور جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہاں تشریف لے گئے۔ مولانا منیر احمد صاحب بھی ان دنوں وہیں تھے جب کہ محمد عثمان خان فوت ہو چکے تھے ان کے بہنوئی اور مختار عام محمد فیض اللہ خان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پانی کی پیش کش کی اور چائے یا شربت کے بارے پوچھا۔ مگر آپ نے معذرت کر دی۔ اس نے عرض کی جناب کھانا تناول فرمائیں آپ نے اس سے بھی معذرت کی۔ بعد ازاں آپ مولوی منیر صاحب کی بیٹھک پر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا مولوی منیر صاحب کوئی سادہ سا کھانا اور دعوت شیراز تیار کر دو تو انہوں نے عرض کی کہ حضرت وہ خان صاحب دعوت دے رہے تھے کھانا بھی پر تکلف تھا وہاں سے استعمال کر لیتے؟ آپ نے فرمایا ضرور کھاتے مگر عثمان خان صاحب کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی یتیم ہے تو **ولا تقربوا مال الیتیم** کا معاملہ ہے اس لئے میں نے کھانا قصداً مسترد کر دیا چنانچہ آپ نے وہ پر تکلف کھانا چھوڑ کر مولوی منیر احمد صاحب کے ہاں جو وقتی طور پر تیار ہوا کھالیا۔ یہ بھی کمال درجے کا تقویٰ تھا۔

دودھ کا حصہ

جن دنوں میں بصیر پور میں پڑھاتا تھا تو تدریس کے دماغی کام کے باعث رات کے وقت

مجھے ایک آدھ سیر دودھ لازماً لینا پڑتا اس کا حضرت نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ گھر کے لئے جو دودھ آتا تھا اس کے ساتھ ہی میرے لئے بھی منگوالیا جاتا اور وہ میری طرف بھجوا دیا جاتا۔

ایک دفعہ رات کے وقت آپ کے ساتھ شہر میں حاجی جمال دین صاحب کے ہاں دعوت میں شریک ہوا۔ دعوت پر تکلف تھی۔ فرنی، گوشت، زردہ پلاؤ وغیرہ تھا چونکہ کھانا سیر ہو کر کھایا تھا اور دودھ کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے حضرت صاحب نے دودھ نہ بھجوایا۔ صبح جب کھانا آیا تو کھانے کے ساتھ تھوڑا سا مکھن بھی تھا۔ مکھن دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور حضرت سے عرض کیا مکھن کہاں سے آیا؟ آپ نے فرمایا رات آپ کے حصے کا دودھ آپ کی طرف نہیں بھجوایا تھا کیونکہ کھانا ہی ایسا مکلف تھا کہ دودھ کی ضرورت نہیں تھی اس لئے اس کی دہی بنا دی گئی جس کو بلو کو مکھن نکالا گیا ہے اور آپ کے حصے کا آپ کو بھیجا گیا ہے۔ حالانکہ اگر نہ بھی بھیجتے تو کوئی حرج نہ تھا کہ آپ ہی کی طفیل اتنی مکلف دعوت کھا چکے تھے۔

تھانے دار کی چینی اور رمضان کا روزہ

شروع شروع میں جب مدرسہ بصیر پور منتقل ہوا تو اتفاق سے ایک تھانیدار آگیا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور گرمی کے دن تھے۔ افطاری کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے وہ تھانیدار حضرت کے ساتھ گفتگو کرتا رہا ہم بھی پاس بیٹھے تھے۔ میں نے کہا حکومت کو کیا ہو گیا ہے؟ رمضان المبارک کے روزے ہیں طلباء اور علماء کے لئے چینی کا انتظام نہیں۔ ڈپو سے چینی ملتی نہیں کیونکہ ہم نووارد ہیں۔ یہ کیا حکومت! اور کیا آفیسر ہیں؟ اس نے کہا مولانا ایسا ہی نظام چل رہا ہے، چینی کی قلت ہے۔ گھر جا کر اس تھانے دار نے شام کو دو چار سیر چینی حضرت کی خدمت میں بھیج دی۔ افطاری کے وقت ہم نے شربت بنایا چونکہ اہل خانہ ابھی فرید پور جاگیر میں تھے لہٰذا حضرت کو بھی شربت پیش کیا گیا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا شربت ہے چینی کہاں سے لی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہی چینی ہے جو تھانیدار نے بھیجی تھی۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ آپ کے لئے مباح ہے۔ مگر میں یہ شربت نہیں پیوں گا کیونکہ تھانیداروں کی روزی

مشکوک ہوتی ہے یہ بالعموم رعب ڈال کر رشوت کے طور پر مال اکٹھا کرتے ہیں۔ آپ نے وہ شربت پینے سے انکار کردیا۔ یہ بھی تقویٰ کی ایک انتہائی اعلیٰ مثال ہے۔

متنازعہ مکان سے پانی لے کر وضو نہ کیا

حضرت فقیہ اعظم کے ایک عزیز کا وصال ہوگیا۔ ہم بھی فاتحہ خوانی کے لئے ان کی رہائش گاہ پر گئے نماز کا وقت ہوا تو ہم نے اس مکان میں لگے ہوئے نلکے سے وضو کر لیا مگر حضرت نے اپنے لئے لوٹا بھیج کر باہر سے پانی منگوایا۔ میں حضرت کی بے پناہ شفقتوں کے باعث انتہائی بے تکلفی کے ساتھ جو بات سمجھ میں نہ آتی پوچھ لیا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ آپ نے یہاں سے وضو کیوں نہ فرمایا؟ فرمایا! یہاں سے وضو اس لئے نہیں کیا کہ ان عزیز کا مالک مکان سے جھگڑا چل رہا ہے مالک مکان کہتا ہے کہ مکان خالی کردو مگر یہ کرایہ دار کہتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی متبادل مکان مل جائے گا تو خالی کردیں گے۔ مگر مالک خالی کرنے کا مسلسل تقاضا کر رہا ہے۔ تو اب یہ مکان اور پمپ چونکہ متنازعہ ہے لہٰذا میں نے اس پمپ کے پانی سے وضو نہیں کیا کیونکہ تقویٰ کا تقاضا یہی ہے۔

ہندو کا صدقہ واپس کردیا

جب ہم فرید پور جاگیر ہوتے تھے تو ایک ہندو شخص مسلمان قصاب سے گوشت لے کر حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا کہ جناب! یہ گوشت میں نے قصائی سے لیا ہے اور مجھے پیر صاحب نے کہا تھا کہ درویشوں کو دے دینا صدقہ ہو جائے گا۔ (پیر صاحب میرے بھائی تھے کریوالہ کے حافظ فتح محمد صاحب) تو حضرت نے فرمایا اچھا دو منٹ ٹھہرو۔ آپ نے خیال کیا کہ طلباء کے لئے ہندو کا ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ گو اس ہندو نے مسلمان قصاب سے لیا ہے مگر پھر بھی ہندوؤں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ آپ نے فتاویٰ عالمگیری منوایا۔ عالمگیری میں یہ جزئیہ نکلا کہ ہندو اگر گوشت کا ہدیہ دے تو تقوے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قبول نہ کیا جائے چنانچہ آپ نے گوشت کا ہدیہ قبول نہ کیا۔

عصر کی نماز اور "ٹبہ پیروال"

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ نے انتالی شریف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مجھے فرمایا کوئی ہماری معیت اختیار کرتا ہے؟ میں نے کہا حضرت میں حاضر ہوں زیارت بھی ہوگی۔ آپ کی معیت بھی نصیب۔ واپسی پر جب ہم "ٹبہ پیروال" کے قریب پہنچے تو حضرت نے فرمایا نماز عصر کا وقت ہو چکا ہے اور مجھے وضو ہے تو نماز عصر یہاں پڑھ لینی چاہئے میں نے کہا مجھے تو وضو نہیں ہے حضرت بابا جی نے بھی فرمایا مجھے وضو نہیں۔ میں نے کہا وہاں مسجد میں جا کر پڑھیں گے حضرت نے فرمایا سورج کے سرخ ہونے کا اندیشہ ہے اور جب سرخ ہو جائے گا نماز کراہت میں ہو جائے گی لہٰذا میں تو یہیں پڑھتا ہوں وہیں گھوڑی سے اترے، اذان اور تکبیر خود ہی پڑھی اور فرمایا کہ آپ وہاں جا کر پڑھیں کیونکہ آپ کا وضو نہیں۔ میں یہاں پڑھتا ہوں فرشتے اور جن ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

پیتل کے گلاس میں پانی نہ پینا

گرمیوں میں ایک مقام پر حضرت صاحب کی دعوت تھی فقیر بھی ساتھ تھا وہ پانی تو میٹھا پھیکا بنا کر لے آئے مگر گلاس پیتل کا تھا حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا پیتل کے گلاس میں پانی پینا مکروہ ہے۔ کوئی اور گلاس لاؤ چنانچہ گلاس بدل دیا گیا۔

مشکوک دوا سے پرہیز

ڈاکٹر فیض احمد جوئیہ دیپالپوری آپ کا تلمیذ ارشد تھا جو بہت بڑا ڈاکٹر اور بیرون ملک سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر چکا تھا۔ اس نے حضرت کا چیک اپ کیا اور کہا میں دوائی بھیجوں گا۔ اس نے جو دوائی بھیجی وہ جانوروں کی یخنی سے تیار کی گئی تھی۔ "حلال جانوروں کی یخنی جائز ہے" میں جب دوا حضرت کے پاس لایا تو آپ نے بوتل پر اس دوائی کا فارمولا

پڑھا اور پتہ چلا کہ اس میں بکرے، مرغ، بیٹر اور تیتر وغیرہ جانوروں کی یخنی بھی موجود ہے اور یہ کہ وہ دوائی یورپ کی بنی ہوئی ہے۔ تو حضرت نے مجھے فرمایا دوا ڈاکٹر صاحب کو معذرت کے ساتھ واپس کر دینا اور ان سے میرے متعلق کہہ دینا کہ وہ یورپ کی بنی ہوئی دوائیں استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

جنت البقیع شریف کا احترام

جنت البقیع شریف میں نجدی حکومت نے چونکہ مزارات منہدم کر دیئے ہیں۔ جب کہ مزارات کو روندنا شرعاً" جائز نہیں ہے۔ اس لئے حضرت جب بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوتے اور جنت البقیع شریف کی حاضری دیتے تو باہر دروازے ہی پر کھڑے ہو کر صحابہ واہلبیت کرام اور دیگر ساکنان بقیع شریف کو ایصال ثواب کر لیتے تھے۔ اس لئے کہ کسی صحابی رسول کا مزار پاؤں تلے نہ آجائے۔ اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ جہاں قبریں روندے جانے کا خدشہ ہو وہاں باہر سے ہی فاتحہ پڑھ لینی چاہئے

سالن ضائع کر دیا

فرید پور جاگیر میں ایک دفعہ کسی گھر سے دعوت کے لئے گوشت پکا ہوا ہمارے لئے آیا۔ جب وہ مولانا غلام صابر المعروف بڑے میاں نے ہمیں بانٹ دیا۔ ہم نے اپنے برتنوں میں ڈال لیا۔ روٹی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ سالن سامنے ہے۔ بھوک لگی ہوئی ہے۔ ہم خوب خوش ہو رہے ہیں گوشت کھایا ہی چاہتے ہیں کہ اچانک کسی نے آکر کہا کہ حضرت فلاں آدمی نے جو پکا ہوا گوشت آپ کی طرف بھیجا ہے۔ وہ چوری کی گائے کا ہے۔ تو آپ نے فوراً طلباء کو حکم دیا کہ تمام سالن ضائع کر دیا جائے اور کوئی طالب علم بھی اس میں سے نہ کھائے چنانچہ طلباء نے تعمیل حکم کرتے ہوئے تمام سالن ضائع کر دیا۔

لوٹ کھسوٹ سے کلی اجتناب

۱۹۴۷ء میں مسلمانوں نے بڑی لوٹ کھسوٹ کی تھی۔ کیونکہ "ان الانسان خلق

ھلوعا۔" انسان حریص ہے۔ جو کسی کی چیز ہاتھ آئی۔ مال موذی نصیب غازی سمجھ کر ہڑپ کر لی۔ یہ نہیں علم کہ مہاجروں کا مال ہے۔ ادھر سے وہ چھوڑ آئے ہیں۔ یہاں سے انہوں نے کچھ لینا ہے۔ تو حضرت نے لوٹ کھسوٹ کے زمانے میں افسران بالا کی پیش کش کے باوجود کوئی چیز درس میں طلباء کے لئے یا اپنے گھر کے لئے نہیں لی۔ فرمایا کہ یہ بات تقوے کے خلاف ہے اور دارالعلوم کے نام کچھ اراضی بھی لگانا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ چیز پائیدار بھی نہیں تقوے کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ مہاجرین کا حق ہے۔

کھانے میں احتیاط کرنا

جب آپ آستانہ عالیہ اکبریہ بصیر پور میں پڑھاتے تھے تو آپ کو جو کھانا پیش کیا جاتا اس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی کھانا ہے جو بچے مختلف گھروں سے اکٹھا کر کے لاتے ہیں۔ تو حضرت کے تقویٰ نے گوارا نہ کیا کہ مختلف گھروں سے لایا ہوا کھانا کھائیں کیونکہ کوئی گھر کیسا ہوتا ہے۔ کوئی کیسا ان کے کھانے سے معذرت کر دی اور فرمایا کہ میں ذاتی طور پر کھانے کا انتظام کروں گا۔

اعادہ نماز

ہیڈ سلیمانکی کے قریب تحصیل "بنگلہ فاضل کا" ایک گاؤں "پکا چشتی" میں نکاح کے کسی مسئلہ پر ایک مناظرہ ہوا تھا۔ مولانا محمد فخر الدین چشتی نظامی پاک پتن رحمتہ اللہ علیہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اور دیگر بہت سے علماء وہاں جمع تھے میں بھی حضرت کی معیت میں تھا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا مولانا فخر الدین صاحب نے نماز پڑھائی وہ بزرگ تھے، بوڑھے تھے۔ اس لئے حضرت کے ادب نے یہ تو اجازت نہ دی کہ آپ انہیں نماز پڑھانے سے روک دیں۔ نماز آپ نے ان کے پیچھے پڑھ لی مگر پھر بعد میں لوٹالی۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی حضرت یہ کیا بات ہے۔ آپ نے نماز کیوں لوٹائی؟ فرمایا! یہ قابل احترام ہیں۔ باباجی کے استاد بھی ہیں۔ مگر یہ "ضاد" کو "ذاد"

پڑھتے ہیں۔ قصداً ''ض'' کو ''ذ'' پڑھنے سے نماز میں فساد آجاتا ہے۔ اس لئے میں نے نماز احتیاطاً لوٹالی اور دوبارہ پڑھ لی ہے۔

لہوولعب سے پرہیز

محمد عثمان خاں مرحوم ایک بہت بڑا رئیس اعظم اور چھ ہزار ایکڑ اراضی کا مالک تھا۔ جب دولت آجاتی ہے تو اکثر اوقات بے علمی بھی آجاتی ہے۔ وہاں ایک بزرگ لال شاہ صاحب کا عرس ہوتا تھا اس موقع پر عثمان خان ریچھوں اور کتوں کی لڑائی کرواتا تھا۔ تماش بین اکٹھے ہو جاتے تھے خان کے دل میں حضرت کی بڑی قدر تھی۔ وہ ہمیشہ حضرت کی طرف ایک خصوصی آدمی بھیجا کرتا کہ جناب لڑائی ہو رہی ہے۔ آکر دیکھیں مگر حضرت صاحب معذرت کر دیتے کہ یہ خان صاحب کو ہی مبارک ہو۔ شریعت اجازت نہیں دیتی کہ جانوروں کو لڑایا جائے ایک جانور دوسرے کو زخمی کرے اور یہ لہوو لعب ہے۔ لہو و لعب سے بچنا دین میں نہایت ضروری ہے۔

فاسق کے طعام سے انکار

فرید پور جاگیر میں چونکہ حضرت صاحب نے کم و بیش سات آٹھ سال قیام کیا للذا اس دوران عقیدت مند لوگ حضرت کی دعوت کرتے تھے اور گھر بلا کر آپ سے دعا کروا لیتے تھے۔ ایک شخص سلطان نائی بڑا مریض تھا اس نے حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ کی بمع طلباء دعوت ہے۔ میرے گھر تشریف لا کر دعا کریں۔ کہ صحت مل جائے آپ نے فرمایا دعا ہم کر دیں گے اللہ تعالیٰ تجھے صحت دے گا مگر کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس نے بڑا اصرار کیا آپ نے فرمایا تیرے ہاں کھانا نہیں کھائیں گے۔

جب اس نے بڑا اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اپنے گھر میں بے نکاحی عورت رکھی ہوئی ہے۔ جو حرام ہے اور شرعی طور پر فاسق معلن کے گھر کا کھانا درست نہیں چنانچہ آپ نے اس کے گھر سے کھانا تناول نہ فرمایا۔

باریک تہبند سے منع فرمایا

مولوی عبدالحق صاحب عرف محمد سعید آف ''کھاری والا'' نے ایک دفعہ تہبند باندھ رکھا تھا۔ تہبند باریک تھا اور ایسی باریک چادر جس سے جسم نظر آئے نہیں پہننی چاہئے للذا جب حضرت نے ان کی چادر دیکھی تو فرمایا کہ چادر تو مولوی صاحب باریک ہے اس سے نماز نہیں ہوگی یہ چادر اتار دو اور کوئی موٹی چادر پہن لو چنانچہ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

بستی کے تنور سے روٹی نہ لگوانا

حضرت صاحب گھر کا کھانا کھاتے تھے کیونکہ بزرگی اور ولایت کے دو ہی پر ہیں اکل حلال اور صدق مقال سچ بولو اور کھانا صحیح اور حلال کھاؤ چونکہ بستی کے جو تنور ہوتے ہیں وہاں پانی کا ایک ہی برتن ہوتا ہے اور روٹیاں پکوانے والی عورتیں پیڑے کرنے کے لئے اسی برتین میں ڈبو کر ہاتھ تر کرتی ہیں تو وہ پانی کسی حد تک مستعمل ہو جاتا ہے یہ مناسب نہیں اس لئے حضرت صاحب بستی کے تنور سے روٹی ہی نہیں لگواتے تھے اور اگر کبھی ناچار اتفاق بن جاتا تو علیحدہ پانی بھجوا کر دائی کے ہاتھ دھلوا لیتے اور عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ کپاس کی چھڑیاں ماگھ، پھاگن میں آپ کٹوا کر ذخیرہ کر لیتے گھر میں تنور لگا ہوا تھا مستورات طیبات گھر میں ہی روٹی پکا لیتی تھیں۔ ایک سال کسی وجہ سے چھڑیاں نہ کٹوائی جا سکیں تو حضرت گرمیوں کے دنوں میں جیٹھ ہاڑ میں توے کی روٹی کھاتے رہے، بستی کے تنور پر آٹا نہ

ذابح کے عقیدہ و عمل کی تحقیق

حضرت فقیہ اعظم جب کسی کی دعوت پر کہیں تشریف لے جاتے تھے تو وہ لوگ کوئی مرغ وغیرہ ذبح کرنے لگتے تو آپ گاؤں کے امام کے متعلق پوچھ لیتے تھے کہ وہ عقیدہ و عمل کے لحاظ سے کیسا ہے؟ صحیح العقیدہ سنی ہے؟ یا بدعقیدہ؟ اور کیا اس کی داڑھی مقدار مسنون سے کم تو نہیں؟ کیونکہ دیہاتوں میں کوئی جانور ذبح کرنا ہو تو وہ گاؤں کے امام سے ہی کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں شرعی نقص پاتے تو اپنے کسی طالب علم یا خادم سے ذبح کراتے کیونکہ مشکوک امام کا ذبیحہ کھانا تقوے کے خلاف ہے۔

احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویۃ
کا
تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

تالیف: محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکھر

رضا دار الاشاعت لاہور

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰

قیمت ——— ۶۶/۰۰ روپے

ہمشیرۂ فقیہِ اعظم کی باتیں

اُمّ اجمل

دس پیسے

ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ دار العلوم کی آمدن بند ہو چکی ہے تو میں بے حد دل برداشتہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگنے لگی۔ یا اللہ! تیری اتنی مخلوق یہاں موجود ہے۔ انہیں دینی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اور سن رہی ہوں کہ آمدن بند ہو گئی ہے اسی پریشانی میں مبتلا تھی کہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ دار العلوم سے گھر تشریف لائے۔ اور مجھے فرمایا! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں؟ عرض کیا! آپ کی دعاؤں سے بہت بھروسہ ہے۔ لیکن جو بات سنی ہے اس سے دلی کوفت ہوئی ہے۔ آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس پیسے نکال کر دکھائے اور فرمایا اس وقت دار العلوم کی یہی دولت موجود ہے۔ گھر اور بینک میں اس کے علاوہ کوئی پیسہ نہیں۔ مگر ہم انشاء اللہ سب طالب علموں کو کھانا کھلائیں گے، وہ بھی سالن کے ساتھ جب کہ مرچیں بھی موجود نہیں۔ نیز فرمایا! اللہ تعالیٰ کی ذات والا برکات پر بہت توکل رکھنا چاہئے۔ کیونکہ جس نے پیدا کیا ہے وہ کبھی بھوکا نہیں رکھے گا۔ یہ کلمات کہتے ہوئے دار العلوم تشریف لے گئے۔ معاً کسی آدمی نے طلباء کے لئے بکرا پیش کیا۔ آپ نے اسی وقت قصاب کو بلایا۔ بکرا ذبح کرایا گوشت تیار ہوا ہی تھا کہ ایک اور صاحب نے مرچیں بھیج دیں۔ پھر دار العلوم سے گھر تشریف لائے اور مجھے تمام واقعہ بیان فرمایا گویا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہمارے پاس جو دس پیسے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ابھی مصرف میں لانے نہیں دیئے کہ طلباء کو گوشت سے ضیافت کرا دی۔

بے شک فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ پر بہت زیادہ توکل تھا۔

انداز تفریح

فقیہ اعظم کو پڑھائی سے بے حد لگاؤ تھا۔ ہر وقت پڑھتے ہی رہتے۔ کھیل کود کی طرف ذرہ برابر دھیان نہ تھا۔ ہمارے دادا جان جب باہر سے گھر تشریف لاتے تو فرماتے بیٹا! باہر جاؤ اور تھوڑا سا کھیل آؤ۔ دیکھو! وہ لڑکے کھیل رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ کبیدہ خاطر ہو جاتے اور غمگین صورت میں فرماتے۔ اگر کھیل لیا تو کیا ہوگا؟ دادا جان فرماتے بیٹا تفریح ہو جائے گی۔ پاؤں آرام محسوس کریں گے یہ سنتے ہی آپ کھڑے ہوتے پھر بیٹھ جاتے اور کہتے میرے پاؤں کو آرام مل گیا ہے اور میری تفریح ہو گئی پھر اسی طرح پڑھائی میں محو ہو جاتے۔ دادا جان ہمارے والد ماجد سے فرماتے کہیں اسے نظر نہ ہو جائے۔ ابھی بچہ ہے مبادا پڑھائی سے اس کا دل اچاٹ ہی نہ ہو جائے۔ تو والد ماجد علیہ الرحمتہ دادا جان سے عرض کرتے کہ اس کا دل کبھی اچاٹ نہیں ہوگا اسے پڑھنے دیں۔

سیاہ بر سفید

آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے سر اور داڑھی کے بال تقریباً" سولہ سترہ سال کی عمر میں بالکل سفید ہو گئے تھے۔ بعدہ سفیدی پر سیاہی غالب آئی۔ ہمارا چشم دید واقعہ ہے کہ جب آپ تعلیم کے سلسلہ میں سہارن پور تشریف لے گئے تو ایک سال تک گھر ملنے کے لئے بھی نہ آئے البتہ خطوط کے ذریعہ اطلاع فرماتے رہے کہ پڑھائی خوب ہو رہی ہے اور میرا دل بڑا مطمئن ہے۔ جب ایک سال کے بعد گھر تشریف لائے تو ہم دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ کے سر اور داڑھی (جو ابھی نمودار ہو رہی تھی) کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں حالانکہ جب آپ گھر سے گئے تھے' داڑھی کے بال ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ ہم نے بالوں کی سفیدی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ وہاں کا کھانا اور پانی صحیح نہیں

تھا۔ اس کے باعث میرا کھانا پینا سب کچھ چھوٹ چکا تھا۔۔۔ اب خدا ہی جانے سال بھر آپ نے کیسے وقت بسر کیا پھر آہستہ آہستہ تازہ غذا کھانی شروع کی تو دو ماہ بعد دوبارہ سیاہ بال بحال ہو گئے۔ آپ نے بہت تکالیف اور صبر آزما مراحل سے گزر کر تعلیم حاصل کی مگر آپ خوشی و مسرت سے فرماتے میں نے تو بہت آسانی سے علم حاصل کیا ہے۔ دیکھو میرا کام کتنا بڑا ہے۔

دار العلوم سے محبت

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو دار العلوم سے بے حد محبت تھی۔ حقیقت ہے کہ آپ کی زندگی دار العلوم سے عبارت تھی۔ کوئی بھی کام ہوتا اس میں دار العلوم کا مفاد تلاش فرمالیتے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ لنگر کے لئے خشک دھنیا منگوانا تھا آپ نے ہمیں بھی فرمایا جس جس نے خشک دھنیا منگوانا ہو وہ کاغذ پر لکھ دیں کہ اتنا اتنا ہمارے لئے بھی منگوالیں۔ جب دھنیا آیا تو آپ نے دار العلوم سے گھر بھیج دیا اور ساتھ ہی فرمایا! ترازو سے تول کر ہر ایک اپنی اپنی تحریر شدہ مقدار کے مطابق لے لے۔ جب ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ لے لیا اور دار العلوم کا حصہ بھی الگ کر دیا تو ایک سیر دھنیا مزید بچ رہا۔ ہم نے تولنے کے بجائے اندازے سے برابر تقسیم کر لیا۔ فقیہ اعظم گھر تشریف لائے۔ دریافت فرمایا کیسے کیسے تقسیم کیا۔ ہم نے مذکورہ بالا صورت سے آگاہ کیا تو آپ فرمانے لگے۔ یہ بات مناسب نہیں تھی کیا ہی اچھا ہوتا جو زائد آیا تھا اسے آپ مشترکہ طور پر آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے دار العلوم کے لنگر میں دے دیتیں۔ مگر خدانخواستہ اندازے سے کسی کی طرف کم اور کسی کی طرف زیادہ چلا گیا تو جس کی طرف زیادہ گیا اس کے لئے زائد کا استعمال حرام ہوگا۔ ترازو لاؤ اور از سر نو تول کر اپنا اپنا حصہ لو۔ دوبارہ تولا گیا اور ایک سیر بچ رہا تو ہم نے متفقہ طور پر بیک زبان عرض کیا اسے ہم بخوشی دار العلوم کے لنگر میں دیتیں ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپ بہت مسرور ہوئے۔

اسی طرح ایک دن لنگر کی لکڑیوں میں سے ایک تنکا توڑ کر دانتوں کا آپ نے خلال

فرمایا۔ اور تنکہ باہر جاتے ہوئے گھر کے صحن میں پھینک دیا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اچانک آپ واپس ہوئے اور زمین پر نگاہ جمائے کسی چیز کی تلاش میں ہیں۔ پھر اچانک جھکے اور وہ تنکا اٹھا کر اسی لکڑی کے ساتھ لگا دیا۔ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ تنکا اسی لکڑی کے ساتھ لگا دیا ہے اب یہ لنگر پکانے میں کام آجائے گا ورنہ ضائع ہو جاتا مگر مجھے تو لنگر کا ایک تنکا بھی ضائع ہوتے برداشت نہیں۔ یہ تھی دار العلوم سے محبت، خشیت الٰہی اور ایک ایک تنکے کی حفاظت۔ میں آپ کی کون کونسی بات کا ذکر کروں۔ آپ کی تو بے شمار مقدس داستانیں ہیں جنہیں بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔

انوارِ تقویٰ

صوفی محمد علی نوری

امام الاتقیاء والاصفیاء نائب غوث الوریٰ سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع کی بے مثال تصویر تھے۔ ہر لحظہ شریعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسباں اور قدم قدم پر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کا خیال رکھنے والے تھے۔ تلاوت قرآن فرماتے تو ایسے محو ہوتے جیسے بڑے دربار میں حاضر ہیں اور تلاوت کے تمام آداب ملحوظ خاطر رکھتے۔ دوران تلاوت کسی سے ہم کلام نہ ہوتے۔ اگرچہ کتنا بڑا آدمی کیوں نہ آجاتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لوگ ارد گرد بیٹھ کر انتظار کرتے۔ کہ حضرت کس وقت تلاوت سے فارغ ہوں اور ہم اپنی معروضات پیش کریں۔ تلاوت کے دوران اکثر آبدیدہ ہو جاتے اور کبھی گڑگڑا کر رو پڑتے۔ نیز یہی حال تھا حدیث نبوی پڑھانے کا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ بخاری و مسلم شریف کے اسباق پڑھاتے پڑھاتے اچانک آپ کے منہ سے یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا نعمۃ اللہ کی صدائیں بلند ہو جاتیں اور آنسوؤں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتیں۔ آپ ہمیشہ باوضو درس حدیث دیتے۔ احقر نے کئی بار دیکھا جب آپ کو وضو کی ضرورت ہوتی سبق بند کر دیتے اور تازہ وضو کر کے سلسلہ درس شروع کرتے۔ درس حدیث سے پہلے صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے اور اچھی خوشبو لگا کر بڑے وقار اور ادب و احترام سے مسند پر بیٹھتے۔

نماز باجماعت کا اہتمام

زندگی کے آٹھ سالہ دور میں اس غلام نے ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا کہ آپ نے بغیر

جماعت کے نماز ادا کی ہو۔ شدید بخار میں بھی جماعت خود کراتے۔ دائیں پہلو میں اکثر آپ کو درد ہو جاتا یہ سلسلہ کئی سال تک رہا۔ استاذ العلماء حضرت علامہ ابو الضیاء محمد باقر ضیاء نوری علیہ الرحمہ کئی دوائیں تجویز فرماتے۔ کبھی افاقہ ہو جاتا مگر شدید تکلیف کے باوجود اسباق پڑھاتے رہتے اور نماز کی جماعت خود کراتے بعض اوقات درد کا اتنا شدید حملہ ہوتا کہ لوٹ پوٹ ہو جاتے اور منہ سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا۔ اللہ' اللہ' اللہ' یا رسول اللہ' یا حبیب اللہ' یا نعمتہ اللہ' یا رحمتہ اللہ۔

درد کی وجہ سے جب آپ میں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہتی تو مجھے فرماتے۔ صوفی صاحب تو نے عشاء کی نماز میرے ساتھ پڑھنی ہے چنانچہ پچھلی رات تشریف لاتے اور مجھے ساتھ ملا کر جماعت کراتے۔ چونکہ مجھے آپ کے مسواک بردار ہونے کا شرف حاصل تھا نیز مجھ پر یہ بھی خصوصی کرم رہا کہ اوقات رخصت میں آپ نے مجھے اپنے کپڑے دھونے کی اجازت سے نواز رکھا تھا۔ بحمدہ تعالیٰ پانچ سال تک مجھے اس خدمت کی سعادت نصیب رہی جسے میں اپنی زندگی کا بہت بڑا سرمایا سمجھتا ہوں۔ اس عرصہ دراز میں میں نے آپ کو نماز باجماعت کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر سنتوں پر سختی سے عمل پیرا دیکھا۔ حالت مرض میں آپ کے اتباع سنت کے اہتمام کو دیکھتے تو احادیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے وقت اہتمام نماز کا نقشہ سامنے آجاتا۔ حضور پرنور علیہ التحیتہ والتسلیم بخار کی شدت اور شدید نقاہت کے باوجود حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں یوں تشریف لے گئے کہ کمزوری کے باعث قدم اٹھ نہیں رہے تھے۔ بلکہ آپ کے مبارک قدموں کے نشان زمین پڑتے جا رہے تھے۔ عاشق صادق وہی ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اداؤں کو محبوب سمجھے اور اپنائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق' آپ کی سنت مطہرہ کے عامل اور سنت کو زندہ کرنے والے فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی حیات میں حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے اس پہلو کی بھی پوری جھلک پائی جاتی تھی۔

حقوق العباد

حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ روز قیامت اللہ جل شانہ اپنے حقوق تو معاف فرما دے گا مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک حق والا اپنا حق معاف نہیں کرے گا۔ اس پہلو سے بھی آپ کی زندگی مثالی اہمیت کی حامل تھی چنانچہ ایک چشم دید واقعہ درج کرتا ہوں۔

آپ نماز عصر کے بعد عموماً" سیر کے لئے شہر سے باہر تشریف لے جاتے۔ ایک دن مجھے بھی حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی معیت نصیب ہوئی۔ ہم ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مشرقی جانب جا رہے تھے۔ شہر سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر "واں" نامی ایک آبادی تھی۔ وہاں کے برابر سے تقریباً" واپس ہوئے۔ واپسی پر لائن کو چھوڑ دیا۔ اب لائن کی بجائے کھیتوں سے ہوتے ہوئے محلّہ "کیٹاں" کی طرف کا راستہ اختیار کیا۔ کھیت کے وٹ "بنے" پتلے تھے ان پر بڑی بڑی گھاس اگی ہوئی تھی۔ جس پر چلنا نہایت دشوار تھا چنانچہ کھیت کے درمیان سے لوگوں کے گذرنے کی وجہ سے پگڈنڈی سی بنی ہوئی تھی۔ جس پر چلنا آسان تھا اور فاصلہ بھی ذرا کم تھا مگر آپ نے اس پگڈنڈی کی بجائے اسی دشوار گزار بنے پر چلنا پسند فرمایا۔ آپ بڑی تکلیف سے چل رہے تھے اور کبھی آپ کا پاؤں پھسل جاتا۔ میں نے عرض کی حضور "کھیت" میں پہلے سے راستہ بنا ہوا ہے آپ اس پگڈنڈی پر چلیں آسانی رہے گی مگر آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ پگڈنڈی پر چلنے سے فصل کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور پھر کھیت کے مالک نے بھی تو درمیان میں چلنے کی کسی کو اجازت نہیں دے رکھی۔ اللہ اکبر آپ کو حقوق العباد کا کتنا خیال تھا؟ کہ فصل کا کوئی ایک پودا پاؤں کے نیچے آکر ضائع نہ ہونے پائے۔

صاحبِ تقویٰ

مرزا محمد الیوب (جدہ)

۱۹۶۵ء کی بات ہے میں پاکستانی سفارت خانہ جدہ شریف میں اعلیٰ پوسٹ پر فائز تھا۔ ایک شب نہایت سادہ طبعیت بزرگ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کا تعارفی خط انہوں نے مجھے دیا بزرگ خیال کرتے ہوئے میں اندر لے گیا۔ عرض کیا آپ نیچے آرام فرمائیں گے یا چھت پر۔ انہوں نے اوپر ٹھہرنا پسند فرمایا رات تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی تاہم میں نے کھانا پیش کیا اور ہم نے مل کر کھایا۔ پھر میں نرم بستر کا اہتمام کرنا چاہتا تھا تو انہوں نے فرمایا میرے پاس یہ چادر موجود ہے یہی کافی ہے تکلف نہ فرمائیں۔ عرض کیا عشاء کے بعد جلد سو جاتا ہوں۔ اس لئے آپ بھی آرام کریں۔ اور ہم بھی۔۔۔۔

صبح نماز فجر ہم نے حنفی مسجد میں ادا کی جب گھر واپس لوٹے تو جناب حاجی منظور احمد صاحب کے ایک مرید شیخ صاحب نے کہا مرزا صاحب! رات بڑا عجیب واقعہ نمودار ہوا۔ جس کا میرے دل پر بے حد صدمہ ہے۔ دریافت کرنے پر موصوف نے بتایا کہ رات والے بزرگ پانی کے لئے بارہ بجے تک میرا انتظار کرتے رہے حالانکہ پانی سے بھری ہوئی صراحی ان کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ مگر انہوں نے صراحی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جب میں وہاں پہنچا تو فرمانے لگے آپ کی صراحی میں پانی ہے اور مجھے پیاس ہے اگر اجازت ہو تو پی لوں؟ میں تو آپ کی اجازت کا

بڑی دیر سے منتظر ہوں۔ شیخ صاحب نے کہا اس میں اجازت کی کون سی بات تھی آپ پی لیتے۔ مگر بزرگ شخصیت نے کہا سب کچھ تو اجازت پر منحصر تھا۔ اس پر میری حیرانگی کا کوئی عالم نہ پوچھئے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ایسی صاحب تقوی شخصیتیں موجود ہیں۔ مراز صاحب اس پر نادم ہوئے اور کہنے لگے یہ تو میری فاش غلطی تھی وہ میرے مہمان تھے کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ٹھنڈے پانی کا تھرمس بھر کر رکھ دیتا۔ اب اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ یہ تھی فقیہ اعظیم رحمتہ اللہ علیہ سے میری پہلی ملاقات جس کا نقش میرے دل پر کالجر کی مثال بن چکا ہے۔

دوسرے دن فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ ہم نے مدینہ منورہ کا عزم کر رکھا ہے لہٰذا مدینہ پاک کے لئے انتظام کردیں۔ میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اتنی بڑی شخصیت کا رفیق سفر بننا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ٹیلی فون پر دو روز جمعرات اور جمعہ کی رخصت لی، تنازل وغیرہ حاصل کیا اور فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی کیفیات جو دیکھنے میں آئیں ان کا بیان میرے بس کی بات نہیں، انتہائی والہانہ جذبات محبت ظہور پذیر رہے۔ میں نے عرض کیا آپ شہر حبیب میں کتنے روز قیام فرمائیں گے۔ کہا جب تک حضور یہاں رکھیں گے اور جب اجازت فرمائیں گے تو عمرہ کا احرام باندھے مکہ مکرمہ حاضری دیں گے موقعہ ملا تو پھر مدینہ پاک ہی آجاؤں گا۔ الغرض حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے ہمارا اتنا گہرا تعلق ہوا کہ پھر میرا گھر بقعہ نور بنا رہا۔ آپ جب بھی حج و زیارت کے لئے آتے ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے یہ ان کی کرم نوازی اور بہت ہی احسان تھا کہ ہمیں نوازتے ہی رہتے۔ بارہا میرے ہاں آپ نے تقریریں فرمائیں جو بے حد مؤثر، دلپسند اور عشق رسالت مآب سے مملو ہوتیں آپ کا تقوی و ورع اس دور میں مثالی تھا۔ جنہیں بیان کریں تو کیسے؟ قدم قدم پر عمل کے چشمے پھوٹتے دکھائی دیتے۔ ہر سانس اور ہر حرکت عشق مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی غمازی کرتی۔

فقیہ اعظم اور اتباع سنت

مولانا ابوالسرور منظور احمد نوری

قدوۃ السالکین، عمدۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، زہد الصالحین، استاذ العلماء والمحدثین، متبع سنت مصطفے، ولی نعمت قاسم علم شریعت و ولایت، واقف اسرار حقیقت، منبع رشد و ہدایت، آفتاب شریعت، قاطع بدعت و ضلالت، شاہسوار فقاہت، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا الحاج فقیہ اعظیم ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری رحمتہ اللہ علیہ کی جامع اوصاف شخصیت اور جملہ محاسن میں منفرد ذات کے بارے میں کیا تحریر کروں۔

سحر خیزی، شب بیداری میں، عشق و سوز میں ڈوبی ہوئی آہوں کا ذکر کروں یا خشیت الٰہی میں چھلکتے آنسوؤں کو موضوع سخن ٹھہراؤں، مسند درس و تدریس پر بیٹھے عشق و مستی سے لبریز لنڈھاتے جام پر جام کو بیان کروں یا علم و عرفان کے لعل و جواہر کا ذکر چھیڑوں۔ مقام فتویٰ پر دیکھا تو یکتائے روزگار۔ زہد و تقویٰ میں مظہر بوحنیفہ۔ مسند حدیث پر **"درست العلم حتی صرت قطبا"** کی تفسیر۔ عبادت و ریاضت میں غوث اعظم کی تصویر منیر تھے۔

صداقت و سخاوت اور شجاعت و رافت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ یہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ بندہ ناچیز نے حضرت موصوف کو قریب سے قریب تر ہو کر دیکھا۔ نو سال کا عرصہ حضرت قبلہ کی خصوصی خدمت پر مامور رہا۔ طالب علمی کے زمانہ میں وضوو غسل کرنا، تبدیلی اثیاب وغیرہ بلکہ سفرو حضر میں خادمانہ حیثیت سے ساتھ ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے حضرت کے اوصاف جمیلہ، عادات حسنہ اور اخلاق محمدیہ آپ کی عملی زندگی کے

ساتھ ساتھ دل و دماغ پر مرتسم ہوتے گئے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات علم و عمل کے میدان میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور ہمہ جہت خصائل مبارکہ کا شرح و بسط سے بیان ناممکن ہے۔ البتہ آپ کی سنت نبویہ سے وابستگی اور شریعت مصطفویہ سے ہم آہنگی نیز والہانہ انداز سے اس پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی جس طرح ہدایت و تاکید فرماتے۔ اس کی چند جھلکیاں بطور مشتے از خروار پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ خدائے لم یزل جل مجدہ' اپنے محبوب حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بندہ کی اس سعی ناتمام کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

لباس

آپ کا لباس عمدہ مگر سادہ اور سنت کے مطابق ہوتا عموماً کرتا اور تہ بند (چادر) استعمال فرماتے۔ شلوار بھی پہنتے مگر آخری ایام میں زیادہ تر شلوار کا استعمال رہا۔ فرمایا کرتے پاجامہ اور شلوار تو ہمارے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرماتے کیونکہ ان میں پردہ زیادہ ہے۔ نماز جمعہ' دیگر نمازوں' دوران سفر' محافل دینیہ اور باقی تقریبات میں سفید دستار مبارک جو کہ گندم کی بالیوں سے بنی ہوئی سنہری ٹوپی پر باندھا کرتے تھے سر پر سجی ہوتی۔ دیسی ساخت چمڑہ کی پاپوش مبارک زیر استعمال رہی گویا آپ کی پروقار مگر سادہ سی تصویر اس طرح تھی۔ سر پر سفید نوری عمامہ' پرنور چہرہ' اقبال مند کشادہ پیشانی' کماندار ابرو' مخمور آنکھیں' پرتاثیر رسیلی زبان' موتیوں کی لڑیوں جیسے چمکدار دانت' ہونٹوں پر قدرتی مسکراہٹ۔ سیاہ و سفید ملے جلے بالوں کی جچی سجی گھنی ریش مبارک' سنجیدہ مزاج' عفو و درگزر کی عادت' حلم و بردباری طبیعت میں رچی بسی' خوش اخلاقی شان کریمی کے پیکر' محبت بھری دل میں گھر کرنے والی گفتگو' متانت بھرا انداز' قلوب کو موہ لینے والا طرز تکلم' پرہیبت خوبصورت قد و قامت' آپ کی ہر ادا میں سنت مصطفویہ کا عکس جمیل نظر آتا اور دوراز تکلف ذات میں علم و عمل کا وقار ٹپکتا تھا۔ آپ

کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ آپ کے رگ و پے میں عشق مدینہ اور عشق محبوب مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سمایا ہوا تھا۔ اور اسی لگن میں لیل و نہار بسر ہوئے۔

مسواک

کون نہیں جانتا کہ مسواک آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنت ہے۔ جس وضو میں مسواک کا استعمال ہو اس وضو سے پڑھی گئی نماز کا درجہ اس نماز کی بہ نسبت جس کے وضو میں مسواک نہ کی گئی ہو ستر گنا زیادہ ہے۔ اس ثواب کے حصول اور سنت محبوب کا التزام حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے پوری زندگی والہانہ انداز سے فرمایا۔ نماز یا علاوہ اس کے حتی کہ غسل کے وقت بھی جب آپ وضو فرمایا کرتے تو مسواک لازمی استعمال فرماتے۔ قبل از وضو مسواک پیش کرنے سے اگر کچھ تاخیر ہو جاتی تو بعد از وضو خود مسواک کر لیا کرتے۔ کبھی وضو کرتے وقت کسی دینی مسئلہ پر از روئے شفقت گفتگو شروع ہو جایا کرتی۔ جس کے باعث وضو میں شرعی باتوں کے لئے جواز مہیا ہو جاتا۔ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی جامع مسجد نور کے جنوب مغربی کونہ میں مسجد کے صحن سے ملحقہ وضو خانہ (جو اس وقت نیا تیار ہوا تھا) میں وضو کرتے ہوئے مسواک کے فضائل و فوائد پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔ ارشاد فرمایا مسواک کے ستر فائدے ہیں ان میں ادنی یہ کہ جان کنی کے وقت کلمہ طیبہ کا پڑھنا نصیب ہو گا۔ ترمذی اور ابو داؤد میں حدیث پاک موجود ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جن کا اسم گرامی حضرت زید بن خالد ہے ہمیشہ مسواک اپنے کان پر رکھتے جب ضرورت ہوتی استعمال کر کے پھر کان پر رکھ لیا کرتے جب کہ عموماً" لکھنے والے قلم کو کان پر رکھا کرتے ہیں مسواک کھڑی کر کے رکھی جائے ریشوں والا حصہ اوپر کیا جائے۔ جب مسواک چھوٹی ہو جائے تو اسے یونہی نہ پھینک دیا جائے بلکہ انہیں جمع کر کے دفن کر دینا چاہئے کیونکہ مسواک محبوب اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ادائیگی کا آلہ ہے اس کا بھی احترام ضروری ہے۔ بالالتزام مسواک استعمال کرنے والے کی بینائی میں کمی واقع نہیں

ہوتی بعدہ فرمایا ''شاعر بھلا دس کھاں اگر مسواک نہ ہووے تے پھر کی کرنا چاہی دا اے۔ (شاعر: یہ بتاؤ کہ اگر مسواک نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے۔) عرض کیا دانتوں پر انگلی پھیرلی جائے اس سے سنت ادا ہو جائے گی۔ فرمایا اگر مسواک بھی کرلی جائے اور انگلی بھی پھیرلی جائے تو کیا حرج ہے؟ میں نے عرض کی مسواک کے ہوتے ہوئے انگلی پھیرنے کی کیا ضرورت ہے ارشاد فرمایا مسواک بھی سنت محبوب اور انگلی دانتوں پر پھیرنا بھی سنت ہے دونوں کرلی جائیں تاکہ محبوب کریم صلی علیہ وسلم کی دوہری سنت کی ادائیگی کا اجر حاصل ہو جائے۔

امامت و خطابت

ان حروف کو تحریر کرتے ہوئے ندامت سے سر جھکا جا رہا ہے کہ آج کل علماء و مشائخ میں پابندی کے ساتھ نماز کی ادائیگی بہت کم بلکہ جماعت کے ساتھ نماز ایک حد تک ان میں مفقود ہے۔ (الا ماشاء اللہ) مگر اس اعتبار سے حضرت قبلہ فقیہ اعظم قدس سرہ کی ذات بابرکات کو ممتاز و منفرد پایا۔ آپ مسافر ہوتے یا مقیم، تندرست ہوتے یا علیل، بارش ہوتی یا طوفان، سردی ہوتی یا گرمی کبھی بھی کسی حالت میں نماز خصوصاً نماز باجماعت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ بلکہ نماز تہجد بھی ان حالات میں باقاعدگی سے ادا کرتے۔ آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ پاکستان کی عظیم درسگاہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کا تمام انتظام و انصرام آپ کے ذمہ تھا۔ دورہ حدیث پورے اہتمام سے بلاناغہ خود پڑھاتے۔ اساتذہ طلباء کے حقوق کی نگہداشت، نظام تعلیم اور اوقات تعلیم کا تقرر، طلباء کرام کے خورد و نوش اور رہائش کا باقاعدہ بندوبست، دارالعلوم کی آمدنی و اخراجات کا مکمل حساب عملہ دارالعلوم کے وظائف کی بروقت ادائیگی، گھریلو اور دیگر عزیز و اقارب کے خاندانی مسائل، مریدین و معتقدین کے معاملات میں پوری دلچسپی علماء و فضلاء کے ساتھ ان کے مقام اور شخصیت کے مطابق حسن سلوک زمینداروں وڈیروں اور علاقہ کے سیاست دانوں کے ساتھ اپنے ذاتی منصب کے مطابق برتاؤ ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ بصیر پور شریف میں اپنی پوری زندگی خود بہ نفس نفیس خطبہ جمعۃ

المبارک اور پانچ وقتہ نمازوں کی جماعت کرواتے رہے۔ حالانکہ بیسیوں اساتذہ اور سینکڑوں طلباء میں سے کسی دوسرے کو بھی اس ڈیوٹی پر پابند کیا جا سکتا تھا۔ بلکہ دوران سفر بھی نماز باجماعت کا پورا پورا اہتمام فرماتے چلتی گاڑی میں بھی جب کسی نماز کا وقت ہو جاتا تو ریل میں جماعت کرا دیا کرتے۔ زیادہ مصروفیت، شدید علالت یا کسی مجبوری کی وجہ سے عرض کرتا، حضور! خطبہ جمعہ یا دیگر نمازوں کی جماعت کوئی اور صاحب کرا دیں گے (یوں بھی احق بالامامت پر پوری طرح عمل پیرا تھے) تو جواباً فرماتے ''تینوں پتہ نہیں؟ جمعے تے جماعتاں کرانیاں وی اللہ دے پیارے محبوب دی سنت اے'' ان عظیم تر ذمہ داریوں اور زبردست پابندیوں کے باوجود آپ مسجد کے کھاتہ یا دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے کھاتہ سے ایک پیسہ تک بھی بطور وظیفہ یا تمام کارگزاری کا معاوضہ لینا آپ اپنی ذات کے لئے روا نہ رکھتے۔ بلکہ پوری زندگی صرف مشیت ایزدی اور رضا رسول کے لئے بلامعاوضہ خدمات انجام دیں۔ اسی خلوص و للہیت اور نیک نیتی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی لحاظ سے کمی واقع نہیں ہونے دی آپ نے خود اپنے اخراجات پر بیس مرتبہ حج و زیارت کا سفر اور حاضری حرمین طیبین بلکہ زیارات بغداد و کربلائے معلے، مدائن و دمشق وغیرہ کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے۔ علاوہ ازیں خود اپنی گرہ سے اپنے کئی اعزہ و اقارب کو زاد راہ مہیا کر کے انہیں حج و زیارات کا شرف بخشا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دارالعلوم کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر حضرت رئیس المحدثین سند المحققین عمدۃ المفسرین سیدی قبلہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب الوری قدس سرہ (ناظم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور) تشریف لائے۔ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے مقتدر افاضل نے قبلہ سید صاحب کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضرت! قبلہ فقیہ اعظم محمد نور اللہ نعیمی قادری نے دارالعلوم کے تمام انتظام و اہتمام کو اپنے ذمہ لے رکھا ہے جس کی وجہ سے آپ شب و روز اسی دھن میں لگے رہتے ہیں لیکن ان تمام ذمہ داریوں اور مصروفیت کے باوجود جامعہ ہذا سے ایک پائی تک مشاہرہ یا معاوضہ وصول نہیں کرتے۔ اس پر حضرت قبلہ سید

صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت تعجب فرمایا اور فرمانے لگے کہ آج کے اس دور میں بھی ایسے باکمال لوگ سنت مصطفویہ کے حامل موجود ہیں۔ پھر حضرت فقیہ اعظم کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا حضرت! اتنی عظیم ذمہ داری کے صلہ میں اگر آپ اپنی ضروریات زندگی کے لئے کچھ نہ کچھ قبول کریں تو اس کی شرعاً اجازت ہے۔ عرض کیا حضور! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ ضروریات زندگی باحسن وجوہ پوری ہو رہی ہیں مگر حضرت سید صاحب قبلہ اور فضلاء دارالعلوم کے بے حد اصرار اور مجبور کرنے پر بارہ صد روپے ماہانہ کے فیصلہ پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی لیکن تازندگی وصول نہ فرمائی۔ یہ تھی وہ نابغہ روزگار عظیم ہستی جس پر عرش علی بھی ناز کرتا ہوگا اور یہی تھی وہ پروقار شخصیت جن کو دنیا فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ آیت من آیت اللہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

آداب مسجد

آداب مسجد کے بارے میں آپ بخاری شریف کی یہ حدیث مبارکہ اکثر سنایا کرتے **اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین** جب بھی کوئی شخص تم میں سے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (حق مسجد) ادا کرے۔

چنانچہ آپ کا معمول تھا جب بھی مسجد میں تشریف لے جاتے اگر کسی نماز کا وقت ہوتا تو سنت ادا کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کی بھی نیت فرمالیتے۔ وگرنہ تحیۃ المسجد ضرور ادا کرکے بیٹھتے اور اگر نوافل کی ادائیگی کا وقت نہ ہوتا تو آپ ہرگز نہ بیٹھا کرتے بلکہ مسجد کے آداب تحیۃ المسجد کے پیش نظر کھڑے رہتے حتیٰ کہ کامل وقت داخل ہو جاتا ایک مرتبہ موضع فرید پور جاگیر تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ (یہی وہ گاؤں ہے جس جگہ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے دارالعلوم حنفیہ کی بنیاد رکھی) میں حضرت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ میزبان کے گھر جانے کی بجائے آپ نے مسجد میں پہلے جانا پسند فرمایا۔ اذان مغرب میں ابھی کافی وقت تھا۔ میں نے صف پر جائے نماز بچھادی تاکہ آپ بیٹھ جائیں مگر آپ نہ بیٹھے

اور فرمایا۔ بعد نماز عصر نفل ادا نہیں کیئے جاسکتے اور بغیر تحیۃ المسجد کے مسجد میں بیٹھنا بھی نہ چاہئے۔ لہٰذا کھڑے رہنے میں کیا حرج تاکہ آقائے مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی پر عمل ہوجائے۔

دارلعلوم کی جامع مسجد نور کی جنوبی طرف قریب ہی ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ ایک مرتبہ اس باغیچہ کی طرف جاتے ہوئے مسجد کے صحن سے متصل راستہ سے گزر رہے تھے کہ مسجد میں چند طالب علم کسی بات پر قدرے اونچی آواز سے تکرار کر رہے تھے۔ آپ نے بلا کر سختی سے منع کیا اور فرمایا اس قدر اونچی آواز مسجد کی بے حرمتی پر دلالت کرتی ہے۔ پھر حدیث بیان فرمائی۔ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں سویا ہوا تھا کہ مجھے کسی نے کنکر مار کر بیدار کیا دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے مجھے فرمایا کہ ان دو آدمیوں کو میرے پاس بلالاؤ میں نے بلالیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا تم کون ہو اور کہاں سے ہو وہ بولے ہم طائف سے ہیں فرمایا **لو کنتما من اہل المدینۃ لا وجعتکما ترفعان اصوتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشکوۃ ۱ے** اگر تم مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں کوڑے لگاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں تم اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ بعدہ آپ نے امام اہلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا۔

فاضل بریلوی جامع مسجد بریلی میں تشریف فرما تھے کہ ایک عمر رسیدہ آدمی ہاتھ میں چھڑی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے کھڑے کھڑے اپنی چھڑی مسجد میں پھینک دی جس سے قدرے آواز پیدا ہوئی۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ نے فوراً اسے مسجد کے آداب سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔ بڑے میاں مسجد میں اس طرح لاٹھی پھینکنا بے ادبی ہے۔ لہٰذا آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا۔ اس پر وہ سخت نادم ہوا اور توبہ کی آپ کی اس گفتگو سے طلباء بے حد متاثر ہوئے اور معذرت کی۔

ذوقِ تلاوت

مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری

قرآن نور ہے اور اس پر شاہد فرمان رب غفور "**وانزلنا الیکم نورا**" **مبینا** ○ ہم نے تمہاری طرف نور مبین اتارا۔

میں قرآن پڑھوں نور ہے، آپ پڑھیں تو بھی نور ہے، زید، عمرو، بکر کوئی بھی پڑھے تو قرآن نور ہے مگر جب "محمد نور اللہ" پڑھتے ہوں گے تو کیوں نہ نور علی نور کا منظر ہوتا ہوگا۔

یقیناً سیدی و مرشدی، استاذی و ملاذی، ابی وجدی حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ "یتلونہ حق تلاوتہ" کا مصداق تھے۔ جب آپ قرآن پڑھتے تو معانی پہ آپ کی نظر ہوتی، قرآن میں یوں کھو جاتے کہ غیر کی طرف دھیان ہی نہ رہتا، دنیا و مافیہا سے یوں کٹ جاتے کہ **و تبتل الیہ تبتیلا** ○ کی عملی تصویر نظر آتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ قرآن، صاحب قرآن علیہ الصلوۃ والسلام کی نعت ہے! آپ کی میٹھی میٹھی اداؤں اور سراپائے مقدس کا بیان ہے۔ ام المؤمنین طیبہ و طاہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا فرمان ہے "**کان خلقہ القران**" قرآن آپ کے اخلاق وعادات کا نام ہے، آپ کی صورت و سیرت کا تذکرہ جمیلہ ہے "**وانہ لذکر لک**" **الایہ** قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور آپ اللہ کا ذکر ہیں حدیث قدسی "**جعلتک ذکرا من ذکری**" اس پر شاہد ہے قرآن پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد آتے ہیں اور آپ کے یاد آنے سے رحمان یاد آتا ہے، تلاوت قرآن سے پیارے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کے جلوے قلب و نظر میں سما جاتے ہیں اور انہی

جلووں میں خدا کا دیدار نصیب ہو جاتا ہے۔ **من رانی فقد رای الحق**

سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ تو انسانوں کی کہی ہوئی نعت پاک کسی عام انسان کی زبان سے سنتے تو مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگتے یہ تو پھر بھی خدائے لم یزل کا پاک اور مقدس ازلی کلام ہے تو آپ اندازہ کریں کہ قرآن کی اجلی، نکھری، شیریں اور بے عیب زبان میں نعت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ یا سن کر آپ کی محویت و کیفیت کا کیا عالم ہوتا ہوگا؟

دوران تلاوت آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی ہوتی اور گلاب جیسے رخساروں پہ موتیوں کی لڑی ہوتی۔ ایسے میں آپ کی پرنور آنکھیں ابلتے ہوئے چشمے کا منظر پیش کر رہی ہوتیں اور آپ عجز و انکساری کا پیکر بنے ہوتے تھے۔ بعض اوقات ہونٹ تھرا رہے ہوتے اور خشیۃ الیہ سے ہاتھ کپکپا رہے ہوتے۔ ایسے وقت آپ کی ذات میں "**انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء**" کا منظر اپنے جوبن پہ ہوتا۔

یہ تو تھی آپ کے خشوع و خضوع کی وہ کیفیت جو ہم جیسے ظاہر بینوں پہ ظاہر تھی۔ رہا دل کا معاملہ اور باطنی خشوع و خضوع کا عالم تو وہ عالم الغیب ہی جانے کیونکہ بندہ مومن کا دل بموجب حدیث قدسی "**لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المئومن**" اللہ کا گھر ہوتا ہے اور گھر کی خبر گھر والے سے بڑھ کر کسے ہو سکتی ہے۔

دل دریا سمندروں ڈونگھے تے کون دلاں دیاں جانے ہو

حامی سنت ماحی بدعت محی السنۃ مجلی الظلمۃ اجلی الجبھۃ اعلی الدرجہ مرد میداں شیر یزداں فقیہ زماں حضرت العلام الحاج خواجہ ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی الاشرفی القادری قدس سرہ العزیز کا اک اک قدم سنت مطہرہ کی روشنی میں اٹھتا تھا۔ آپ نے شریعت مطہرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہوا تھا محبوب پاک صاحب لولاک علیہ الصلوات والتسلیمات کی اک اک ادائے دل نشیں کو اپنے انگ انگ میں سمو لیا ہوا تھا محبوب مطلق کی الفت ہر ہر رگ و ریشہ ء جسم و جاں میں رچ بس گئی ہوئی تھی۔ شریعت آپ کا دثار اور طریقت آپ کا شعار تھی، آپ کی ذات مخزن و منبع

انوار اور شخصیت، باغ و بہار تھی۔

ساری زندگی اپنے قول و عمل سے احیاء سنت کرتے رہے اور لوگوں کو عمل بالسنۃ کا درس دیتے رہے۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا غرض کہ ایک ایک عمل مقدور بھر سنت کے مطابق تھا۔ قرآن پڑھنے کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ بڑی وارفتگی کے عالم میں اس طرح قرآن کریم پڑھتے کہ قراءت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آتی۔ سننے والوں کا ایمان جلا پاتا اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتے کہ جس کی امت کے ایک ولی کے پڑھنے میں اتنی تاثیر ہے خود اس صاحب قرآن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی قرات کا کیا عالم ہو گا؟

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کس طرح پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی قرات بڑی واضح ہوا کرتی تھی جس کا ایک ایک حرف نکھرا ہوا صاف سنائی دیتا اور واضح سمجھ آتا تھا نیز آپ یہ بھی فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرات میں وقف فرمایا کرتے، ایک ایک سانس میں کئی کئی آیات ملا کر نہیں پڑھا کرتے تھے۔ **الحمدللہ رب العلمین** ○ پر وقف کر لیتے پھر **الرحمن الرحیم** ○ پڑھ کر ٹھہر جاتے اور بروایت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لفظ کو اس کی مقدار کے مطابق کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنے والے ہزاروں لوگ جانتے ہیں کہ آپ بھی اپنے آقا و مولا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے اسی انداز میں تلاوت کیا کرتے تھے۔ جب آپ تلاوت کرتے تو خوف خدا اور خشیہ الہیہ کا مجسمہ لگتے اور قرات کا یہی وہ حسن ہے حدیث پاک میں جس کی نشاندہی کی گئی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا **ای الناس احسن صوتا للقران واحسن قراءۃ** کہ لوگوں میں سے سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا "**من اذا سمعتہ یقرء اریت انہ یخشی اللہ**" کہ جس شخص کی قرات سنتے ہوئے تو محسوس کرے کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے اور میرے ممدوح سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ میں یہ صفت بدرجہ کمال

پائی جاتی تھی۔

سچی بات ہے کہ آپ کو عشق کی حد تک قرآن سے لگاؤ اور پیار تھا گھر پہ ہوتے یا سفر میں، قریہ میں ہوتے یا شہر میں، بر میں ہوتے یا بحر میں ہر جگہ تلاوت قرآن کرتے اور قرآن کو حرز جاں بنائے رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے متعدد سفرہائے حجاز مقدس کے دوران ہوائی جہاز میں بیٹھ کر زمین و آسمان کے مابین ان خلاؤں میں متعدد قرآن پاک ختم کئے۔ آپ فرمایا کرتے کہ فضا بھی تلاوت و ذکر کی قیامت کو گواہی دے گی۔ بس جونہی رن وے پر دوڑتا ہوا طیارہ ٹیک آف کرتا اور دوش ہوا پہ سوار ہو کر محو پرواز ہوتا آپ محو تلاوت ہو کر اپنی پرواز شروع کر دیتے اور یوں جنت کے اس منظر کی عکاسی ہونے لگتی جب قاری قرآن کو جنت میں لے جا کر اس سے کہا جائے گا **اقرءوا رق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلتک عندا خرایتہ تقرءبھا** یعنی اے صاحب قرآن! قرآن پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر خوب ترتیل سے پڑھ جس طرح دنیا میں پڑھا کرتا تھا جہاں تو آخری آیت پڑھتا ہوا پہنچے گا وہی تیری منزل ہوگی۔ قرات قرآن کے حوالے سے آپ کا یہ عمل بہت سے لوگوں کے لئے تحریص و ترغیب کا باعث بنا۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر بشمول میرے بہت سے احباب کو یہ سعادت حاصل ہوئی اور انشاء اللہ العزیز حاصل ہوتی رہے گی اور یوں اس کا ثواب برابر سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پہنچتا رہے گا کیونکہ حدیث پاک میں ہے "**من سن سنتہ حسنتہ فلہ اجرہ واجر من عمل بھا الی یوم القیمتہ**" جو کوئی اچھا طریقہ رائج کرے تو اس کے لئے اس کا اپنا اجر تو ہے ہی، رہتی دنیا تک جتنے لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی اس کے حصے میں آئے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو۔

مصحف پاک ہوتا یا کوئی دوسری کتاب آپ کو مہندی رنگ یا مٹیالے رنگ کا کاغذ پسند تھا کیونکہ اس پر پڑھنے سے آنکھیں نہیں تھکتیں اور وہ نظر پہ کم اثر انداز ہوتا ہے۔ آپ نے مصحف پاک کے پندرہ پندرہ پارے علیحدہ علیحدہ دو جگہوں پر جلد کروائے ہوئے تھے۔ اس پر

تلاوت کرتے اور سفر میں بھی وہی حصہ ساتھ رکھ لیا جاتا جس پر منزل ہوتی۔ ویسے آخری سالوں میں اکٹھا ایک ہی نسخہ تھا جس پہ تلاوت کرتے۔

روزانہ منزل کی کم از کم مقدار آپ نے سوا پارہ مقرر کر رکھی تھی۔ یعنی سوا پارہ ضرور پڑھتے مزید برآں جس قدر پڑھنا ہوتا پڑھ لیتے کیونکہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے **احب الاعمال الی اللہ ادومھا** " یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ عمل ہے جس پہ ہیشگی کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔ اب اگر کوئی شخص دس پارے منزل روزانہ پڑھنے لگے اور چند دن میں ہی سپارے پہ آجائے یا سپارے سے بھی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ شروع ہی ایک پارہ منزل کرے اور اسے بالدوام ضرور پڑھے ہاں وقت ہو اور طبیعت تقاضا کرے تو زیادہ بھی پڑھا جا سکتا ہے، لیکن اصل وظیفہ کی حد وہی رکھی جائے جسے ہمیشہ نبھایا جا سکے درود پاک ہو، تسبیح و تحمید وغیرہ ہو، نوافل ہوں، تلاوت قرآن ہو یا کوئی بھی عمل ہو مذکور الصدر حدیث کو یاد رکھا جائے یہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی ثواب کی کمی ہے کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ **ان اللہ لا یمل حتی تملوا** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے نیک اعمال قبول کرتے کرتے اور ان پہ اجر و ثواب دیتے دیتے نہیں تھکتا بس تم خود ہی تھک ہار کر عاجز آجاتے ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت فقیہ اعظم اپنے تمام تر معمولات اور اوراد و ظائف میں اس چیز کا خاص خیال رکھتے، سفر میں فارغ وقت پند و نصیحت، درود پاک، تسبیح و تہلیل اور تلاوت میں صرف کرتے، گھر پہ بے شمار مشاغل کی وجہ سے وقت کی قلت کے باوجود دیگر اوراد و ظائف کے علاوہ مقررہ منزل پوری پڑھتے بلکہ زیادہ تر زیادہ ہی پڑھتے۔ عام طور پر آپ بعد از نماز عصر یا بعد از تہجد بوقت سحر قرآن مجید کی تلاوت کرتے کبھی مسجد یا مدرسہ میں بیٹھ کر اور کبھی گھر میں۔

آداب تلاوت

سورۃ الضحی سے لیکر آخر قرآن تک کسی بھی سورت کی تلاوت کرتے تو آخر میں اللہ اکبر ضرور کہتے بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کو بھی تلقین فرماتے اور یہ عمل سنت بتاتے۔ قبلہ رو

بیٹھ کر تلاوت کرتے اور دوران تلاوت کوئی کسی قسم کی بات چیت کرتے نہ سنتے۔ اس اثناء میں اگر کوئی ملنے والا آکر سلام کہتا تو آپ اسے ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے اور کسی مناسب جگہ پر ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے بعض اوقات اس کے سلام کا جواب دیتے پھر اسے سمجھاتے کہ جب کوئی شخص قرآن کریم پڑھ رہا ہو تو اسے سلام نہیں کہنا چاہئے۔

جب ایسے لوگوں میں بیٹھ کر تلاوت کرتے جو سننا چاہیے ہوتے یا آپ اکیلے بیٹھے ہوتے تو پھر ذرا بلند آواز سے پڑھتے وگرنہ آہستہ خاص کر کے ٹرین میں قریب بیٹھے ہوئے لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوتے تو ایسی صورت میں اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

باوجودیکہ زبان میں بڑی شستگی، عمدگی اور صفائی تھی اور جب کبھی کسی عربی کتاب کی عبارت پڑھتے تو ایسی روانی کہ اللہ اللہ، داد دینے کو جی چاہتا اور سننے والے عش عش کر اٹھتے بلکہ عبارت تیز اور صحیح پڑھنا تو بصیر پور کے فضلائے کرام اور آپ کے فیض یافتگان کا ہمیشہ طرہ امتیاز رہا ہے اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہے۔ مگر جب قرآن کریم پڑھتے تو ٹھہر ٹھہر کر خوب ترتیل سے پڑھتے اور ورتل القرآن ترتیلا پر عمل کرتے ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ اس طرح صاف سنائی دیتا گویا ذرا ذرا فاصلے پر موتی پروئے جا رہے ہوں۔

جب قرآن کریم ختم کرتے تو دوبارہ الحمد سے شروع کر دیتے اور سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات (المفلحون) تک پڑھ کر دعا مانگتے۔

نماز فجر پڑھاتے تو عام طور پر اس میں سورۃ البقرہ کا آخری رکوع، سورۃ الفتح کا آخری رکوع، سورۃ الحشر کا آخری رکوع یا سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ، سورۃ المنافقون، سورۃ المزمل اور سورۃ النبا وغیرہ طوال مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھتے۔ نماز فجر کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں عموماً" **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ الا یتین، واذا جاءک الذین یومنون بایتنا الا یہ، لقد جاءکم رسول من انفسکم الا یتین، ما کان محمد ابا احد من رجالکم الا یات، ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الا یات، یریدون لیطفوا**

نور اللہ الا یتین' والسماء ذات الرجع الا یات یا والضحیٰ سے لیکر آخر قرآن تک اوساط مفصل اور قصار مفصل سورتوں میں سے کسی سورت کی تلاوت کرتے۔

سری نمازوں میں آپ کی قرات کا یہ عالم تھا کہ مخافقت کے اعلیٰ درجہ میں پڑھتے کہ قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ کچھ آواز سنائی دیتی اور کہیں کہیں سے کوئی کوئی لفظ بھی صاف طور پر سمجھ آجاتا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ ایک بار اپنے استاذ محترم قبلہ عالم سید دیدار علی شاہ صاحب محدث الوری رحمتہ اللہ علیہ کے عرس پاک پہ لاہور تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا پروگرام اندرون دہلی دروازہ پرانے حزب الاحناف میں تھا اور نماز جمعہ سے قبل اس نشست کی صدارت میرے حضرت نے فرمائی شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے خطاب فرمایا۔ نماز پڑھانے کے لئے انہوں نے باصرار آپ کو آگے کھڑا کیا۔ علامہ رضوی صاحب لوگوں سے فرمانے لگے کہ حضرت فقیہ اعظم کے نماز پڑھنے کا انداز مجھے بہت پسند ہے اور میرے دادا جان قبلہ سید دیدار علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے کہ نماز کی تسبیحات اور سری قرات کی آواز قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو کسی قدر سنائی دیتی حضرت فقیہ اعظم کا رکوع و سجود' قیام و قعود اور قرآن و تسبیحات پڑھنے کا انداز ہو بہو حضرت جیسا ہے اور ان سے بڑھ کر حضرت کے تلامذہ میں سے کسی کی نماز حضرت کی نماز کے مشابہ میں نے نہیں پائی۔

عشاء کے بعد دو سنتوں کی پہلی رکعت میں آپ **امن الرسول الا یتہ** اور دوسری رکعت میں **لا یکلف اللہ الا یتہ** پڑھتے۔ یہ ہمیشہ آپ کا معمول تھا اور جب کبھی سنتوں میں یہ آیات رہ جاتیں تو دو رکعتیں اور پڑھتے اور ان دو رکعتوں میں یہ آیات پڑھتے۔

سنت فجر کی پہلی رکعت میں زیادہ تر سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے۔ وتر کی نماز کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ' دوسری میں قل یا یہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھنا پسند کرتے۔ نماز کے علاوہ آپ جب بھی تلاوت

کرتے تو قرآن کریم کھول کر اس پر سے دیکھ کر تلاوت کرتے خواہ وہ سورتیں یاد ہوتیں کیونکہ زبانی پڑھنے سے صرف پڑھنے کا ثواب ہوتا ہے مگر دیکھ کر پڑھنے سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ مصحف پاک کی زیارت کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ زبانی پڑھنا اگر ایک ہزار درجے کا باعث ہے تو مصحف پر سے دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک کے درجے کا باعث بنتا ہے۔ ویسے سب سے افضل تو یہ ہے کہ نماز میں پڑھا جائے البتہ نماز سے باہر دیکھ کر پڑھنے کا زیادہ اجر ہے لیکن اگر زبانی پڑھنا حافظ قرآن کے لئے قرآن کریم کے یاد رکھنے میں مد ثابت ہو یا زبانی پڑھنے سے قرآنی معانی میں زیادہ تفکر و تدبر اور توجہ حاصل ہو تو پھر زبانی پڑھنا چاہئے۔

آپ ہر روز صبح و شام دو ٹائم عروس القرآن یعنی سورۃ الرحمن کی تلاوت کیا کرتے تھے ایک دن آپ نے بتایا کہ شاہ رکن عالم ملتانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سورۃ الرحمن صبح و شام پڑھا کریں پھر مجھے فرمانے لگے کہ تم بھی پڑھا کرو۔

مجھے سال دو سال بعد بخار ہو جاتا تھا بخار بڑا شدید ہوتا اور اس کے ساتھ قے وغیرہ کی تکلیف بھی بڑی شدت سے شروع ہو جاتی تھی کوئی چیز کھا پی نہ سکتا۔ حتی کہ دوائی لیتا یا پانی کے دو گھونٹ پیتا تو بھی قے آجاتی۔ یہ ہمیشہ سال دو سال یا تین سال بعد تکلیف ہو جاتی اور کئی کئی دن بستر علالت پر پڑا رہتا آپ کے وصال سے ایک سال قبل کی بات ہے مجھے حسب سابق اس سال بھی بخار اور قے کی تکلیف شروع ہو گئی چنانچہ ایک دن نانا جان سیدی فقیہ اعظم میری عیادت کے لئے ہمارے گھر تشریف لائے بڑی اماں جی راقم کی نانی جان بھی پاس بیٹھی تھیں۔ آپ نے تشریف لاتے ہی پوچھا بیٹا کیا حال ہے؟ پھر آپ نے فرمایا آج میں نے ابھی سورۃ الرحمن نہیں پڑھی مجھے سناؤ اماں جی نے عرض کی اس بے چارے کو بخار ہے آپ کیوں سنتے ہیں اسے تکلیف ہو گی آپ نے فرمایا نہیں' سنائے گا' چنانچہ میں نے سورۃ الرحمن پڑھ کر سنا دی جب آپ واپس جانے کے لئے اٹھے تو اپنا عصا میرے اردگرد زور سے یوں گھمایا جس طرح کسی کو مارا جاتا ہے اور ساتھ ہی بخار کو جھڑکا کہ میرے بیٹے کی جان چھوڑ دے۔ بس وہ دن اور

آج کا دن کہ وہ سال بہ سال ہونے والا شدید بخار ایسا بھاگا کہ پھر دوبارہ پلٹ کر واپس نہیں آیا کبھی کبھار معمولی بخار تو ہو ہی جاتا ہے لیکن اس شدت کے ساتھ تکلیف کبھی نہیں ہوئی۔

حدیث پاک میں ہے قرآن سیکھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کی مثال کستوری سے بھرے ہوئے کھلے منہ والے تھیلے یا مشکیزے کی سی ہے (جس کی خوشبو اور مہک سے قرب و جوار والے سبھی لوگ مستفیض ہوتے اور مشام جاں معطر کرتے ہیں) اور قرآن سیکھ کر نہ پڑھنے والے اور چپ سادھ کر غفلت کی نیند سو جانے والے کی مثال اس توڑے کی سی ہے جس میں کستوری تو ہو لیکن منہ بندھا ہونے کی وجہ سے خوشبو کسی کو نہ آتی ہو۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے پوری زندگی نہ صرف یہ کہ خود قرآن پڑھا' سمجھا' اس پہ عمل کیا' قرآن کی خوشبوؤں کو دور دور تک بکھیرا' ان سے ایک زمانے کو معطر کیا بلکہ ہزاروں لوگوں کو قرآنی علوم سے مالا مال کر کے ہمیشہ انہیں تاکید کی کہ قرآن پڑھتے رہیں اور اس پر عمل کرتے رہیں اس امر پہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی وہ سند حفظ القرآن بھی شاہد ہے جو تکمیل حفظ پہ حفاظ کے نام آپ کے دستخطوں سے جاری کی جاتی جس میں بایں الفاظ سند پانے والے کو تلقین کی جاتی "ہمیں پوری توقع ہے کہ اگر اس نے قرآن کریم کی تلاوت باقاعدہ جاری رکھی تو انشاء اللہ تراویح وغیرہ میں کامیابی سے سنا سکے گا اور سامعین کو خوش کرے گا آخر میں ہم اس کو تاکید کرتے ہیں کہ عقائد اہلسنت و جماعت پر قائم رہتے ہوئے تقوی و پرہیزگاری کو لازم رکھے قرآن مجید پر حسب استطاعت عمل کرتا رہے اور روزانہ تلاوت کرتا رہے خصوصا" نوافل تہجد میں اور آداب تلاوت اور احترام قرآن کریم کو اپنا نصب العین بنائے رکھے اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے پر تا زیست عمل پیرا رہے دعا ہے کہ حضرت مولا تبارک و تعالیٰ اس عزیز القدر کو دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے آمین۔"

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے شعبہ حفظ القرآن دار الفرقان کی ہمیشہ ایک روایت رہی ہے اور وہ یہ کہ جب بھی کوئی طالب علم حفظ قرآن مکمل کرتا تو ختم قرآن کی

تقریب میں سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو دعوت دی جاتی آپ بے پناہ مصروفیات و مشاغل کے باوجود اس طالب علم کی دل جوئی کی خاطر کسی طرح کچھ نہ کچھ وقت نکال کر ضرور تشریف لے جاتے۔ دار الفرقان کی درسگاہ میں قرآن مجید کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا اور آپ اس حافظ کا آخری سبق خود سنتے پھر وہ آخری سورتیں پڑھتا آپ وہاں سے کھول کر قرآن مجید پر دیکھ کر سنتے پھر آپ ابتداء سے مصحف پاک کھولتے اور وہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات مفلحون تک پڑھتا آخر میں آپ دعا فرماتے۔

مجھے یاد ہے کہ میرے ختم قرآن کی تقریب میں آپ دار الفرقان تشریف لے گئے دار العلوم کے اساتذہ کرام بھی آپ کے ساتھ تھے آپ بے حد خوش تھے کیونکہ آپ کی اولاد و احفاد میں میں پہلا خوش نصیب تھا جس نے حفظ قرآن کا شرف حاصل کیا اس وقت میری عمر کوئی دس گیارہ برس تھی۔

جس طرح قرآن کریم پڑھنا مسنون ہے اس کا سننا بھی پیارے مصطفے علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے۔۔۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر اقدس پہ جلوہ افروز تھے مجھے فرمایا عبد اللہ! مجھے قرآن سناؤ میں نے عرض کی آقا میں آپ کو سناؤں؟ جب کہ آپ ہی پر تو قرآن نازل ہوا۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے سنوں۔ اللہ اللہ تربیت یافتہ بارگاہ مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء حضرت عبد اللہ بن مسعود کا پڑھنا بھی کیا خوب ہو گا؟ کہ جن کی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحسین کرتے ہوں اور کچھ سنانے کی خود فرمائش کرتے ہوں اور اپنی امت کو ان سے پڑھنے کا حکم دیتے ہوں **وما اقرء کم عبداللہ فاقرئوہ** یعنی عبد اللہ جو تمہیں پڑھائے وہ پڑھو۔ اسی طرح ایک حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص قرآن کو اسی طرح ترو تازہ پڑھنا چاہے جس طرح وہ نازل ہوا **فلیقرء بقراءۃ ابن ام عبد** یعنی اسے چاہئے کہ عبد اللہ ابن مسعود کی طرح پڑھے۔ بہر حال آپ سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کو گاہے گاہے قرآن سنانے کا

شرف حاصل کرتے رہتے تھے ایک بار سورۃ یوسف سنائی تھی۔ اور جب آج کچھ سنانے کا حکم ہوا تو آپ فرماتے ہیں میں نے سورۃ النساء پڑھی اور جب اس آیت پر پہنچا **وجئنا بک علی ھولاء شھیدا** ○ تو میں نے دیکھا کہ چشمان نبوی سے آنسو رواں تھے۔ سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کرام سے سن کر قرآن سننا مسنون بنادیا۔

چنانچہ میرے ممدوح سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس سنت پاک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے تربیت یافتہ بہت سے خدام و تلامذہ سے مختلف اوقات میں قرآن کریم سنا یہ ایک طویل فہرست ہے جس میں بہت سے نام آتے ہیں تاہم میں اپنی یادداشت یا معلومات کے مطابق چند ایک حفاظ کے نام تحریر کرتا ہوں۔ (۱) سید محمد اصغر علی شاہ صاحب (۲) حافظ رحمت علی صاحب مدنی (۳) حافظ محمد شعبان صاحب نوری (۴) حافظ نذیر احمد صاحب نوری (۵) حافظ منظور حسین صاحب نوری (۶) حافظ محمد عرفان اللہ اشرفی (۷) فقیر راقم الحروف محمد اسد اللہ نوری۔

آپ کو "علمونے علمونے" قسم کے حافظ بالکل پسند نہ تھے جن کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ بس سانس لینے کے لئے رکتے ہیں اور وقف کرتے وقت ہی کوئی ایک آدھ کلمہ سمجھ آجائے تو غنیمت ہے اکثر اوقات تو وہ بھی نہیں۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھنے کے بجائے کھاتے دکھائی دیتے ہیں حدیث پاک میں منقول ہے **رب قاری "للقران والقران یلعنہ** بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے **اعاذنا اللہ من فلک** آپ ہمیشہ ایسے حفاظ سے سننا پسند کرتے جو صاف اور صحیح پڑھتے۔

آداب سماعت

جب قرآن پڑھا جارہا ہوتا تو آپ بڑی توجہ 'انہماک اور غور سے قرآن سنتے اس دوران مکمل خاموشی سے بیٹھتے کوئی بات چیت نہ کرتے اور یوں **اذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون** ○ پر پورا پورا عمل کرتے اور دوسروں سے کرواتے۔

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا نام نامی اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا عرفا" و شرعا" آپ کی تعظیم کا مظہر ہے لہٰذا مستحسن و مندوب ہے کیونکہ تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرعا" مطلوب ہے لیکن عامتہ الناس اس قدر زور سے انگوٹھے چومنے لگتے ہیں کہ اچھی خاصی آواز پیدا ہو جاتی ہے خاص کر کے جب کافی سارے لوگ ایک ساتھ ایسا کرتے ہیں تو اچھا خاصہ شور سا ہونے لگتا ہے اس شور و غل کی وجہ سے اس عمل یعنی انگوٹھے چومنے کی روح یعنی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفقود ہو جاتی ہے اور الٹا اس عمل سے بے ادبی سی جھلکنے لگتی ہے بالخصوص جب قرآن کی تلاوت کے دوران نام پاک آئے تو پھر اس قسم کا شور و غل اور بھی نازیبا بلکہ قبیح ترین ہو جاتا ہے بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ آداب قرآن سے جاہل یا غافل اور نادان کچھ پڑھنے والے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پڑھتے پڑھتے جب اسم پاک "محمد" (علی مسماہ الصلوۃ والسلام) پر پہنچتے ہیں تو سلسلہ قرات منقطع کر کے انگوٹھے چومتے ہیں اور درود شریف پڑھ کر پھر آگے پڑھنے لگ جاتے ہیں ایسے مواقع پر سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کرنے والوں کی خوب خوب خبر لیتے اور ڈانٹتے ہوئے فرماتے یہ کیا "پچ پچ" شروع کر دیتے ہو۔ یہ چیز نام پاک اور کلام پاک کے آداب کے منافی ہے انگوٹھے تو نام پاک کی تعظیم کے لئے چومے جاتے ہیں اور اگر بجائے تعظیم کے بے ادبی کی صورت بن جائے تو چومنے کا فائدہ نہیں بلکہ سراسر خسارہ ہے۔ بس اس طرح انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگالئے جائیں کہ آواز نہ آنے پائے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی جلسہ میں جب تلاوت ہو رہی ہوتی ہے تو لوگ داد دیتے ہیں اور بعض اوقات بے تکی داد دیتے ہیں ابھی آیت ختم نہیں ہو پاتی کہ بغیر موقع محل دیکھے سامعین اللہ اللہ کہنے لگ جاتے ہیں ایسے میں آپ لوگوں کو ٹوکتے اور انہیں ایسا کرنے سے روکتے تھے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ قرآن پڑھنا حالانکہ بہت بڑی نیکی ہے لیکن جب بلند آواز سے قرآن پڑھا جارہا ہو تو دوسرے شخص کو قرآن پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ جب بہت

سے لوگ بیٹھے ہوں تو انہیں دل میں آہستہ قرآن پڑھنا چاہئے یا ایک آدمی اونچی آواز سے تلاوت کرے تو دوسرے سب لوگوں کو سننا چاہئے۔ اور اگر وہ کسی کام میں مشغول ہوں تو اونچی آواز سے پڑھنا ہی نہیں چاہئے۔ اللہ اللہ کہنے میں معاذ اللہ کوئی قباحت نہیں بلکہ بہت بڑی سعادت ہے مگر ہر کام کا کوئی موقع محل ہوتا ہے عین اس وقت جب قرآن پڑھا جا رہا ہو اللہ اللہ کہنا یا کوئی اور کلمہ زبان پہ لانا اللہ کے حکم **فاستمعوا القران وانصتوا** کی خلاف ورزی ہے۔ نمازوں کے اوقات میں بالخصوص فجر اور ظہر کی اذان کے بعد طلبہ اور کچھ دوسرے مقامی لوگ مسجد کے اندر دائیں بائیں جنوبی شمالی کمروں میں بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے اور بعض اوقات اونچی آواز سے پڑھنے لگ جاتے اسی اثناء میں آپ مسجد میں تشریف لے آتے اور ان کی آواز سن کر فرماتے کہ جاؤ انہیں روکو ان سے کہو کہ آہستہ پڑھیں اور نمازیوں کے لئے باعث خلل نہ بنیں۔

جب کسی سے کوئی آیت یا رکوع سننا مقصود ہوتا اور کوئی آیت پڑھ کر بتاتے کہ یہاں سے سناؤ تو پہلے تعوذ پڑھتے۔ وعظ و خطاب کے دوران یا ویسے جب کسی آیت سے استدلال مقصود ہوتا تو اس آیت کا کوئی لفظ پڑھ کر حفاظ سے پوچھتے وہ اس لفظ کے مابعد پڑھنا شروع کر دیتے آپ فرماتے کہ اس لفظ کے ماقبل سے پڑھ کر سنائیں یہ کام عام حفاظ کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے چنانچہ حافظ محمد حسین صاحب جو ظاہری بینائی سے تو محروم ہیں لیکن قرآن کے معاملہ میں ان کا حافظہ بڑے غضب کا ہے وہ اس وقت دارالعلوم میں درس نظامی کے شعبہ میں زیر تعلیم تھے وہ پڑھ کر سنا دیا کرتے اور سیپارہ، سورت بلکہ رکوع تک بتا دیا کرتے۔

باقاعدہ قرآن کریم کا حافظ نہ ہونے کے باوجود حفاظ کی غلطی پکڑ لیتے اور ان کی اصلاح کر دیتے قرآن کریم کی بکثرت تلاوت کے باعث قرآن کا ایک ایک لفظ آپ کی نظر میں تھا۔ ایک بار نماز تراویح میں حافظ صاحب سورہ ص کی تلاوت کرتے ہوئے غالباً" **ان یوحی الی الا انما انا نذیر مبین** ۝ اس آیت سے لفظ الا چھوڑ گئے میں نے لقمہ دیا جو انہوں نے قبول نہ

کیا سلام پھرنے کے بعد باباجی سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ لقمہ کیوں نہیں لیا؟ اب یہ دو رکعتیں دوبارہ پڑھاؤ اور ان دو رکعتوں میں جو منزل پڑھی ہے وہ بھی دوبارہ پڑھو چنانچہ انہوں نے دوبارہ دو رکعتوں میں وہی منزل پڑھی مگر جب اس آیت پر پہنچے تو پھر پہلے کی طرح پڑھ دیا بعد از سلام آپ نے فرمایا کہ تم نے پھر اسی طرح غلط پڑھ دیا ہے۔ حافظ صاحب عرض کرنے لگے کہ حضور! میں نے صحیح پڑھا ہے حافظ صاحب کے والد گرامی بھی حافظ تھے وہ بھی ڈٹ گئے کہ ٹھیک پڑھا گیا ہے آپ ذرا جلال میں آئے چہرہ قدرے سرخ ہو گیا فرمایا قرآن لاؤ آپ خود اٹھنے لگے لیکن خدام دوڑ کر مسجد کے اندر سے قرآن لے آئے آپ نے کھول کر دیکھا تو اسی طرح تھا جس طرح آپ بتاتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ کیا ہے؟ پھر حکم دیا کہ یہ دو رکعتیں سہ بارہ پڑھاؤ اور وہی پڑھی ہوئی منزل دہراؤ چنانچہ اس طرح اس رات چار رکعتیں زائد پڑھی گئیں۔

ماہ رمضان میں نماز تراویح میں سماع قرآن کا بہت اہتمام کرتے۔ ایک سال ماہ رمضان المبارک میں آپ غالباً" لاہور تشریف لے گئے واپسی پر فرمانے لگے کہ دو راتیں لاہور میں تراویح کی نماز پڑھی وہاں جو حافظ صاحب تراویح پڑھاتے تھے ان کی منزل کچھ پیچھے تھی اور یہاں منزل آگے جا رہی ہے اس طرح میری کچھ منزل سننے سے رہ گئی ہے۔ (جو غالباً" نصف پارہ تھی) تو آپ نے نمازیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں اور حافظ صاحب بھی تکلیف محسوس نہ کریں تو پہلے سے نصف پارہ دوبارہ پڑھ دیں تاکہ میری منزل پوری ہو جائے تو لوگوں نے بطیب خاطر اجازت دی اور عرض کی کہ حضور! ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ وہ نصف پارہ ہم دوبارہ سن لیں گے چنانچہ حافظ صاحب نے وہ نصف پارہ دوبارہ پڑھا۔

قرآن کریم سے متعلق حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ کی بہت سی باتیں میرے ذہن میں محفوظ و منقوش ہیں انشاء اللہ العزیز پھر کسی وقت پیش کی جائیں گی۔

الطافِ کریمانہ

مولانا محمد علی نوری

ورع و تقویٰ

عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد کبھی کبھی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ چہل قدمی کے لئے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دن آپ نے مجھے اور ایک دوسرے طالبعلم کو اپنے ساتھ لیا نیز مجھے فرمایا چھتری بھی لیتے آؤ۔ میں نے چھتری لی آپ نے دریافت کیا یہ کس کی ہے؟ عرض کیا حاجی عطا محمد دیپ سنگھ والے کی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تیرے پاس کیوں ہے؟ میں نے کہا! مرمت کے لئے! فرمایا کیا اس نے استعمال کی اجازت دی ہے۔ عرض کیا نہیں! یہ سنتے ہی آپ نے فوراً" چھتری واپس کردی اور گھر سے اپنی چھتری لائے اور سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے۔

دوسرا اس سے بھی عجیب واقعہ ہے! کہ مولانا عبدالخالق شمس اور مولانا محمد شریف بدر کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طفیل اظہر کی شادی پر آپ بھی مدعو تھے۔ آپ کے لئے ایک گھوڑی بھیجی گئی۔ مجھے اور مولانا نذیر احمد بھانجا کو آپ نے خادمیت میں لیا۔ تیسرا حصہ مسافت طے کی تو آپ گھوڑی سے اترے، مولوی نذیر احمد کو سوار ہونے کا حکم فرمایا۔ اس نے احتراماً" انکار کیا۔ تو آپ نے سختی سے فرمایا تجھے سوار ہونا پڑے گا چنانچہ حسب فرمان وہ سوار ہوا اور اتنا حصہ سفر طے کیا۔ تو اسے اترنے کا اور مجھے سوار ہونے کا حکم دیا۔ بندہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے گھوڑی پر سوار ہوا، آپ اور مولوی نذیر احمد پیدل چلتے رہے حتیٰ کہ

گاؤں قریب ہوا۔ میں گھوڑی سے اتر پڑا اور پھر آپ نے جو تھوڑا سا فاصلہ باقی تھا' گھوڑی پر مکمل فرمایا۔ میرے سامنے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر بیت المقدس کا نقشہ آگیا جس میں آپ نے اپنے غلام کو ساتھ لیا اور باری باری سواری پر سوار ہوتے رہے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے تو غلام سواری کر رہا تھا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے تھے۔ بعینہ وہی منظر آج فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خادمیت میں حقیقتاً دیکھنا نصیب ہوا۔ اسی دوران ایک فوٹو گرافر نے آپ کا فوٹو لینے کی بے حد کوشش کی مگر آپ نے اس کی کوشش کو ناکام بنادیا کیونکہ آپ کو طبعاً" تصویر کشی پسند نہیں تھی۔

مدینہ طیبہ کا زردہ

آپ تیسرے حج کی سعادت پا کر جب واپس دار العلوم تشریف لائے' بندہ دست بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے کاشانہ نور سے کھانا بھیجا۔ جسمیں زردہ بھی تھا جب آپ گھر سے دار العلوم جلوہ افروز ہوئے تو بعد از نماز ظہر آپ نے فرمایا۔ قین! تم نے زردہ کھایا ہے۔ عرض کیا جی ہاں! ارشاد ہوا' تجھے معلوم ہے یہ زردہ کہاں سے آیا! عرض کیا آپ کے دردولت سے' فرمایا! یہ زردہ مدینہ طیبہ کا تھا۔ جو تجھے کھانے کے ساتھ نصیب ہوا مجھے تعجب ہوا کہ اتنی مسافت سے زردہ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے آج ہی تیار ہوا ہے۔

مدینہ طیبہ کا پودینہ

ایک روز آپ کی خدمت میں حاجی احمد علی کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپ دورہ حدیث شریف پڑھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ چائے نوش فرمائی۔ معاً" مجھے دیکھ کر فرمایا۔ قین! اگر ایک منٹ پہلے آجاتے تو تمہیں وہ چائے پلاتے جس میں مدینہ طیبہ کا پودینہ ملا ہوا تھا۔ پرچ پیالی ابھی پاس ہی پڑی تھی میں نے عرض کیا اب بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ پرچ پیالی عطا فرمائیے۔ چنانچہ میں نے یہ پرچ پیالی لی اور آپ کے فرمان پر اچھی طرح صاف کر کے تبرک

حاصل کیا۔

غائبانہ امداد

میرا بچہ علی محمد بیمار ہوا۔ آپ سے تعویذ لیا۔ اسے صحت ہوئی مگر ایک روز تعویذ گم گیا۔ تلاش کیا مگر نہ ملا۔ رات خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تعویذ کی گمشدگی کا معاملہ خواب میں پیش کیا آپ نے فرمایا تلاش کرو گھر سے ہی مل جائے گا۔ چنانچہ حسب فرمان بیدار ہونے پر تعویذ تلاش کئے مل گئے۔ اس سے قبل ایک شیعہ شخص زیدی شاہ کے تعویذ بچے کے گلے میں ڈالے گئے تھے آپ نے خواب میں ہدایت فرمائی ایسے بدعقیدہ شخص سے تعویذ ہمیں نہیں لینے چاہئے۔ چنانچہ عمل کرتے ہوئے فوراً اس کے تعویذ اتار پھینکے۔ حقیقت ہے کہ آپ روحانی و جسمانی طور پر اپنے غلاموں کی سرپرستی فرماتے رہتے ہیں۔ جس کا بیان طاقت سے باہر ہے۔

مزدلفہ میں صدقہ

مولانا حافظ رحمت علی مدنی

حقوق پدری

حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کے تین باپ ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی والد دوسرے استاذ اور تیسرا سسر جہاں اولاد کو والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے وہاں والدین کو اپنی اولاد کے حقوق کی نگہداشت کا بھی امر دیا گیا ہے۔

نسبی والد اپنے فرزندوں کی جس طرح ناز برداری اور تکلیف کے احساس کے پیش نظر دفاعی انتظام کو ملحوظ رکھتا ہے اسی طرح روحانی باپ کو بھی اپنی روحانی اولاد کی خوشی و مسرت اور تکالیف و مشکلات کا قبل از وقت دفاع لازمی ہے جسے اساتذہ کرام عموماً نظر انداز کرتے ہیں بلکہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات پیدا ہی نہیں ہوتی کہ یہ طالب علم ہمارے فرزند ہیں اپنے ادب و احترام اور دیگر معاملات جو شاگردوں سے متعلق ہوتے ہیں ان کی طرف تو پورا پورا دھیان دلاتے ہیں مگر جو فرائض شریعت مصطفےٰ نے طلباء سے متعلق ان پر عائد کئے ہیں ادھر توجہ تک نہیں مگر ان حقوق پر فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات والا برکات پوری طرح عمل پیرا رہی کسی بھی طالب علم سے حلفیہ دریافت کریں وہ بلا تصنع و بناوٹ پکار اٹھے گا جو محبت و شفقت مجھے آپ کے سایہ عاطفت میں نصیب ہوئی وہ مجھے اپنے والدین کی پرورش میں بھی حاصل نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو طلباء و اساتذہ دار العلوم اباجی کہہ کر ہی اپنی گزارشات پیش کیا کرتے۔ نیز آپ کے مکتوبات گرانمایہ اس پر شاہد عادل ہیں کہ آپ نے

تلامذہ کو اپنے فرزندوں سے بھی زیادہ پیار دیا، محبت دی، شفقت عطا فرمائی اسی تمہید پر بندہ اپنا واقعہ عرض کئے دیتا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے لاہور جانا تھا۔ رخصت کے لئے اباجی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا اجازت دے دی جائے گی جایئے آرام کریں! میں اپنے کمرے میں آیا اور سو گیا۔ نصف رات گزر چکی تھے کہ اچانک دروازہ پر دستک سنائی دی۔ بیدار ہوا دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ گرم پانی کا لوٹا لئے جلوہ افروز ہیں مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ بیٹا! سردی کا موسم ہے اور تو نے لاہور کا سفر طے کرنا ہے اس لئے گرم پانی لایا ہوں میں نے عرض کیا حضور اتنی تکلیف آپ نے کیوں فرمائی۔ لیکن آپ نے اسے نظر انداز فرماتے ہوئے حکم دیا کہ جلدی سے وضو کرو۔ ابھی میں وضو سے فارغ ہی ہوا تھا کہ دو ابلے ہوئے انڈے اور گرم گرم چائے لے کر دوبارہ تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا آپ نے لاہور جانا ہے اس لئے یہ ناشتہ لایا ہوں۔ تاکہ آپ کو سفر کے دوران سردی کی شدت محسوس نہ ہو۔ جہاں یہ بات آپ کے اعلیٰ اخلاق پر دلالت کرتی ہے وہاں اپنی روحانی اولاد کے ساتھ محبت پدری کا مظاہرہ کر کے حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسن عمل کی مثالیں بھی قائم فرما رہے ہیں۔ جن سے اکثر اساتذہ مبرا ہوتے ہیں۔

ذوق تلاوت

فقیہ اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ کو قرآن حکیم کی تلاوت سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ آپ کے ذوق تلاوت کی ان گنت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر صرف ایک پر اکتفا کرتا ہوں۔ فقیر نے تو بارہا تجربہ کیا ہے کیونکہ جہاں مجھے آپ سے شرف تلمذ کی سعادت حاصل ہے وہاں مجھے آپ کے خادم سفر بننے کی بھی نعمت نصیب ہے۔ عام سفر بھی آپ کے ساتھ خاص کی نسبت رکھتا ہے مگر حرمین شریفین کے سفروں کا کیا کہنا۔ کیونکہ مجھے آپ کی معیت میں حرمین شریفین کے بھی کئی سفر حاصل ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ بذریعہ طیارہ سفر حج و زیارت کے لئے مجھے خادم بنایا گیا۔ فرمانے لگے حافظ صاحب! خشکی اور تری، زمین اور سمندر میں تو قرآن کریم کی تلاوت بارہا کی ہے۔ دل چاہتا ہے فضا میں بھی محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل شدہ محبوب کتاب قرآن کریم کے ختم کا شرف نصیب ہو۔ چنانچہ طیارہ کے بلند ہوتے ہی آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع فرما دی۔ اور پہلی پرواز میں تیرہ پارے ختم فرمائے۔ دوسری پرواز میں بھی اپنے ذوق تلاوت کو جاری رکھا حتی کہ خوشی و مسرت کے عالم میں فرمانے لگے۔ الحمدللہ!! فضا میں بھی قرآن کریم کی منزلیں پایہ تکمیل تک پہنچ گئیں۔ آپ کے اس مبارک عمل سے مجھے بھی تحریک ہوئی اور فضا میں تلاوت قرآن مجید میں مصروف ہو جاتا ورنہ اس سے قبل میرا ادھر دھیان تک نہ تھا الحمدللہ! آپ کے اس عملی سبق کی برکت سے میں نے بھی فضا میں ایک قرآن مجید مکمل اور پندرہ پارے تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مزدلفہ میں صدقہ

فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کو شرعی مسائل میں اس قدر عبور حاصل تھا کہ کسی بھی مسئلہ کی کوئی بھی جزئی آپ کی نگاہ فقہ سے اوجھل نہ تھی۔ چنانچہ ایک بار عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں پہنچے نماز مغرب و عشاء اکٹھی ادا کر کے آرام کرنے لگے تو نہایت سرد ہوا چلنا شروع ہو گئی احرام کی حالت میں بھی سر ننگا رکھنا لازمی ہے۔ مگر آپ نے احرام کی چادر کے ساتھ اپنے سر مبارک کو مضبوطی سے باندھ لیا ہم حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے معاً آپ نے فرمایا فقہائے کرام نے بعض مجبوریوں کے پیش آنے پر گنجائش نکالی ہے کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو سر ڈھانپنے کی صورت میں دم نہیں پڑے گا چنانچہ آپ نے انجمن خدام النبی جو اس وقت حجاج کرام کی حرمین شریفین میں غلہ وغیرہ کی سہولت کا اس طرح انتظام کرتی تھی کہ پاکستان میں حجاج کرام سے ۲۰، ۲۰ سیر چاول اور گندم کی رقم وصول کر لیتی اور وہاں رسید دیکھ کر گندم اور چاول مہیا کرتی۔ آپ نے بھی ۲۰ سیر گندم کی رقم جمع کرائی تھی چنانچہ مزدلفہ کی شب

سر پر چادر اوڑھنے کا صدقہ دو کلو گندم کی بجائے بیس سیر گندم ادا کر کے ورع و تقویٰ کی حسین مثال قائم فرمائی۔ نیز ہمارے لئے ایک ایسے مسئلے کا انکشاف ہوا جو اس سے قبل حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔

تقویٰ و خشیت الٰہیہ

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے ہماری واپسی تھی آپ نے اسی شب مجھے جگایا۔ اور فرمایا رات کا وقت ہے ہجوم کم ہو گا۔ حجر اسود کا بوسہ بآسانی حاصل ہو جائے گا۔ جاتے جاتے حجر اسود سے بھی سلام کہہ لیں اور استلام کریں۔

بیت اللہ شریف میں حاضری ہوئی۔ گو ہجوم قدرے کم تھا مگر شمع کے گرد پروانوں کی قطاریں پھر بھی کم نہیں تھیں۔ نصف گھنٹے سے زائد وقت تک استلام حجر کے لئے کوشش کرتے رہے بطور ردیف میں اپنے ہاتھ پھیلائے چل رہا تھا قریب تھا کہ آپ حجر اسود کے بوسہ سے باریاب ہوں، عین اسی اثناء میں ایک خاتون نے اپنا منہ حجر اسود پر رکھ دیا ایسی نازک حالت ملاحظہ فرماتے ہی آپ کی زبان سے یہ کلمے نکلے لاحول ولا قوۃ!! اور فرمایا مدنی صاحب آپ نے بوسہ لینا ہے تو لے لیں میں تو کعبہ شریف کے دروازے پر دعا مانگتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے شریعت مصطفےٰ کی پاسداری فرماتے ہوئے تقویٰ کو اپنا شعار بنایا اور اس عظیم مقام پر خشیت الٰہیہ کے پیش نظر ورع کی محافظت فرمائی۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را



انوارِ فقیہِ اعظم

مولانا ڈاکٹر محمد نواز نوری

اعتراف عظمت

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ جناب الحاج رشید احمد نوری بھٹی صاحب کی صاحبزادی کے نکاح پر کوٹ ادو تشریف لے گئے وہاں پروفیسر مولانا عبد العزیز صاحب فاضل عربی اور ان کے والد صاحب نے جو اچھے عالم تھے اپنی علمی دھاک بٹھانے کی خاطر آپ سے عربی میں گفتگو شروع کر دی۔ آپ بڑی متانت اور پر وقار انداز سے جواباً" عربی جملے ارشاد فرماتے مگر وہ اپنی حماقت سے تیزی دکھاتا رہا۔

رات کو مرکزی جامع مسجد میں آپ کا عظیم اجتماع میں خطاب ہوا۔ فلنولینک قبلتہ ترضھا پر بھرپور علمی بیان سے نوازا۔ اہل علم و فضل اور عوام یکساں مستفید ہوئے۔ صبح ہوئی تو باپ، بیٹا دونوں اپنی عربی دانی کی بجائے نادانی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہ ہوئے اور برملا اس مشہور مصرع کو ادا کیا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

انداز تحریر

حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نورانی تحریر و تقریر عام فہم ہونے کے باوجود علوم و معارف کا ایک جہان لئے ہوتی۔ مخصوص اور رازدارانہ انداز اپناتے تو ہر کہ و مہ کو سمجھنا مشکل ہوتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے حضرت مولانا الحاج ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب ہاشمی، فریدی مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال کے ہاں گرامی نامہ دے کر بھیجا۔ بظاہر چند

کلمات مرقوم تھے۔ مگر میں نے بچشم خود دیکھا وہ اتنے رازدارانہ تھے کہ شاہ صاحب مدظلہ کو لغات سے استفادہ کرنا پڑا اور گرامی نامہ کا مفہوم سمجھتے ہی فوری طور پر بصیرپور شریف کے لئے روانہ ہوئے اور فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے

اہتمام تہجد

حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو نماز تہجد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ سفر و حضر میں پنجگانہ نمازیں باجماعت ادا فرماتے۔ اگر تہجد بھی فرض ہوتی تو یقیناً" اس کی جماعت کا بھی فرائض کی طرح اہتمام کرتے تاہم جہاں تک ہماری دید و شنید ہے دشوار گزار سفر میں بھی تہجد باقاعدہ ادا فرماتے۔ ایک بار آپ نے مجھے فرمایا کل ہم تمہارے قریب کبیر محمد پناہ سے گزر رہے تھے کہ بس خراب ہو گئی۔ رات کا وقت تھا بارش ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی بجلی بھی چمکتی۔ سڑک کے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اب ایسی جگہ کی تلاش تھی کہ تہجد ادا کر سکوں۔ کیونکہ قضا کا خطرہ تھا۔ چنانچہ میں نے موٹا جائے نماز بس کے آگے پھیلا دیا اور نماز تہجد ادا کی اتنی دیر میں بس کی خرابی بھی دور ہو گئی اور ہم آگے روانہ ہوئے۔

تحیتہ المسجد

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا عارف والا میں حضرت مولانا غلام سرور صاحب کے عزیز کی شادی کے سلسلہ میں آنا ہوا مہمانوں کا رش تھا آپ نے صاحب خانہ کو خصوصی اہتمام کے لئے تکلیف دینا پسند نہ فرمایا۔ اپنے رفقاء سے کہا۔ آئیے ہم مسجد میں چلتے ہیں۔ دوپہر کا وقت، باوجودیکہ آپ باوضو تھے مگر مسجد کا حق ادا کئے بغیر بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ احباب نے عرض کیا حضور تشریف رکھیئے۔ آپ نے فرمایا زوال کا انتظار ہے۔ چنانچہ جب کامل وقت داخل ہوا تو آپ نے تحیتہ المسجد کے نوافل ادا فرمائے اور پھر آرام فرمایا مسجد میں داخل ہوتے ہی آپ اعتکاف کی نیت کر لیتے تھے۔

اسی طرح کوٹ ادو میں جناب الحاج رشید احمد بھٹی نوری صاحب کی صاحبزادی کا نکاح

وہاں کے رواج کے مطابق مسجد میں پڑھایا تمام لوگ معمول کے مطابق مسجد میں داخل ہوئے اور جا بیٹھے مگر آپ نے تازہ وضو فرمایا۔ نوافل تحیتہ المسجد ادا کئے اور پھر نکاح پڑھایا اور دعائے خیر سے نوازا۔

کرم بالائے کرم

میں نے حج و زیارت کے لئے مسلسل درخواستیں دیں مگر منظور نہ ہوتیں۔ قرعہ اندازی میں نام نہ نکلتا پریشان رہتا۔ ان دنوں مسجد پاک پتن چوک ساہیوال جمعہ پڑھانے آیا کرتا تھا۔ ایک جمعتہ المبارک کو مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب حکمنامہ لائے کہ جمعتہ المبارک ادا کرتے ہی بصیرپور آیئے۔ چنانچہ ارشاد کے مطابق حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا ہر سال تمہاری درخواست حج رہ جاتی ہے۔ امسال حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ صاحب نوری کے ساتھ درخواست دیتے ہیں۔ بوقت عشاء دونوں درخواستیں پر کیں اور صبح صاجزادہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی رقم کے ساتھ میری رقم بھی اپنی گرہ سے جمع کرادی۔ آپ کے پاکیزہ قلم سے پر کی گئیں درخواستیں اسی سال ہی شرف قبولیت سے نوازی گئیں۔ اس طرح مجھے حضرت ابوالفضل رحمتہ اللہ علیہ کی خادمیت میں مدینہ منورہ ماہ رمضان کے روزے نصیب ہوئے عمرے ادا کئے۔ حج مبرور کی سعادت حاصل کی اور دوبارہ مدینہ طیبہ کی حاضری کا موقعہ ملا آپ کی کس کس کرم نوازی کا تذکرہ کروں۔ انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیضان روحانی کو جاری و ساری فرمائے۔



یادگارِ سلف

مولانا حافظ نذیر احمد نوری

مرشد کامل فقیہ بے نظیر
واقف اسرار کن روشن ضمیر

کتب تاریخ و تذکرہ و سیر کے مطالعہ سے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مثال کہیں دیکھنے میں آئے۔ تاکہ ان کی سیرت و کردار کے مشاہدہ سے دل و نظر کو تسکین ملے۔ مگر اس زمانے میں یہ بات اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ بیک وقت ایسے کامل افراد کسی کو دیکھنے نصیب ہوں۔ وہ زمانہ خیر گذر گیا اب اس زمانے کا پوری شان کے ساتھ دوبارہ آنا ممکن نہیں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمین تپتی ہے تو بارش ہوتی ہے، رات کی سیاہی گہری ہوتی ہے تو صبح کا نور طلوع ہوتا ہے۔ خدا کے بندے خدا کی راہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور گمراہی و سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو خدائے غفور و رحیم کی رحمت کو جوش آجاتا ہے اور اس کی مرضی سے کوئی نابغہ روزگار وجود میں آتا ہے جس کی دید سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور جس کے فیض سے مدتوں تک امت محمدیہ مشرف ہوتی ہے ایسے کامل و منتخب اور برگزیدہ افراد ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث اور جانشین ہوتے ہیں۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

ان نفوس قدسیہ کی بدولت عام مسلمانوں کے اخلاق سنوارے جاتے ہیں، افسردہ و غمگین مخلوق ان کے اخلاق حسنہ کے پرتو سے اخلاق فاضلہ کا اکتساب کرتی ہے اور یوں وہ نفوس قدسیہ ایک ایسی سوسائٹی کو وجود میں لاتے ہیں جو اپنے دور میں خطہ ارض پر سب سے اعلیٰ اور نمایاں سوسائٹی ہوتی ہے یہ افراد کامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا احیاء کرتے ہیں ان کی نگاہ کیمیا ہوتی ہے علامہ اقبال نے ایسے ہی افراد کے بارے میں فرمایا ہے۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بلاشبہ اس عجیب و غریب کائنات اور اس گوناگوں عالم کا ہیرو صرف ابن آدم ہے جس میں خداوند کریم نے اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے۔ **ان اللہ خلق ادم علی صورتہ۔** یہ اوصاف اخلاق انسانی کا معیار ہیں اور ابتدائے آفرینش سے دنیا کے تمام معلموں اور محسنوں نے ان ہی کا درس دیا ہے اور اپنے اپنے طرز پر نوع انسانی کی سطح کو بلند کرنے کی کوششیں کیں اور انہوں نے تمام نسلی اور طبقاتی قیدوں سے بلند ہو کر انسانی برداری کی بہبودی و بھلائی اپنے سامنے رکھی۔ یہی نفوس قدسیہ گفتار و کردار میں رب کریم کی برہان اور ان کے صحیفہ زندگی کی ہر سطر احکام شریعت کے مطابق و ماتحت ہوتی ہے وہ قرآنی احکام اور اسوہ حسنہ پر عمل پیرائی میں لذت و فرحت محسوس کرتے ہیں بقول اقبال

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان مقدس ہستیوں کی رہنمائی کسی خاص طبقہ یا خاص زمانہ میں نہیں بلکہ ہر زمانہ میں مفید، صحیح اور قابل عمل ہوتی ہے۔ ان کا پیغام خزاں نا آشنا ہوتا ہے، ان کا دریائے فیض ہمیشہ جاری اور ان کی تربیت گاہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ نیز یہ نفوس کاملہ صرف اصول پیش کردینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی تعلیم اور ہدایت کو زندگی میں عملاً جاری کرکے دکھاتے ہیں اور انہی اصولوں کی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کرتے ہیں۔

دنیا میں پاکیزہ اقوال، مفید نصیحتوں اور بلند پایہ فلسفوں کی کمی نہیں؟ لیکن اس کے باوجود پر امن زندگی کی آرزو بس آرزو کی حد سے نہیں بڑھ پاتی۔ انسان نظریہ یا فلسفہ سے نہیں عمل سے بنتا ہے۔ ویسے باتیں تو سبھی بنالیتے ہیں۔

اگر کسی نظریہ یا فلسفہ کو کامیاب ہونا ہے تو اس کے پیچھے کسی عملی سیرت کا ہونا ضروری ہے۔ جو اس کی تعلیم اور اصولوں کو خود میں جذب کرکے دنیا کے لیے ایک چلتا پھرتا آئینہ بن جائے اور وہ مرد جلیل خود ایک زبردست شخصیت کا مالک ہی نہیں بلکہ اپنی شخصیت کو پگھلا کر دوسروں کے قالب میں اتار دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ صالح اور مصلح ہو، وہ کندن اور کیمیا بھی ہو پھر وہی چراغ سرچشمہ نور کہلائے گا جو اپنی لو سے چھوٹے بڑے سینکڑوں چراغ روشن کردے۔ علاوہ ازیں صبر و صداقت اور استحکام و استقلال میں یکتائے عصر ہو۔ صدق وراستی کو ایک لحظہ بھی فراموش نہ ہونے دے بقول اقبال

آفتاب کائنات اہل دل
از شعاع او حیات اہل دل

وہ پاک سیرت انسان جس کی بات بات میں علم و عرفان کی حلاوت ہوتی ہے جس کی حرکت حرکت میں تعبد کی شان جلوہ گر اور عمل عمل میں عزیمت اور حسن کاری کا بانکپن ہوتا ہے۔ مجاہدے کئے تو ایسے کہ لوگ صرف سننے کی بھی تاب نہیں لاسکتے عبادت کی تو ایسی کہ خود عبادت ناز کرتی ہے، پاک باز ایسے کہ ان کی پاکبازی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ طبیعت

میں سوز و گداز اور دردمندی اس قدر کہ گریہ نیم شبی اور آہ صبح گاہی ضرب المثل بن جاتے ہیں، دل ایسا حساس کہ کسی کو دکھ میں دیکھ کر تڑپ اٹھنا اور خلق خدا سے ہمدردی اور غمگساری ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ بادہ الست سے ان سرمستوں کی پاکیزہ زندگی تعلق باللہ کا ایک جیتا جاگتا تصور پیش کرتی ہے اور **واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا** (اور اپنے پالنے والے کے نام کا ذکر کر اور ہر طرف سے کٹ کر اسی کا ہو جا) کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

بندہ مومن ز آیات خدا ست
ہر جہاں اندر براو چوں قبا است

میرے حضور قبلہ عالم، نازش علم و عمل، مخزن تقوی و طہارت ماہر علوم اسلامیہ شیخ العرب والعجم فقیہ اعظم حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی رحمتہ اللہ علیہ انہی جلیل القدر افراد کی زریں فہرست میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

مدیر اعلیٰ نور الحبیب جانشین فقیہ اعظم حضرت مولانا علامہ الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ کے حکم کی تعمیل اور نجات اخروی کا باعث سمجھتے ہوئے چند باتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

محرم الحرام ۱۳۸۳ھ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں زیر تعلیم تھا اور میرے قبلہ عالم مہتمم دارالعلوم تھے اس دور میں طلباء کو گھر والدین سے ملنے جانے کے لیے درخواست لکھ کر پہلے صدر المدرسین مولانا الحاج ابوالضیاء محمد باقر صاحب نوری رحمتہ اللہ علیہ سے سفارش کرانا پڑتی تھی بعد ازاں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ رخصت عطا فرماتے۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ درخواست منظوم لکھی جائے چنانچہ اس امر کا اظہار میں نے اپنے شفیق و مہربان دوست و ہم مکتب حضرت مولانا علامہ الحاج محمد منشا تابش قصوری صاحب سے کیا اور ہم دونوں نے غالباً" دارالعلوم کی تاریخ میں پہلی مرتبہ منظوم درخواستیں لکھیں۔ صدر المدرسین رحمتہ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ایک رباعی لکھ کر سفارش فرما

دی۔ پہلا شعر ابھی تک یاد ہے شعر یوں تھا۔

سفارش کنم آنچہ کار من است
بدست تو رخصت بدہ یا مدہ

میری درخواست میں ایک شعر یوں تھا۔

میرے آقا کرم کی اک نگاہ ہو
مجھے دو یوم کی رخصت عطا ہو

جب درخواستیں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کی گئیں تو آپ ہر درخواست پر سفارش دیکھ کر "رخصت ہے" کے الفاظ تحریر فرما دیتے جب میری درخواست پیش خدمت ہوئی تو فی البدیہہ اس پر مندرجہ ذیل اشعار تحریر فرمائے۔

نظر کیسی حقیقی کہ مجازی
نظر کو تو سمجھ رکھا ہے بازی
نظر رخصت کا ملنا یا نہ ملنا
ٹھہرنا یا مرخص ہو کے چلنا
نظر یہ ہے کہ پابند نظر ہو
نذیرا نظر جولان نظر ہو
تمہیں رخصت ابھی ہرگز نہ ہوگی
نہ ہوگی پر ابھی ہرگز نہ ہوگی

میں اس غلط فہمی میں رہا کہ آپ نے رخصت عطا نہیں کی۔ مگر حقیقت میں آپ اپنی قربت میں رکھ کر نور کی شعاعوں سے میرے سیاہ دل کو منور کر رہے تھے۔ چنانچہ آئندہ جمعرات کو پھر درخواست پیش کی تو یہ شعر لکھ کر رخصت عطا فرما دی کہ۔

ہے رخصت تجھے حافظ بے قرار

مگر حاضری بھی رہے برقرار

ایام طالب علمی میں اکثر دل میں خیال آتا کہ لوگ دیکھا دیکھی مرید ہو جاتے ہیں میں تو اس شخصیت کی بیعت کا پٹہ گلے میں ڈالوں گا جس کی کوئی کرامت دیکھوں گا حالانکہ الا ستقامتہ فوق الکرامتہ۔ دین متین پر استقامت ہزارہا کرامتوں سے بلند و بالا ہے چنانچہ جمعتہ المبارک کی رات دار العلوم میں "سید منزل" میں سویا ہوا کیا دیکھتا ہوں؟ یوم الحساب ہے۔ ایک طرف جنت اور دوسری طرف جہنم ہے۔ ملا ئکہ ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ نفسا نفسی کا شور ہے۔ اس میدان سے فرشتے لوگوں کو جہنم اور جنت میں لیجا رہے ہیں۔ باب جنت پر کچھ فرشتے موجود ہیں جو جنت میں جانے والوں میں سے کچھ کو پکڑ کر دوزخ میں لے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اگر اکیلا گیا تو پکڑا جاؤں گا۔ میدان محشر میں ادھر ادھر وسیلہ بخشش تلاش کر رہا ہوں۔ اچانک نظر اٹھتی ہے تو سامنے بہت سے لوگ ایک جگہ جمع ہیں جب وہاں جاتا ہوں تو ان کے درمیان حضور قبلہ عالم فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سفید چمکتے ہوئے لباس میں ملبوس تشریف فرما ہیں، میرے دل کو آپ کی زیارت سے سکون ملتا ہے اور آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔ اسی دوران ایک فرشتہ آکر اعلان کرتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مولانا محمد نور اللہ صاحب اپنے غلاموں کو حکم دیں کہ وہ جنت میں چلے جائیں" آپ نے غلاموں کو حکم دیا تو وہ بھاگ کر جنت کے دروازے میں داخل ہونے لگے لیکن میں آپ کے پاس ہی حاضر رہا۔ سب سے آخر میں آپ دروازہ جنت میں داخل ہوئے میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا جب آپ کے بعد میں نے دروازے میں قدم رکھا تو بائیں طرف کھڑے فرشتے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تم نہیں جا سکتے میں نے دوسرے ہاتھ سے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ یہ میرے حضرت صاحب ہیں میں نے ان کے ساتھ جانا ہے۔ جب میں نے آپ کا دامن تھاما تو فرشتے نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میں آپ کے پیچھے جنت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک عالیشان قالین بچھا ہے اور اس پر ایک جائے نماز اور تپائی ہے۔ تپائی پر قرآن مجید رکھا ہے

آپ اس جائے نماز پر تشریف فرما ہوئے تو میں ادب سے دو زانو آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

آپ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ "حافظا توں وی آگیا ایں" (تو بھی آگیا ہے) میں نے عرض کی کہ آقا آپ کے صدقے اور غلامی میں یہ مقام مجھے حاصل ہوا۔ فرمایا "مجھے قرآن پاک سناؤ" میں نے عرض کی آقا کہاں سے پڑھوں آپ نے قرآن پاک کھولا تو چودھواں پارہ تھا۔ فرمایا یہیں سے پڑھو میں نے پڑھنا شروع کیا۔ آپ سن سن کر جھوم رہے ہیں اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اسی دوران میں میری آنکھ کھل گئی اور صبح حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ آقا مجھے بیعت فرمالیں۔ مسکرا کر فرمایا کہ دیکھ کر بیعت کر رہے ہو؟ چنانچہ میں آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا یہ آپ کی خاص مہربانی تھی کہ ایسے سیاہ کار کو سلسلہ میں منسلک فرمایا اور محسوس ہوا کہ بغیر مرشد کے کوئی زندگی نہیں۔

پیررا ب گزیں کہ بے پیرایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
گر نخواہی بروے ایں خفت وخیر
کن زخاک پائے مروے چشم تیز

میری نظر میں سب سے اعلیٰ اور ارفع وصف آپ کا رزق حلال سے اپنا، اپنے بال بچوں، طلباء اور مہمانوں کا پیٹ پالنا اور خدمت کرنا تھا جو فی زمانہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ فی الحقیقت ایک مومن بالخصوص صاحب حال کی تمام زندگی بچپن سے رحلت تک سنت نبوی سے گھری ہوتی ہے اس کا چلنا، پھرنا، بیٹھنا، اٹھنا، سونا، جاگنا، کرنا، کہنا، رہنا، عبادت و ریاضت غرضیکہ زندگی کا کوئی پہلو خلاف سنت نہیں ہوتا۔ وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ماسوی اللہ سے منقطع کر کے اپنے وجود کو اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اس طرح فنا کر لیتے ہیں کہ اگر ان میں کوئی چیز موجود ہوتی ہے تو وہ روح ہے، جو امر الٰہی ہے اور

بس۔

زہد و تقوی بے بدل، ذوق عبادت بے نظیر
ہر ادا، ہر شان، ہر خوبی میں لاثانی ہیں وہ

۱۹۵۸ء میں آپ بذریعہ ٹرین حویلی لکھا تشریف لے گئے اس وقت کا معمول تھا جب آپ کہیں تشریف لے جاتے یا واپس آتے تو طالب علم از راہ محبت و عقیدت ریلوے اسٹیشن تک الوداع یا خوش آمدید کہنے ضرور حاضر ہوتے آپ کی واپسی پر طلباء اسٹیشن پر پہنچے گاڑی رکی تو ایک ڈبے سے آپ نیچے اترے۔ طلباء نے آپ کا استقبال کیا اسی ہجوم میں ایک سائل بھی جو کہ گاڑی میں سفر کے دوران لوگوں سے مانگتا تھا۔ اترا اور آپ کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ سستا زمانہ تھا ایک آنے کا ایک پاؤ دودھ یا ایک پاؤ چنے کی دال مل جاتی تھی۔ آپ نے اس فقیر کو چار آنے کا سکہ دیا اور فرمایا کہ یہ لو اور دو آنے مجھے واپس کر دو۔ مصافحہ کرنے والوں کا ہجوم اور طلباء کا دست بوسی کرنا۔ اس فقیر نے بقایا واپس کیا اور گاڑی میں سوار ہو گیا گاڑی روانہ ہو گئی جب آپ واپس دار العلوم تشریف لائے تو ابھی تک وہ بقایا آپ کی مٹھی میں تھا آپ نے جب دیکھا تو وہ دو آنے کی بجائے تین آنے تھے آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے دو آنے دینے کو کہا تھا اس نے ایک آنہ زیادہ دے دیا ہے۔

طلباء کو ساتھ لیکر آپ اسی وقت اسٹیشن پر تشریف لے گئے اور اس سائل کو تلاش کیا لیکن وہ تو گاڑی پر سوار ہو کر جا چکا تھا۔ اس کے بعد آپ ہر روز خود اسٹیشن پر تشریف لے جاتے اور اس سائل کو تلاش فرماتے۔ مولانا الحاج منیر احمد نوری خطیب بہاول داس تحصیل دیپال پور بیان فرماتے ہیں کہ تیسرے دن وہی سائل اسی گاڑی سے نیچے اترا تو طلباء جو کہ آپ کے ساتھ اسے روزانہ تلاش کرتے تھے۔ بولے حضور وہ سائل ہے۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور کمال محبت سے فرمایا "بھائی اس دن میں نے تجھے چار آنے دیئے اور دو آنے واپس کرنے کو کہا جب کہ تو نے تین آنے واپس کئے یہ اپنا ایک آنہ لے لو۔



اس پر فقیر نے کہا کہ حضور میں نے دو آنے ہی دیئے ہوں گے اور وہ لینے پر رضامند نہ ہوا آپ نے محبت بھرے الفاظ میں اسے کہا کہ "سختی ایہہ ہک آنہ تیرا ہے" (یہ ایک آنہ تیرا ہے) جب اس نے لے لیا تو آپ نے شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

الغرض شائد ہی کوئی خوبی ہوگی جس سے آپ موصوف نہ ہوں آپ صوری و معنوی طور پر سرور کائنات کے اخلاق و شمائل کا نمونہ تھے۔ آپ کی عادات کریمہ کا خلاصہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اتباع سنت، فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامتی، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت و نظافت، جسم میں طہارت، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت شعاری، قول میں پختگی، وعدہ کی پاسداری، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں شائستگی، تمدن میں توازن، معیشت میں عدل و مساوات، عہد و پیمان میں وثوق، غرضیکہ آپ کی دیانت، شرافت، سعادت، محنت، خلوص، سادگی، صبر و شکر، رزق حلال طیب، عوام سے اجتناب، امراء و روسا سے علیحدگی، بزرگوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت، غریبوں اور محتاجوں سے ہمدردی اور دل جوئی، وقت کی پابندی، جلوت حسین، تواضع میں کمال، مہمان نوازی مثالی، جھگڑوں سے پرہیز، ہمسایوں سے نیک برتاؤ وغیرہ،

تاقیامت گر بگویم زیں کلام
صد قیامت بگذرد ایں نا تمام



۷۸۶
۹۲

لکھا بتاریخ ۶ ربیع الاول ۱۳..ھ

عزیز اخص الخواص الحاج ابو الفیض النوری سلمہ ربہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رسالہ کارڈ اب
جلد جلد ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب ضعف ونقاہت
دور فرمائے اور سب کو خدمت دین متین اور نشر
اوصاف سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وبارک وسلم
میں اور زیادہ انہماک
لگا رکھے۔ کاش یہ مشت خاک بقیع الغرقد میں حاضری
پا سکے۔ اللھم ارزقنی شہادۃ صادقۃ فی بلد المحبوب الصادق المصدوق
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبوب البلاد وآباد آباد رہے آپکی معیت
ناں کہاں پہنچ گئے وللہ الحمد والمنہ۔

کل الفقیر ... ضرور ... لاشیں ... سب کو سلام
دعا دہندہ والسلام الفقیر ابو الخیر النوری غفرلہ

تجلیاتِ عشق

مولانا محمد عارف نوری

سیدی و مرشدی حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کسی بھی پہلو سے محتاج تعارف نہیں۔ لیکن آپ کا سب سے ممتاز اور نمایاں وصف حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہر چیز کا بے حد احترام کرتے' اس نسبت کے تمام تقاضے پورے آداب سے بجالاتے' خصوصاً" مدینہ طیبہ سے محبت و عشق کا تو کہنا ہی کیا۔ درس و تدریس' وعظ و تذکیر' پند و نصائح الغرض کسی بھی موضوع پر گفتگو فرما رہے ہوتے اس کا رخ بڑے حکیمانہ انداز میں شہر محبوب کی طرف موڑ لیتے اور سامعین پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی عنوان بالا پر بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر

مشتے نمونہ از خروارے

ایک دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جب دار العلوم کا نیا دار الحدیث جو اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے مثالی ہے زیر تعمیر تھا تو اس دوران میں آپ نے مجھے فرمایا! عارف! اس دار الحدیث کے لئے نہایت خوبصورت اعلیٰ اور عمدہ قالین خریدنا ہے! عرض کیا۔ حضور! قالین بہت قیمتی ہیں۔ یہ سنتے ہی آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے! "قالین لانا ہے اور اس وسیع و عریض ہال میں بچھانا ہے اگرچہ کتنا ہی مہنگا کیوں نہ ہو! کیونکہ حضور کی جلوہ گری ہو تو آپ اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں۔ بے شک محبوب اکرم کی شایان شان تو نہیں بچھا سکتے مگر اپنی بساط بھر تو عمدہ سے عمدہ فرش راہ کریں!" اللہ اللہ

لاؤ کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کی یہ داستان

عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز فکر اور تخیل پرواز کس قدر حسین اور محبوب ترین ہوتا ہے جو دوسروں کے لئے بھی محبت کی راہیں کھولتا چلا جاتا ہے۔

فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ بھی ایسے ہی مسحور کن تصورات میں محو رہتے۔ ان کی نگاہوں میں گنبد خضراء کے جلوے رچ بس گئے تھے' بسا اوقات دوران اسباق پکار اٹھتے۔

نہ مرنا یاد آتا ہے نہ جینا یاد آتا ہے
محمد یاد آتے ہیں مدینہ یاد آتا ہے

کبھی کبھی خواص سے فرماتے! بظاہر میں تمہارے پاس ہوں مگر دل مدینہ طیبہ میں ہے' بلاشبہ آپ کا سینہ محبت مصطفیٰ کا مدینہ بن چکا تھا۔ حقیقتاً فنافی المدینہ تھے۔ طلباء دارالعلوم کو محض ایک مدرسے کے سٹوڈنٹ ہی تصور نہ کرتے بلکہ طلباء کرام کو مہمانان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے اور ویسے ہی پھر حق بجالاتے۔ جب تک طلباء کھانا نہ کھالیتے اہل خانہ اور صاجزادگان کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ آپ بھی بعد میں ہی تناول فرماتے۔ اور اگر علالت وغیرہ کے باعث کبھی پہلے کھانے کی نوبت آجاتی تو منتہی طلباء سے فرماتے کیا مجھے کھانا کھانے کی اجازت ہے! فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جس منزل پر آپ فائز تھے اس کی قدم قدم پر حفاظت وصیانت کے مظاہرے نظر آتے ہیں۔

درس حدیث کو غذائے روح اور پیغام محبت سمجھتے' دارالعلوم کے ایک خادم کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے' فرمایا کرتے یہ مدرسہ میرا نہیں بلکہ محبوب مدینہ کا ہے وہ خود چلا رہے ہیں چلاتے رہیں گے۔ دارالعلوم کی کوئی جائیداد اور میری کوئی جاگیر نہیں۔ دارالعلوم کی جائیداد صرف اور صرف نبی اکرم کا سایہ رحمت ہے اور میری جاگیر در مصطفیٰ کی گدائی!! آپ کی شفقت و عنایت جو احقر پر ہے بیان نہیں کر سکتا آپ ہی کی نگاہ کرم سے مجھے عزت و شہرت ملی۔ تھوڑے سے عرصہ میں ملک و بیرون ملک ایک نامور خطیب کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کا درس و تدریس کے علاوہ سفر و حضر میں تلاوت قرآن کریم اور وظیفہ درود شریف معمول رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیضان سے ہمیں حظ وافر عطا فرمائے۔

مدینہ پاک کی بارش

مولانا غلام مصطفےٰ نوری

میری خوش بختی کہ مجھے مدینہ طیبہ میں خاکروبی کی سعادت نصیب ہوئی' ایک عرصہ تک حضور کے محبوب شہر میں ملازمت کا بہانہ رہا۔ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ حجاز مقدس میں زیادہ تر مدینہ منورہ ہی میں قیام فرماتے' امسال بھی حسب معمول عاشق حبیب کریم' محدث عظیم' سیدی و مرشدی کی مدینہ طیبہ تشریف آوری اور بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا پتہ چلا۔

عشاء کی نماز کا وقت تھا' نماز ادا کی اور اپنی ڈیوٹی کا خیال دامن گیر ہوا۔ مگر فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کا سن کر ڈیوٹی سے صرف نظر کرتے ہوئے قدموں کو آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے حرکت دی۔ کشاں کشاں باب العوالی کی طرف چلا' موسم بڑا سہانا تھا اور پھر یہاں کا موسم! اللہ اکبر۔ ہمیشہ ہی سہانا رہتا ہے' بارش ہو رہی تھی جس کی قدر و منزلت دل عاشق سے پوچھیے' میں تو نابلد تھا بھیگتے بھیگتے آپ کی قیام گاہ پر پہنچا' رات خاصی گزر چکی تھی' دل دھک دھک کر رہا تھا کہیں اس بے وقت کی راگنی سے فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ استاذی و مرشدی کے آرام میں خلل واقع نہ ہو جائے' اور یوں بھی شرمسار ہو رہا تھا کہ آپ نے اگر فرمایا غلام مصطفےٰ! اتنی دیر؟ تو کیا جواب دوں گا بس ایسی رام کہانی میں در دولت پر جا دستک دی!

آپ کے خادم نے آتے ہی میرا نام لیا! اور معاً کہا حضرت نے دستک سنتے ہی فرمایا تھا

جاؤ باہر غلام مصطفے آیا ہے نام دریافت کر کے انہیں اندر لے آئیں۔ میں حیران تھا ظاہر ہے خادم اس سے بھی زیادہ تعجب میں ڈوب چکا تھا، کہنے لگا۔ حضرت کو کیسے معلوم ہوا! میں نے کہا تفصیل میں نہ جائیے ہمارے ساتھ بارہا ایسے مواقع پیش آئے ہیں۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی اور میں خود بھی تو مدینہ طیبہ کی بارش سے سر تا پاؤں شرابور تھا۔ ایسی حالت میں مجھے دست بوسی مرشد کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کی کریمانہ ادا جو بن پر تھی، مجھے سینے سے لگایا۔ انتہائی شفقت سے اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر قرب میں جگہ مرحمت فرمائی اور پھر عشق مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بادل برس پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور اپنے سرانور سے اپنا پاکیزہ رومال اتار کر میرے پاؤں پر سے بارش کا پانی رومال میں جذب کر رہے ہیں۔ میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کیا چاہتا تھا کہ آپ نے فرمایا! بس بس۔ کوئی ایسے کلمات نہ کہہ دینا جو پاکستان میں بارش کے وقت لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ بارش کا پانی، گلیوں وغیرہ سے ناپاک ہو جاتا ہے!! نہ نہ۔ یہ مدینہ کی مقدس گلیوں کا معاملہ ہے۔ یہ شہر محبوب کی بارش ہے اس کی قدر و منزلت کا کیا کہنا۔ اس وقت میری کیفیات کا کچھ نہ پوچھئے۔ یوں بھی یارائے بیان نہیں۔ مدینہ پاک میں میری وہ رات، سرمایہ حیات اور توشہ آخرت ہے جس کی لذت و شیرینی کبھی نہیں بھولے گی۔ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ایسے عاشقانہ واقعات ان گنت ہیں جنہیں کسی دوسری نشست کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔

سمندر میں محفلِ میلاد

حافظ محمد طاہر رحمانی

پہلی ملاقات

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا شوق مجھے حاجی کیمپ کراچی لے گیا۔ چونکہ آپ کی بلند مرتبت شخصیت سے متعلق علماء و مشائخ اور فضلائے دار العلوم سے بہت سی بزرگی کی باتیں سن چکا تھا۔ میری سعادت کا ستارہ چمکا۔ مولانا محمد یار گوہر کی وساطت سے فقیہ اعظم کی خدمت میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ جب ہم حاجی کیمپ آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے پہنچے آپ مسجد میں نماز ادا کرنے جا رہے تھے۔ فرمانے لگے انتظار کریں میں آ رہا ہوں۔

نماز ادا فرما کر آپ تشریف لائے، نہایت شفقت و محبت سے نوازا اور فرمایا حافظ صاحب نعت شریف سنائیے۔ جب میں نعت پڑھ رہا تھا آپ پر رقت طاری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عشق آپ کو تھا اس کی عملی تصویر واضح ہو رہی تھی، اسی اثناء میں بارگاہ رحمتہ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم میں باریابی اور حج کعبہ کے حصول کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کوئی انتظام وغیرہ ہے میں نے نفی میں سرہلایا۔ فرمایا کوشش کرو کام بن جائے گا۔ حالانکہ اس سے قبل میرا سفر حج کے لئے ارادہ تک نہ تھا۔ آپ کے ملفوظات مبارکہ میرے دل پر نقش ہو گئے اور یقین کاملیت کی صورت اختیار کرتا گیا گھر آیا تو رقم قلیل تھی تاہم انتظام کرنا شروع کیا۔ اپنے ایک دوست جناب صوفی عبد الکریم کے گھر صدر کراچی پہنچا۔ تمام ماجرا سنایا۔ موصوف نے آئندہ سال کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس سال کوئی حج زیادہ فرض تو

نہیں! تاہم میری حالت پریشانی دیکھ کر میاں بیوی اندر گئے اور مطلوبہ رقم لاکر میرے سپرد کی ساتھ ہی کہامدینہ شریف ہمارے لئے بھی دعا کرنا!

دوسرے دن حاجی کیمپ افسران سے ملا' سیٹ کے لئے عرض کیا۔ مگر سیٹ کہاں سے ملتی جب کہ وقت پر درخواست ہی نہیں گزاری تھی۔ سارا دن پریشانی اور سوچ وبچار میں گزرا پچھلے پہر کیموڈور سلیمی صاحب کے گھر پہنچا۔ وہ گھر پر نہیں تھے۔ اس کی بیوی سے اپنی کیفیت بیان کی۔ میری باتوں کو بڑی توجہ سے سنا۔ ڈرائنگ روم میں بٹھایا چائے پیش کی اور وعدہ کیا کہ جب تک صاحب تمہارے لئے سیٹ کا انتظام نہیں کریں گے انہیں کھانا نہیں دوں گی۔ تھوڑی دیر بعد سلیمی صاحب اپنی گاڑی پر گھر تشریف لائے' حسب وعدہ اس کی بیوی نے علیحدگی میں کہاجب تک اس نابینے حافظ صاحب کے لئے سیٹ بک نہیں کریں گے کھانا نہیں دوں گی۔ جناب سلیمی صاحب نے مجھے اسی وقت گاڑی میں بٹھایا۔ حاجی کیمپ لائے میری رقم جمع کرائی اسی دن ہی پاسپورٹ اور دیگر جملہ دفتری امور طے کرادیئے۔ ایک ہی دن میں حج و زیارت کی روانگی کا پروانہ مل گیا۔ اس میں میری سعی وکاوش سے زیادہ حضرت قبلہ فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کی دعاو نگاہ کرامت کا عمل دخل تھا۔ آپ کا فرمان کوشش کروانتظام ہو جائے گا۔ حقیقت میں انتظام تو ملاقات کے وقت ہی آپ نے کردیا تھا۔ یہ کوشش تو ایک بہانہ تھایوں بھی السعی منی والاتمام من اللہ پر آپ کی نظر تھی۔

جب منظوری کی خوشخبری آپ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ القصہ جہاز منزل مقدس کی طرف رواں ہوا۔ میرا کمرہ فقیہ اعظم کے کمرہ کے عین سامنے تھا۔ مولانا ابوالفیض علی محمد صاحب نوری بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جہاز کی مسجد پر صلوۃ وسلام سے چڑ رکھنے والے قابض تھے۔ مگر ہم نے باجماعت الگ نماز پڑھی فقیہ اعظم کی پرکشش اور بزرگ شخصیت کے اثرات جہاز کے عملہ اور حجاج پر نمایاں ہونے لگے۔ پورا عملہ ہماری بے حد عزت کرتا بڑے احترام سے پیش آتا۔ بناء علیہ ایک شب جہاز میں محفل میلاد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام وضع کیا۔ مخالفین آڑے آئے لیکن عشاقان مصطفے کی

کثرت کے باعث ان کی دال نہ گلی۔ جہاز کے کپتان سنی صحیح العقیدہ تھے۔ ان کے حکم پر سرکاری طور پر جہاز کے لاؤڈ سپیکر سے اعلان نشر ہوا کہ آج رات بعد نماز عشاء جہاز میں محفل میلاد منعقد ہوگی۔ چنانچہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں محفل میلاد کا تلاوت قرآن کریم سے آغاز ہوا۔ نعتیں پڑھی گئیں۔ تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جہاز کے کپتان نے اپنے بیان میں کہا۔ یہ لوگ قائد اعظم کا دن منانے کو شرک نہیں کہتے مگر افسوس کی بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منانے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ کتنی ناانصافی ہے۔ پھر علامہ ابوالفیض علی محمد صاحب نوری مدظلہ کا نورانی وعظ ہوا۔ ان کی مترنم اور جاندار آواز نے سامعین پر اتنا اثر کیا کہ جہاز سے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے سمندر کی فضا گونجنے لگی۔ آخر میں فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی عاشقانہ انداز میں پرکیف تقریر پر تاثیر نے دلوں کی دنیا بدلنی شروع کردی۔ میلاد مصطفے کا اتنا شیریں' موثر اور جامع بیان زندگی بھر نہ سن سکا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ سمندر علم و عمل کے موتی بکھیر رہا ہے۔ عجیب عالم تھا' حجاج کرام کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ میرا دل باغ باغ ہوا جا رہا تھا کہ سمندر میں محفل میلاد منعقد ہے۔ القصہ زائرین نے رضا کارانہ طور پر ساڑھے آٹھ صد روپے تبرک کے لئے پیش کئے فقیہ اعظم نے اپنی جیب خاص سے یکصد اور کپتان صاحب نے پچاس روپے عنائت فرمائے۔ اس رقم سے جہاز کے باورچی سے دو من فروٹ کیک تیار کروائے گئے۔ اور اختتام محفل پر صلوۃ و سلام ہوا۔ حضرت نے دعائے خاص سے نوازا۔ حاضرین میں تبرک تقسیم کیا گیا۔ جہاز میں ہر عاشق اس محفل کے روحانی و مادی تبرک سے متبرک ہوا۔ القصہ میرا یہ سفرحج آپ ہی کے ملفوظات کا کرشمہ ہے۔ اور بھی بہت سی باتیں اس قابل ہیں کہ پیش کروں تاہم صاحبزادہ صاحب کے فرمان پر انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کے فیضان روحانی سے ہمیشہ نوازتا رہے۔

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شناخت تھی

مولانا ابو الفیض علی محمد نوری

حضور سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ ان علمائے ربانیہ میں سے تھے جو عصر حاضر میں پیارے حبیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے صحیح وارث و محافظ ثابت ہوئے جنہوں نے اپنی زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس شان سے گزاری جو آئندہ نسل کے لیے سنت محمدیہ اپنانے کے لیے نہایت خوبصورت مثال بنی رہے گی کیونکہ آپ سنت رسول کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ نے تمام عمر سنت رسول کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ میں بچپن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ یہ مدرسہ فرید پور جاگیر میں تھا۔ حضور کا تقوی، آپ کی پرہیزگاری اور آپ کے لیل و نہار دیکھے چونکہ ہم چھوٹے طالب علم تھے اور ابتدائی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بھی کچھ خاکے ذہن میں آئے تو میں نے اس بچپن میں حضور کو دیکھا۔ یہ تصور کیا کہ جس طرح آج حضور سیدی فقیہ اعظم سنت مصطفے کا درس دیتے ہیں۔ شریعت مصطفے سکھاتے ہیں۔ شاگرد اور مرید پروانہ وار گرد پھرتے ہیں تو دل یوں محسوس کرتا جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صحابہ کرام بھی یوں پھرتے ہوں گے۔ اور آپ پیارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پاک کی زندہ تصویر ہیں۔ آپ نے پوری عمر علم دین پڑھایا اور علم پر عمل کا عملی درس دیا۔ آپ نے اپنے غلاموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت کی دولت عطا فرمائی۔ آپ نے غلاموں کی تربیت و

اصلاح پر بھی خصوصی توجہ دی۔

ایک مرتبہ ہماری انجمن کی سالانہ میٹنگ تھی اور سال کے بعد جو دوست آتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے خیریت اور احوال پرسی میں کچھ دیر ہو جاتی ہے۔ نماز، جلسہ اور دیگر جو بھی زندگی کے پروگرام تھے آپ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ ٹائم کی پابندی فرماتے۔ ساری عمر آپ نماز خود پڑھاتے رہتے۔ جماعت ہو گئی، کچھ میرے جیسے گنہگار ساتھی جماعت سے رہ گئے۔ حضرت نے ہم سب کو بلا لیا بس پھر کیا تھا۔۔۔۔ قادری شیر جلال میں آگیا۔ آپ میں جلال قادری کی نمایاں جھلک تھی۔ آپ لاخوف کی زندہ تصویر تھے لاطمع اور لاخوف فقیہ تھے۔ آپ کو کوئی طمع نہیں لالچ نہیں۔ زندگی بھر کسی نواب کے دروازے پر نہیں گئے۔ کسی نواب کے دروازے پر دستک نہیں دی۔ میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے باجلال لوگ آپ کی خدمت میں آکر بیٹھے ہیں۔ پرواہ ہی نہیں کہ کون آیا اور کون گیا۔ خدائے ذوالجلال کی ذات پر پورا پورا بھروسہ اور توکل تھا۔ تو خیر آپ نے فرمایا کہ تم جماعت سے کیوں رہ گئے۔ پہلے تو آپ نے پورے جلال کے ساتھ ہمارا خون پسینہ ایک فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔۔ روتے ہوئے فرمایا۔

"اگر تم سنت رسول پر عمل نہیں کرو گے۔ جماعت کے سلسلے میں سستی کرو گے تو کل کو میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تمہیں کیسے پیش کروں گا؟"

تو گویا آپ نے اپنے غلاموں کو اس طرح تربیت دی اور اس طریقے پر تیار کیا کہ کل کو یہ پوری جماعت حضور کی بارگاہ میں پیش کی جائے گی کہ یا رسول اللہ یہ غلام تیار کر کے لایا ہوں۔ آپ کے فیضان نگاہ سے کتنے ہی گنہگار فاسق و فاجر، جاہل، اجڈ اور اناڑی لوگ عالم باعمل، متقی، پرہیز گار، محدث اور محقق بن گئے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

خلاصہ یہ کہ اتباع رسول، تقوی و طہارت اور استقامت فی الدین ان کی سب سے بڑی خصوصیت اور عشق مصطفیٰ ان کی شناخت و علامت تھی۔۔۔۔ اس محبت و عشق کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ تحریر ہوتی یا تقریر، ذکر مصطفےٰ اور ذکر مدینہ ان کے قلم اور زبان پر جاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ راقم کے نام آپ نے گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

سلام و دعا کے بعد اس عاشق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے قلم کا رخ یاد محبوب پاک کی طرف پھر گیا اور بڑی بے ساختگی کے ساتھ تحریر فرمایا۔

"کاش یہ مشت خاک بقیع الغرقد میں حاضری پا سکے۔ "**اللھم ارزقنی شھادۃ صادقۃ فی بلد المحبوب الصادق المصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابا ک اباک اباک معی**"

یہاں تک تحریر فرمایا تو اچانک خط کی طرف متوجہ ہوئے تو لکھا "ہاں کہاں پہنچ گئے وللہ الحمد والمنۃ"۔ (اس مکتوب گرامی کا عکس اسی شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے آپ کی شخصیت جامع کمالات نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقیہ اعظم مرد حق آگاہ بود — واقف اسرار الا اللہ بود
آں غواص بحر عشق مصطفیٰ — یافتہ درہا ازاں بے انتہاء
وصل محبوب خدا ارمان او — حب احمد دین او ایمان او
بارہا یابندہ دیدار رسول — ناشر قرآن و گفتار رسول
حج بیت اللہ بہانہ کردہ بود — در حقیقت قصد جاناں کردہ بود



آہ سوزاں چشم گریاں زار زار	در فراق مصطفیٰ او بیقرار
پیکر صدق و صفابد شانِ او	آتش عشق نبی در جان او
نائب غوث الوریٰ صاحب کمال	مرشد کامل فقیہ بے مثال
فیض او جاری و باقی لایزال	شد ہزاراں از نگاہش باکمال
از نگاہش شد ہزاراں اولیاء	سالکاں ہم یافتہ راہ صفا
سینہ اش تاباں ز نور اللہ شد	جانشین او محب اللہ شد
گنج حکمت معنوی صوری شدند	خاکیاں در یک نظر نوری شدند
از نگاہش باصفا با فیض شد	ایں گدائے بے نوا ابوالفیض شد

حضرت فقیہ اعظم کے حالات پر تاریخی دستاویز

تذکرۂ جلیلہ

تحریر: استاذ العلماء حضرت مولانا الحاج

ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: محمد منشا تابش قصوری

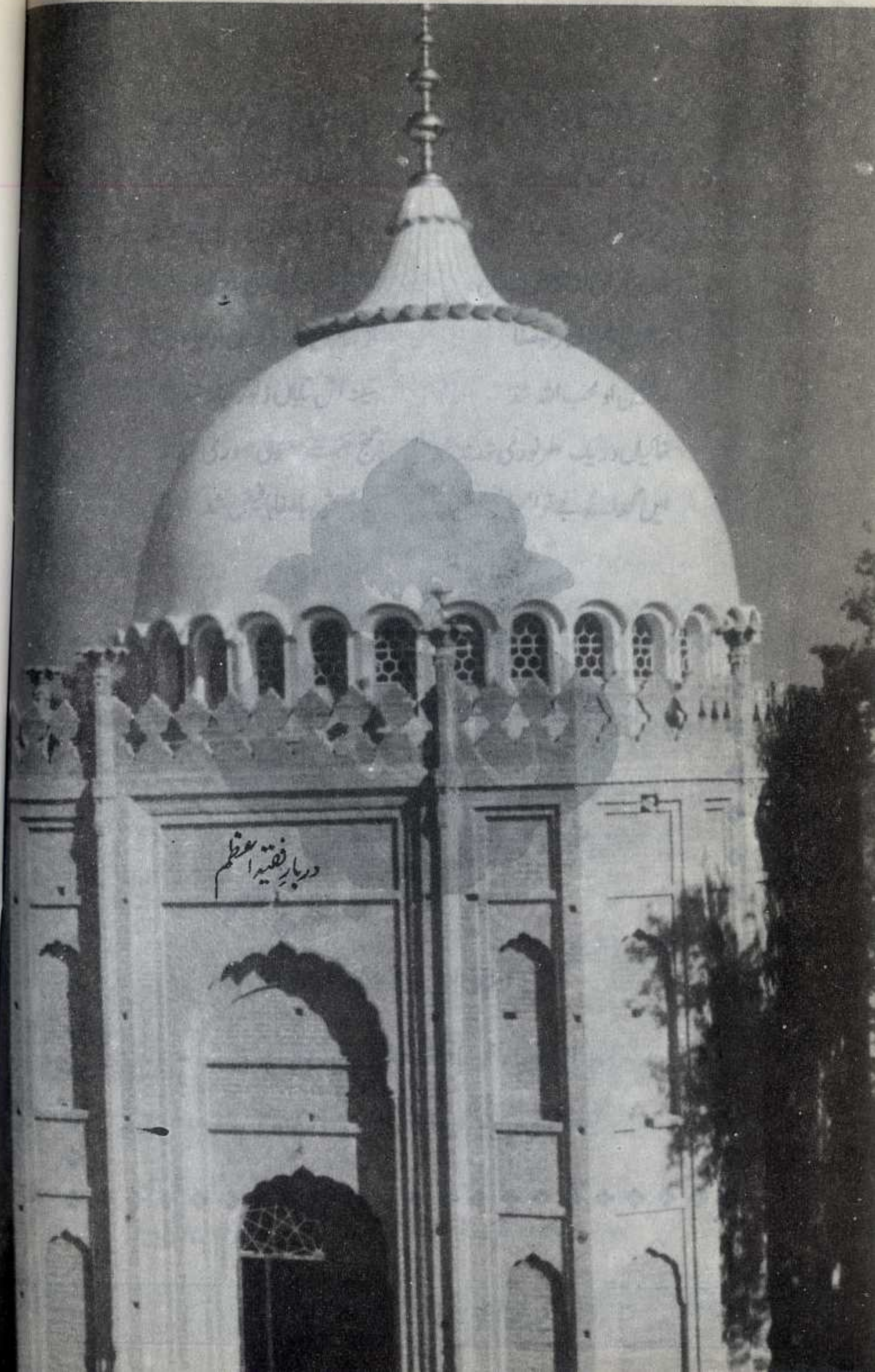
ولی را ولی می شناسد

مولانا قاری مسرور احمدؒ

۱۹۸۲ء میں جب حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو اکثر ڈاکٹر اور عقیدت مند حضرات نے اپریشن کیلئے بارہا عرض کیا حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا استخارہ کریں گے کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر اہم کام کے لیے استخارہ فرماتے تھے اور یہ سنت محبوب کبریا ہے۔ آخر استخارہ میں اجازت ہونے پر آمادگی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ ملتان میں آپریشن کروانا ہے یہ اس لئے فرمایا کہ لاہور میں معتقدین بہت تھے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور آرام کرنے کا وقت بھی نہ ملتا جب کہ اس حالت میں آرام بہت ضروری ہوتا ہے۔

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ علاج اچھے عقیدہ اور نیک خصال معالج سے کروایا جائے یہاں بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اللہ کریم نے یہ مشکل بھی حل فرمادی اور ایک نیک خصلت اور بزرگوں کے عقیدت مند ڈاکٹر محمد اکمل ساھو سے چیک اپ کروایا جو کہ براعظم ایشیا کے سب سے بڑے ہسپتال نشتر میڈیکل کالج کے بہترین سرجن تھے ڈاکٹر صاحب نے پرائیویٹ ملتان ہسپتال میں داخلہ کے لیے کہا جو کہ ڈاکٹر محمد ذکی صاحب کی زیر نگرانی چل رہا تھا ڈاکٹر محمد اکمل صاحب اس ہسپتال میں اکثر مریضوں کا آپریشن کیا کرتے تھے۔

آپریشن سے پہلے مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ



اللہ علیہ نے مجھے اور صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ صاحب، مدظلہ کو اپنے کمرہ میں بلایا اور سب کو باہر جانے کا حکم دیا اور مجھے ارشاد فرمایا کہ جب باباجی حضرت مولانا الحاج ابو النور محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ کا آپریشن ہونے والا تھا تو اس وقت حضرت باباجی نے تمہارے والد مولانا سراج الدین اور مجھے الگ بلا کر فرمایا تھا کہ آپریشن میں میری زندگی کا پتہ نہیں لہٰذا اے سراج الدین میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ "دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور صرف اور صرف محمد نور اللہ کے زیر اہتمام ہے اس کی سرپرستی، نگہبانی اور اہتمام کے تمام اختیارات محمد نور اللہ کو ہیں یہ میری وراثت نہیں کہ بعد میں کوئی جھگڑا کرے۔"

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے باباجی علیہ الرحمتہ کی یہ بات فرما کر مجھے ارشاد فرمایا کہ اب میں یہی وصیت تمہیں کرتا ہوں کیونکہ تم مولانا سراج الدین کے لڑکے ہو، سنو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے کلی اختیارات میں نے محمد محب اللہ کے سپرد کر دیئے ہیں اس میں اور کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے ایک دو روز میں ہسپتال کے تمام عملہ اور ڈاکٹر ذکی صاحب پر ایسے اثرات ہوئے کہ سب حضرت کے معتقد ہو گئے۔ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کہ ایں مشک است" والی بات ہوئی اللہ والوں کی روحانیت دلوں پر خود بخود اثر انداز ہوتی ہے اس ہسپتال میں دلوں کے علاوہ ظاہرا" ایسا اثر ہوا کہ نرسنگ سٹاف نے سر پر دوپٹے اوڑھنے شروع کر دیئے مریضوں کو سکون ملنے لگا پورا ہسپتال مہکا مہکا گلزار نظر آتا تھا بیماروں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور شفایاب ہو رہے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دوران ملتان ہسپتال میں تمام اپریشن کامیاب ہوئے اور کوئی موت واقع نہیں ہوئی ڈاکٹر ذکی صاحب خود حاضری دیتے اور عرض کرتے حضرت آپ کے آنے پر بڑی برکت ہوئی ہے۔

آخر آپریشن کا مرحلہ آیا تو ڈاکٹروں نے کہا اگر ضرورت پڑی تو خون دینا ہوگا عقیدت مند خون دینے کے لیے تیار تھے مگر ہر ایک کے دل میں یہ بات تھی کہ ہمارا خون حضرت کے

خون سے کس طرح ملے گا اور یہ بات آپریشن کے وقت ڈاکٹروں پر اس وقت کھلی جب وہ حضرت کا خون دیکھ کر حیران ہو گئے۔

ملتان میں محکمہ زراعت کے ملازم مہر محمد امین نے بتایا جو ڈاکٹر محمد اکمل کے بچپن کے دوست تھے کہ مجھے ڈاکٹر صاحب نے خود کہا ایسا بہترین خون ہم نے کبھی نہیں دیکھا اس لیے ڈاکٹروں نے کوشش کی کہ زیادہ خون نہ بہے اور دوسرا خون نہ دینا پڑے۔

آپریشن کامیاب ہوا اسی دوران جمعہ کا دن آیا تو میں نے حضرت غزالی زماں رازی دوراں قبلہ سید احمد کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک عقیدت مند کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا آپریشن ہوا ہے صحت کے لیے دعا فرمائیں حضرت غزالی زماں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آپریشن ملتان میں ہوا ہے یا لاہور میں حضرت نے دعا فرمائی اور سب نمازیوں سے جمعہ کی اجتماعی دعا میں دعا کروائی اس کے بعد کسی نے بتایا کہ حضرت فقیہ اعظم کا آپریشن ملتان میں ہوا ہے حضرت غزالی زماں بعد مغرب ملتان ہسپتال میں تشریف لائے جب حضرت کے کمرہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ ڈاکٹروں کے کہنے پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے ڈاکٹروں نے کچھ عرصہ تک حرکت کرنے سے منع کیا ہوا تھا آپ نماز بھی اشارہ سے ادا فرماتے تھے۔

آہ! وہ منظر مجھے زندگی بھر نہیں بھولے گا جب حضرت غزالی زماں پروانہ وار حضرت فقیہ اعظم کے گرد ہاتھ باندھ کر چکر لگا رہے تھے اور جب قدموں کی طرف جاتے تو بوسہ دیتے حضرت فقیہ اعظم نے فرمایا حضرت میں ہل جل نہیں سکتا آپ میرے لیے قابل صد احترام ہیں مجھے شرمندہ نہ کریں حضرت غزالی زماں نے فرمایا کہ حضرت! ابھی تو یہ موقع میسر ہوا ہے وگرنہ یہ سعادت مجھے کب نصیب ہوتی اس وقت دونوں طرف سے جذبہ محبت کے دریا ٹھاٹھیں مار رہے تھے دیکھنے والوں پر عجیب کیفیت طاری تھی حضرت غزالی زماں نے مجھ دیکھ کر فرمایا ارے مولانا! آپ نے کمال کر دیا مجھے بتایا ہی نہیں۔ یہ حضرت کا مخصوص جملہ تھا جو

تعجب کے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے۔

پھر حضرت فقیہ اعظم کچھ عرصہ کے بعد ڈاکٹر صاحب سے چیک اپ کروانے کے لئے ملتان تشریف لائے تو آپ کے مرید خاص اور انتہائی عقیدت مند حاجی محمد اسحاق نوری ساتھ آئے بلکہ اپنی گاڑی پر لائے واپسی پر حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنا ہے کاظمی شاہ صاحب کی طبیعت علیل ہے۔ چلو زیارت کرتے جائیں۔

حضرت غزالی زماں کے آستانہ پر پہنچے تو انہوں نے مخصوص انداز میں بڑا پرتپاک استقبال فرمایا اور بے حد خوش ہوئے اس وقت میرا دل یہ چاہ رہا تھا کہ کاش آج کوئی اس محفل کو چپکے سے کیسٹ میں محفوظ کرلیتا شائد یہ دونوں ہستیاں پھر اس زندگی میں ملیں یا نہ ملیں اور ہوا بھی ایسے ہی یہ آخری ملاقات تھی۔

حضرت غزالی زماں نے اپنی تفسیر کے کتابت شدہ چند صفحات حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے پیش فرما کر عرض کی حضرت ملاحظہ فرمائیں حضرت فقیہ اعظم بڑی دیر تک بغور پڑھتے رہے' میں چہرہ اقدس کو دیکھ رہا تھا کہ عجیب کیفیت کے اثرات چہرہ انور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ حضرت غزالی زماں اور سب لوگ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت غزالی زماں نے فرمایا۔ حضرت تفسیر کیسی ہے؟ تو حضرت فقیہ اعظم نے فرمایا آپ نے تو سمندر کو کوزہ میں بند فرمادیا ہے یہ جملہ سن کر حضرت غزالی زماں پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی پھر حضرت فقیہ اعظم سے فرمایا۔ حضرت میرا دل تو چاہتا ہے بلکہ میری یہ تمنا ہے کہ یہ تفسیر مکمل کروں اور اس پر تقریظ آپ کی ہو تب میرا دل خوش ہوگا اور میں سمجھوں گا کہ میں نے کام مکمل کرلیا ہے۔

اس کے بعد کچھ دیر تک علمی گفتگو ہوتی رہی آخر میں حضرت فقیہ اعظم نے اجازت طلب فرمائی تو حضرت غزالی زماں نہایت مودبانہ طریقہ سے اپنے آستانہ عالیہ کے بڑے دروازہ تک آئے اور رخصت فرماتے ہوئے فی امان اللہ کہا۔

جب حضرت فقیہ اعظم کار پر سوار ہونے کے لیے سڑک پر کار کے پاس تشریف لائے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر اور حاجی محمد اسحاق نوری کے کندھوں پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا کہ حضرت کاظمی صاحب حضور علیہ السلام کا تحفہ ہیں اور یہ الفاظ تین مرتبہ وجدانی حالت میں ارشاد فرمائے اس وقت سب کی نظریں عقیدت سے جھک گئیں۔

پھر یہی عقیدت و محبت اس وقت دیکھنے میں آئی جب حضرت غزالی زماں نے حضرت فقیہ اعظم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز سے قبل غم میں ڈوبے ہوئے حضرت فقیہ اعظم کی شان میں چند کلمات فرمائے۔

اے فقیہ ہم آپ کے علمی اور روحانی کمالات یاد کریں یا آپ کے تقوی اور پرہیز گاری کو' اے میرے سردار! آپ کتنے عظیم تھے۔ آخری جملہ یہ تھا "ہائے ہم سب بے سہارا ہو کر رہ گئے" کسی نے سچ کہا۔ "قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری"

جس طرح وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے اس طرح ان میں سے کسی کو کوئی بھی نہ جان سکا دونوں حضرات فنافی الرسول تھے اور ان کے دلوں میں عشق رسول موجزن تھا۔

یہ حضرت علماء متاخرین میں ضرور تھے مگر ان میں متقدمین کے اوصاف نمایاں تھے حضرت فقیہ اعظم میں امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی فقاہت جلوہ نما تھی اور حضرت غزالی زماں میں حدیث وفلسفہ امام غزالی عیاں نظر آتا تھا حضرت فقیہ اعظم اور غزالی زماں تبحر علمی میں بحر ذخار معلوم ہوتے تھے۔

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے گفتگو کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ صرف ونحو' حدیث و تفسیر اور علم الفرائض بلکہ تمام علوم اسلامیہ میں کمال حاصل ہے۔ استنباط و استخراج میں بڑی دست رس تھی بڑے بڑے مفتی حضرات جس جگہ غلطی کرجاتے وہاں آپ ان کی راہنمائی فرماتے جس طرح فتاوی نوریہ میں کئی فتاوے ظاہر کر رہے ہیں۔

مثال کے طور سے مسجد پر غیر مسلم کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟ اس پر دیگر حضرات کی

طرح مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کے مفتی سید مسعود علی صاحب نے بھی فتوی دیا کہ لگ سکتا ہے اور دلیل کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل مبارک پیش کیا کہ بیت المقدس کی تعمیر میں آپ نے یہود و نصاری سے بھی مال لیکر لگایا یہ فتوی ماہنامہ سالک راولپنڈی میں چھپا جو حضرت مولانا عارف اللہ شاہ صاحب کے زیر ادارت نکلتا تھا جب حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھا تو مفتی صاحب کو لکھا کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے **انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ** پارہ نمبر ۱۰ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۷-۱۸

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل مبارک کے لیے لکھا کہ یہ مسجد یہود و نصاری اور مسلمانوں کا مشترک قبلہ ہے اس لئے اس میں ان کا مال شامل فرمالیا۔ جب یہ نوشتہ مفتی صاحب کو ملا تو انہوں نے معذرت فرمائی۔

حدیث میں بھی حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو بلند ترین مقام حاصل تھا مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ حدیث شریف بیان فرمائی جس میں ایک صحابی نے روزہ توڑ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کے لیے ارشاد فرمایا ---- آخر ٹوکری کھجوروں کی عطاء فرما کر حکم دیا کہ جاؤ مدینہ کے غرباء میں تقسیم کردو تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا صحابی نے عرض کیا حضور مجھ سے زیادہ کوئی غریب نہیں حضور علیہ السلام یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا جاؤ اپنے اہل و عیال کو کھلا دو تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ بیان فرما کر حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ کفارہ کھجوریں نہیں تھیں بلکہ حضور علیہ السلام کا مسکرانا تھا جو کفارہ بن گیا حکم ربانی ہوا اے میرے محبوب کے غلام تو نے میرے محبوب کو خوش کر کے تبسم کروا دیا ہم تجھ سے خوش ہو گئے اور اس تبسم کو تیرا کفارہ بنا دیا۔

خدائے لم یزل ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی ایسے کام کریں جس سے ہمارے آقا ہم پر خوش ہو جائیں۔ آمین ثم آمین۔

دو ملاقاتیں

مفتی عبدالقیوم ہزاروی

امیر شریعت، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے بے مثل قائد اہلسنت تھے۔ جنہوں نے اپنے علم، عمل اور دینی خدمات سے قابل تقلید اور محیر العقول نقوش قائم فرمائے۔ آپ نے اپنے پیچھے ہزاروں تلامذہ، بیسیوں تصنیفات اور ممتاز مرکزی دار العلوم صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑا ہے۔ آپ علماء اہلسنت کے مربی تھے۔ چنانچہ مجھے بھی ایک دو مرتبہ بطور خاص علماء اور طلباء کو تحقیق اور مطالعہ کا خوگر بنانے کے لئے توجہ دلائی۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ نے فقہی میدان میں بڑا امتیازی مقام حاصل کیا جس کا منہ بولتا ثبوت فتاوی نوریہ ہے۔ جس سے محقق علماء دین رہتی دنیا تک جدید مسائل کے حل کے لئے راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

میں قلت وقت کی بنا پر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا، اور نہ ہی میرے پاس ایسے الفاظ ہیں، نہ ہی خطیب و ادیب ہوں اور نہ ہی میرے پاس سرمایہ علم ہے۔ صرف اظہار عقیدت کے لئے یہاں پر حضرت فقیہ اعظم، محدث اعظم، استاذ اعظم کی پہلی اور آخری زیارت جو مجھے نصیب ہوئی، عرض کرتا ہوں۔

۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے، یہ میری طالب علمی کا دور تھا، بصیر پور کا مدرسہ ایک عظیم مدرسے کے نام سے مشہور تھا، اس کی مضبوط تعلیم مشہور تھی، اور فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ صاحب اس وقت ایک معروف و مشہور شخصیت بن چکے تھے۔ طلباء کرام میں مدارس و اساتذہ کے معاملات خصوصیات سے زیر بحث رہتے ہیں۔ عموماً" طلباء کے مذاکرات میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ کون سا مدرسہ اچھا ہے، کس میں تعلیم مضبوط ہے، کس مدرسے کا انتظام عمدہ ہے، کونسے مدرسے کا مہتمم مشہور و معروف اور بڑا صاحب عظمت ہے! ہمارے درمیان بھی ایسی گفتگو ہوا کرتی اور مذاکرات میں خاص طور پر بصیر پور شریف کا نام آیا کرتا۔ تو غائبانہ طور

بصیرپور سے اس طرح میرا تعارف ہوتا رہتا۔ طلباء کرام فرمایا کرتے، یہ بہت بڑا مدرسہ ہے، بڑی اچھی اور ٹھوس تعلیم ہے اور وہاں کے مہتمم بہت بڑے محدث اور فقیہہ مشہور ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دن استاذ العلماء استاذی المکرم استاذ الفقہاء مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا سید احمد ابوالبرکات جو سید صاحب کے لقب سے مشہور تھے اور ہیں، وہ حزب الاحناف لاہور کے شیخ الحدیث والتفسیر، مہتمم، ناظم اور امیر اعلیٰ رہے ہیں۔ ان کی مجلس میں ایک شخص آیا! جس کے ہمراہ چند اور آدمی بھی تھے، لمبا قد، گورا اور چمکتا ہوا چہرہ، نہایت ہی متشرع دستار باندھے اور دیہاتیوں جیسی دھوتی پہنے ہوئے، حضرت قبلہ سید صاحب کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے سید صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، گھٹنوں کو چوما اور اپنے ہاتھ سید صاحب کے پاؤں چھونے کے لئے بڑھا رہا ہے۔ ہم حیران تھے اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے یہ آدمی کون ہے؟ بڑا اجل انسان معلوم ہوتا ہے۔ پروقار اور بہت ہی نورانی چہرہ، لیکن سادگی یہ کہ دیہاتی دھوتی پہن رکھی ہے۔ سادہ اور دھلا ہوا لباس، بزرگوں کا لباس اور اسلاف کی یادگار! یہ کون شخص ہے؟ جو سید صاحب کے ہاتھ چوم رہا ہے، گھٹنے چوم رہا ہے بلکہ سید صاحب کے پاؤں کی طرف ادب سے ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ سید صاحب قبلہ اپنے ہاتھ سے ان کے ہاتھ روک رہے ہیں۔ معلومات کے لئے جب میں نے استفسار کیا! یہ شخصیت کون ہے؟ یہ آنے والے کون ہیں؟ تو مجھے حاضرین نے بتایا، مدرسین و طلباء نے آگاہ کیا یہ ہیں حضرت مولانا محمد نور اللہ بصیرپوری!

میں حیران رہ گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ اتنی بڑی شخصیت اور اتنے معروف آدمی یہ سید صاحب قبلہ کے ہاتھ، گھٹنے چوم رہے ہیں۔ پاؤں کو ہاتھ لگا رہے ہیں سید صاحب اپنے ہاتھ سے روک رہے ہیں۔ اتنا بڑا آدمی اور یہ کام مجھ پر کئی منٹ سکتہ طاری رہا میں سوچتا رہا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کیا مسئلہ ہے؟

آپ کے اس مبارک عمل سے پہلی چیز میرے دل میں یہ آئی کہ سید صاحب کا خاص

مقام میرے دل میں پیدا ہوا کہ سید صاحب بہت بلند و بالا مقام رکھتے ہیں کہ اتنے مشہور و معروف عالم دین ہو کر سید صاحب کی دست بوسی کرتے ہیں۔ پاؤں چومتے ہیں جب کہ سید صاحب کے بارے میں ہمیں تو معلوم نہیں کہ کتنی ارفع شان کے مالک ہیں کیونکہ ہم ابتدائی طالب علم ہیں۔ ایک یہ بات میرے دل میں آئی۔ دوسری یہ ذہن میں آئی کہ یہ شخص اتنا مشہور و معروف ہونے کے باوجود، مریدین و تلامذہ اور متعلقین کی موجودگی میں اپنے وقار، اپنی شخصیت اور اپنی ناموری کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے بلکہ اس کو پامال کرتے ہوئے سید صاحب قبلہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے دست بوسی کی، گھٹنوں کو چوما، پاؤں کو ہاتھ لگائے تو اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص ضرور ثمر آور ہوگا اور یہ ایسا درخت ہے جس کا پھل بہت بھاری اور ذخیرہ ہے۔ اتنا ذخیرہ کہ یہ جھکا ہوا ہے۔ یہ تھی حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی میری پہلی زیارت!!

آخری ملاقات یا گفتگو کا موقعہ یہاں دارالعلوم میں ملا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا آپریشن ہوا ہے، آپریشن کامیاب رہا۔ اور آپ صحت یاب ہو کر دارالعلوم میں تشریف لا چکے ہیں مجھے آپ کے ہسپتال میں آپریشن کے لئے داخلہ کا علم نہ ہو سکا۔ اطلاع نہ ہو سکی! تا آنکہ میرے عزیز میرے بھائی محترم دوست مولانا محمد منشا تابش قصوری نے بتایا کہ حضرت فقیہ اعظم بعد از آپریشن صحت یاب ہو کر دارالعلوم تشریف لے جا چکے ہیں تو میں چند دن بعد تیمارداری کے لئے حاضر ہوا۔ کمرے میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپریشن کے باعث خاصی کمزوری تھی۔ مگر آپ کا چہرہ ہشاش بشاش تھا۔ آپ کی نگاہ مجھ پر رہی اور مجھے دیکھتے اور مسکراتے رہے، مسکراہٹ کے عالم میں آپ نے ہسپتال کا واقعہ بیان فرمایا کہ ڈاکٹر مجھے ہسپتال میں پابند کرتے اور کہتے تھے کہ آپ کچھ دن ہسپتال میں ہی رہیں کیونکہ آپ کی طبیعت خاصی کمزور ہے اور بڑا آپریشن ہوا ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ آپریشن صحیح ہونے میں دیر ہوگی۔ میں نے کہا نہیں میرا علاج یہاں ہسپتال میں نہیں۔ میرا علاج میرے دارالعلوم میں ہے۔ وہاں جاؤں

گا درس و تدریس میں مصروف ہو کر اپنا علاج پاؤں گا۔ پھر میری طبیعت بہتر ہو جائے گی چنانچہ میں یہاں آیا۔ ہفتہ بعد انہیں رپورٹ بھیجی کہ میں بالکل مطمئن ہوں چنانچہ جب پھر ملتان والے ڈاکٹر صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس نے میری صحت دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کیا کہ بڑھاپے اور اتنی کمزوری کے باوجود اتنا بڑا آپریشن اتنی جلدی درست ہو گیا۔ تعجب کی بات ہے!

نیز مسکراہٹ کے عالم میں مزید فرمایا کہ جب ملتان ہسپتال سے واپس آیا تو میں نے آتے ہی اسباق شروع کرا دیئے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ! یہ آپ کی عادت مبارک تھی! آپ ہر بات پر الحمد للہ فرمایا کرتے، فرمایا الحمد للہ فقیر نے صحیحین مکمل طور پر ختم کرا دیں ہیں اور دیگر اساتذہ کے زیر اسباق جو کتابیں موجود ہیں وہ ابھی باقی ہیں جب کہ میں نے صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف دونوں ختم کرا دی ہیں اور یہ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اور اسی مسکراہٹ کے دوران میں نے اجازت طلب کی اور کمرے سے باہر آگیا۔ باہر دوستوں کے ساتھ لائبریری میں گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب لائبریری روم سے باہر نکلا تو دیکھا آپ کی چارپائی کمرے سے باہر ہے اور آپ سر شمال اور پاؤں جنوب کی طرف کیے ہوئے لیٹ رہے ہیں۔ اور تکیہ ذرا اونچا رکھا ہوا ہے۔ مجھے آپ نے لائبریری سے نکلتے ہوئے دیکھتے ہی اپنے خادم کو فرمایا مجھے بٹھا دو۔ آپ نے بیٹھتے ہی مجھے اشارہ سے اپنے ہاں طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا۔ آپ کی شفقت اور آپ کی نگاہ کرم سے میں بے حد متاثر تھا۔ میں نے پھر دست بوسی کی اور اجازت چاہی آپ نے مسکراتے ہوئے مجھے الوداع فرمایا۔ یہ تھا میری پہلی اور آخری ملاقات کا خاکہ، مگر یہ صرف دو ملاقاتیں ہی نہیں تھی۔ ان دو ملاقاتوں کے علاوہ بھی متعدد بار ملاقات و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی مگر یہاں وقت کی نزاکت کے پیش نظر انہی دو ملاقاتوں کا خلاصہ مناسب سمجھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خاص رحمت و برکات سے نوازتا رہے اور ہم آپ کے فیضان سے بہرہ ور ہوتے رہیں۔

غزالیٔ زماں کے دو نفل

—— مولانا محمد منشا تابش قصوری

نوافل قرب الٰہی کا بہترین وسیلہ ہیں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفل پڑھنے کو محبوب جانتے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تحریص و تشویق سے نوازا، تابعین کا معمول رہا۔ محدثین و مفسرین، اولیاء کاملین نے اس نعمت کو حرز جاں بنائے رکھا۔ ولایت کے مدراج کی تکمیل کا سبب نوافل کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متنفلین کا ذکر قرآن کریم میں یوں فرمایا **والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما** اولیائے کرام کی روحانی غذا نوافل ہی ہیں، انہیں سکون و اطمینان قلب انہی سے حاصل ہوتا ہے۔ نیند آرام کا ذریعہ ہے مگر سونے والوں کی تعریف خدا اور رسول خدا نے کہیں نہیں فرمائی۔ گو قرآن کریم میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں **ھوا الذی جعل الیل لیسکنوا فیہ** اللہ تعالیٰ ایسی ذات کریم ہے جس نے رات آرام کے لئے بنائی تاکہ وہ اس میں سکون قلب کی دولت حاصل کریں۔

اب آرام و سکون کیسے حاصل ہو۔ ظاہر بین تو صرف نیند کو آرام سے تعبیر کریں گے مگر عشق و محبت کے مدرسہ میں نیند کو آرام کے مترادف ہی خیال نہیں کیا گیا بلکہ مدرسہ عشق کے متعلمین و معلمین کے نزدیک تو محبوب حقیقی کی یاد میں شب بیداری کا نام ہی آرام ہے، سکون ہے اطمینان اور دل کا چین ہے۔ حضرت فرید الملت والدین خواجہ گنج شکر علیہ الرحمتہ کی جانب منسوب اس شعر میں اسی سکون و اطمینان کا یوں برملا اظہار ہے۔

اٹھ فریدا ستیا جھاڑو دہ میت

توں ستا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

لا تاخذہ سنۃ ولا نوم کا کتنا عمدہ بیان ہے۔ سیدنا امام اعظم، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہما کی تو چالیس چالیس سال کی شب بیداری کے تذکرے زبان زدعام ہیں مگر ان حضرات کے مقلدین میں بھی ایسی نامور اور وحید العصر شخصیتیں گزری ہیں۔ جنہوں نے عشق الٰہی اور محبت حبیب خدا میں ہی سکون و اطمینان کی دولت سرمدی کا راز پایا۔ وہ نہ صرف خود دولت بیداری کی لذت سے شاد کام ہوئے بلکہ مخلوق خدا کی رہنمائی کرتے ہوئے اس شب بیداری کی نعمت عظمٰی کے حصول کا عملی درس دیتے گئے۔

نوافل کی متعدد اقسام ہیں۔ نذر کی تکمیل پر نفل، مسجد میں داخل ہونے پر نفل، کسی نعمت کے حاصل ہونے پر شکرانے کے نفل اور اپنی دنیا و آخرت کے بنانے، سنوارنے پر نفل وغیرہ۔

ہمارے ممدوح فقیہ اعظم کی مبارک عادات میں نوافل کچھ اس طرح رچ بس گئے تھے کہ جیسے آپ پیدا ہی ان ہی کے لئے ہوئے ہیں۔ تہجد کا التزام، اشراق و چاشت کی چاہت، سفر و حضر میں آمد و رفت پر نفل، منازل جسمانی و روحانی کی تکمیل پر نفل، شکرانے کے نفل اور نوافل سے والہانہ محبت آپ کو سن شعور سے ہی ودیعت فرمائی گئی تھی۔ طالب علمی کا زمانہ بڑا سنہرا ہوتا ہے۔ طالبعلم اپنے آپ کو اس مقام پر خیال کرتا ہے کہ جیسے نماز وغیرہ امور دینیہ کی ادائیگی کی خاص ضرورت نہیں۔ بس طالب علم ہونا ہی گویا دین پر احسان ہے اور جب اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ میں وہ ہستی ہوں کہ جس کے پاؤں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے ہیں تو اس گمان کے پیدا ہوتے ہی عبادت کو محض فیشن کے طور پر ہی اپنائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ طلباء نوافل تو نوافل فرائض کے معاملہ میں بھی مستعد ثابت نہیں ہوتے لیکن فقیہ اعظم کی فطرت

میں نوافل سے دلچسپی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی حتیٰ کہ دوران سفر گاڑی، لاری وغیرہ کے لیٹ ہو جانے کی صورت میں آپ کا محض دوسروں کی طرح لاابالی سے چل پھر کر یا بیٹھ کر انتظار کرنے کی بجائے عمدہ ترین شغل نوافل پڑھنا تھا۔ چنانچہ استاذی المکرم علامہ ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کا بیان ہے کہ فقیہ اعظم ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں حاضری کے لئے گئے۔ ابھی مسجد نبوی شریف اور گنبد خضراء سے قدرے مسافت پر تھے کہ جس گاڑی پر سوار تھے وہ خراب ہو گئی، تمام مسافر ادھر ادھر بکھر گئے کوئی باتیں کر رہا ہے، تو کوئی بازار کی طرف دیکھتا جا رہا ہے لیکن فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے معمول کے مطابق گاڑی کی ایک سمت مصلیٰ بچھایا اور نوافل شروع فرما دیئے۔ آپ کا انداز ادا اتنا پرکشش تھا کہ مدینہ منورہ کا ایک باشندہ آپ کے قریب آیا۔ اسی اثناء میں آپ نوافل سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ خدمت اقدس میں آتے ہی عرض گزار ہوا۔ یا شیخ! آپ کو بارگاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں باریابی کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ جب آپ حضور کی خدمت اقدس میں پہنچیں تو میری طرف سے عرض کرنا، یا رسول اللہ! احمد آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔

الغرض جن کی زندگی عبادات سے عبارت تھی جب وصال فرمایا تو **"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"** کے مصداق لاکھوں انسان آپ کے جنازہ میں شرکت کے لئے اُمڈ پڑے تھے۔ ہزاروں علماء، اتقیاء، اصفیاء، طلباء، مشائخ کے علاوہ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دار العلوم، مسجد نور، دار الفرقان کے وسیع و عریض صحنوں اور چھتوں پر موجود تھا۔ **فاذکرونی اذکرکم** کا روح پرور، ایمان افروز نظارہ شاید چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔

غزالی زماں، رازی دوراں علامہ الحاج سید احمد سعید صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ علالت کے باوجود فقیہ اعظم کے جنازہ میں شمولیت کے لئے ملتان سے بصیر پور پہنچے۔

اعلان ہوا کہ فقیہہ اعظم کی نمازہ جنازہ ملت اسلامیہ کی نامور شخصیت علامہ کاظمی صاحب شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان کی اقتداء میں ادا کی جائے گی۔

چنانچہ صفیں درست ہوئیں، صفوں کی درستگی کا معاملہ مخلوق خدا کے ہجوم و اژدہام سے اتنا پیچیدہ تھا کہ الفاظ میں ان مشکلات کو سمویا ہی نہیں جاسکتا مگر اس پیچیدگی کا حل اس عمدہ طریقے سے ہوا کہ فقیہہ اعظم کی کرامت ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی نمناک آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں کے اشارے سے صفوں کی درستگی کے لئے اپنے اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے صفیں اس طرح سیدھی ہو چکی تھیں جیسے صراط مستقیم۔

اعلان ہوا! حضرات صفیں درست کرنے کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ کی نیت کر لیں، اور پھر "اللہ اکبر" کے کلمات پر سوز آواز میں گونجے۔ یہ آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہر جگہ پہنچ رہی تھی، نہایت خشوع و خضوع سے ثنا پڑھی گئی۔ اور پھر اللہ اکبر کی پر تاثیر آواز سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ درود شریف پڑھا گیا، تیسری بار تکبیر کے ساتھ ساتھ آواز میں درد کی کچھ اور ہی لذت بڑھ چکی تھی **"اللھم اغفر لحینا و میتنا"** کے کلمات منہ سے نکل رہے تھے مگر آنکھیں اب کام کر رہی تھیں، اشکباری کے ساتھ دعا مکمل ہوا چاہتی تھی۔ گو امام و مقتدی سب مسنون طریقہ سے دعا سرا" پڑھ رہے تھے مگر ہر ایک کی آواز میں فقیہہ اعظم کی جدائی کا کرب کانوں سے ٹکرا رہا تھا۔ "اللہ اکبر" چوتھی تکبیر گونجی اور دونوں طرف سلام کی آواز سے دلوں کا سوز چشموں کی صورت میں عوام و خواص کی چشموں سے باہر ابل پڑا۔

فقیہہ اعظم کی نماز جنازہ پڑھانے والی عظیم شخصیت، غزالی زماں کے شہرہ آفاق لقب سے ممتاز، دنیا کو ایک نیا درس دے رہی تھی۔ چشم فلک نے شاید اس سے قبل یہ منظر نہ دیکھا ہو گا۔ نمازہ جنازہ کی تکمیل کے ساتھ ہی غزالی زماں اسی مقام پر سجدہ ریز ہو گئے۔ ایک رکعت پوری کی۔ دوسری رکعت کی تکمیل پر سلام پھیرا۔ معتقدین میں سے

۲۲۵

اعلان ہوا کہ فقیہہ اعظم کی نمازہ جنازہ ملت اسلامیہ کی نامور شخصیت علامہ کاظمی صاحب شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان کی اقتداء میں ادا کی جائے گی۔

چنانچہ صفیں درست ہوئیں، صفوں کی درستگی کا معاملہ مخلوق خدا کے ہجوم و اژدہام سے اتنا پیچیدہ تھا کہ الفاظ میں ان مشکلات کو سمویا ہی نہیں جاسکتا مگر اس پیچیدگی کا حل اس عمدہ طریقے سے ہوا کہ فقیہہ اعظم کی کرامت ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی نمناک آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں کے اشارے سے صفوں کی درستگی کے لئے اپنے اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے صفیں اس طرح سیدھی ہو چکی تھیں جیسے صراط مستقیم۔

اعلان ہوا! حضرات صفیں درست کرنے کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ کی نیت کر لیں، اور پھر "اللہ اکبر" کے کلمات پر سوز آواز میں گونجے۔ یہ آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہر جگہ پہنچ رہی تھی، نہایت خشوع و خضوع سے ثنا پڑھی گئی۔ اور پھر اللہ اکبر کی پر تاثیر آواز سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ درود شریف پڑھا گیا، تیسری بار تکبیر کے ساتھ ساتھ آواز میں درد کی کچھ اور ہی لذت بڑھ چکی تھی **"اللھم اغفر لحینا و میتنا"** کے کلمات منہ سے نکل رہے تھے مگر آنکھیں اب کام کر رہی تھیں، اشکباری کے ساتھ دعا مکمل ہوا چاہتی تھی۔ گو امام و مقتدی سب مسنون طریقہ سے دعا سرا" پڑھ رہے تھے مگر ہر ایک کی آواز میں فقیہہ اعظم کی جدائی کا کرب کانوں سے ٹکرا رہا تھا۔ "اللہ اکبر" چوتھی تکبیر گونجی اور دونوں طرف سلام کی آواز سے دلوں کا سوز چشموں کی صورت میں عوام و خواص کی چشموں سے باہر ابل پڑا۔

فقیہہ اعظم کی نماز جنازہ پڑھانے والی عظیم شخصیت، غزالی زماں کے شہرہ آفاق لقب سے ممتاز، دنیا کو ایک نیا درس دے رہی تھی۔ چشم فلک نے شاید اس سے قبل یہ منظر نہ دیکھا ہو گا۔ نمازہ جنازہ کی تکمیل کے ساتھ ہی غزالی زماں اسی مقام پر سجدہ ریز ہو گئے۔ ایک رکعت پوری کی۔ دوسری رکعت کی تکمیل پر سلام پھیرا۔ معتقدین میں سے



کسی نے جرات کرتے ہوئے عرض کیا۔

"حضرت! یہ نقل کیسے؟"

علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ لرزتے ہوئے ہونٹوں اور اشکبار پلکوں کی کیفیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس عظیم نعمت کے حصول پر کہ فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت عظمیٰ فقیر کو نصیب ہوئی۔ میں کہاں اور فقیہ اعظم کی ذات ستودہ صفات کہاں۔

آہ! جب راقم اس مضمون کی یہ سطور درج کر رہا ہے۔ فقیہ اعظم کی ذات والا برکات کی نمازہ جنازہ پڑھانے والی شخصیت بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئی اور سنیت یتیم ہو کر رہ گئی ہے۔ مسلک حق کو جن پر ناز تھا۔ وہ باغباں نہ رہے۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

کراماتِ فقیہِ اعظم

مرتب: مولانا الحاج الحافظ القاری محمد اسد اللہ نوری

ناشر: انجمن حزب الرحمٰن بصیرپور

الا ہاں مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے بلکہ عملاً خود
مجدد وقت ہی اس کا سبقت ہی سے چکے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ ہو۔ تعجب ہے کہ خود مستفتی کو روز روشن کی طرح معلوم
کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محققانہ اقوال و فتاوائے شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما
اجلۂ تلامذہ بلکہ متاخرین حضرات کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاویٰ ہیں جو ان کے خلاف ہیں جنکی بنا قول ضروری وغیرہ
وغیرہ اصول ستہ پر ہے جسکی تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد ۱ ص ۳۸۵ وغیرہا میں ہے بلکہ یہی الطرس الشمس میں ہے کہ خود ہمارے
مجدد برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا تطفلات میں جو حروف متاخرین بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خان
وغیرہ کے اقوال و فتاوائے شرعیہ پر موجود ہیں جن میں اصول ستہ کے علاوہ سبقت قلم وغیرہا کی صریح
نسبتیں بھی مذکور ہیں اور یہ بھی پنہاں نہیں کہ ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں
تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا؟ کیا کسی مجدد کی بھی کوئی ایسی تصریح ہے؟ یا کم از کم
انہی کی تصریح ہو کہ اصول ستہ کا زمانہ اب گذر گیا لہذا الکر کا غیر بننا فرض عین ہو گیا۔ کیا تازہ
حوادث و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل [illegible] مجانین اور علماء اغیار کے ان کافرانہ
مزعومات کی تصدیق کریں معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے اکیس روز رہ فروریات
زندگی کا کوئی حل ہی نہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العزیز فقیر کی مخلصانہ رائے یہ ہے کہ [illegible]
اپنے دعاوی پر جو دلائل دئیے ہیں ان میں غور کی ضرورت ہے فاعتبروا یا اولی الابصار و [illegible]
اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ و مجتہدی امتہ و مجددی دینہ
و بارک و سلم۔ الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۰۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ 20.6.72

جسکے جدید ترین ہزارہا تقاضے [illegible]

سیدی فقیہ اعظم کا نمونۂ تحریر

مطالعہ حدیث اور فقیہ اعظم

مفتی محمد خاں قادری

فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ کے بعد حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے بارے میں ذہن میں جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ آپ مزاج اسلام اور اس کی روح سے آگاہ ہیں۔
۲۔ عقائد میں اعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ افراط و تفریط سے محفوظ تھے۔
۳۔ قرآن اور حدیث پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔
۴۔ قرآن اور صاحب قرآن کے تعلق کو خوب جانتے ہیں۔
۵۔ ان کے دور میں وسعت مطالعہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔
۶۔ وہ اہل الرائی اور اہل اجتہاد علماء میں سے ہیں۔
۷۔ اہل الرائی ہونے کے ساتھ ساتھ اصابت رائے کے درجہ پر فائز ہیں جو شرح صدر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔
۸۔ اصابت رائے کے علاوہ ان کی فکر میں صلابت ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔
۹۔ ان میں جودت طبع ہی نہیں بلکہ جدت فکر بھی ہے۔
۱۰۔ ان میں جمود و تعطل نہیں بلکہ حرکت و اجتہاد ہے۔
۱۱۔ انہوں نے اسلام، صاحب اسلام اور مسلک اہل سنت کا دفاع قصے اور کہانیوں سے نہیں بلکہ قرآن و سنت کی نصوص سے کیا۔
۱۲۔ اگر وہ تہذیب کے فرزند نہیں تو "ابلہ مسجد" بھی نہیں۔

۱۳۔ فقہی جزئیات کے وہ حافظ محسوس ہوتے ہیں۔

۱۴۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ فراست و بصیرت کا پیکر ہیں۔

۱۵۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عصری مسائل کا حل اپنا فریضہ تصور کرتے ہیں۔

ہم کسی دوسری نشست میں مذکورہ تمام موضوعات پر فتاوی نوریہ کی روشنی میں تفصیلاً" گفتگو کریں گے۔ یہاں صرف ایک عنوان "حضرت فقیہ اعظم اور مطالعہ حدیث" پر گفتگو مقصود ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ ہمارے اسلاف نے بڑی محنت اور جدوجہد کے ساتھ کتاب و سنت سے مسائل کا استنباط و استخراج کیا اور ہمارے لئے علم الفقہ مرتب فرمایا۔ ان کا مقصد جہاں لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا تھی وہاں اپنے دور کے پیچیدہ مسائل کا حل بھی تھا جو انہوں نے احسن انداز میں نبھایا ان کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ ہمارے بعد آنے والے مفکرین قرآن و سنت کے بجائے ہماری آراء پر ہی اکتفاء کرلیں۔

ہمارے ہاں اکثر طور پر (الاماشاء اللہ) کتاب و سنت کا مطالعہ عنقا ہوتا جارہا ہے۔ جتنا وقت ہم دیگر فنون کو دیتے ہیں اس کا چوتھائی حصہ بھی علوم قرآن اور علوم حدیث کو نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان اور جدید ذہن ہماری باتوں سے مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے کتاب و سنت سے دلائل فراہم کئے جائیں اور ہماری نظر فقہی جزئیات پر تو ہے اور ہونی چاہئے مگر نصوص قرآن و سنت سے ہمارا دل و دماغ خالی ہے۔ جب بھی ہمارے ہاں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اکثر علماء صرف کتاب فقہ کی طرف رجوع کرکے اس کو حل کرتے ہیں اور اس ترتیب کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا جو ہماری اصول فقہ کی کتاب میں بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اصول شرع میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا اہم فریضہ ہے۔ جس طرح اصول شرع کے چار ہونے میں اتفاق ہے اسی طرح ان میں ترتیب میں بھی اختلاف نہیں۔ سب سے پہلے قرآن پھر سنت، پھر اجماع اور اس کے بعد قیاس کا درجہ ہے۔ شیخ عبدالوہاب خلاف رقمطراز ہیں۔

وھذہ الادلتہ الاربعتہ اتفق جمھور المسلمین علی الاستدلال بھا و اتفقوا ایضاً علی انھا مرتبتہ فی الاستدلال بھا بھذا الترتیب القران فالسنتہ فالاجماع فالقیاس۔ (۱)

"جس طرح ان ادلہ اربعہ سے استدلال پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ استدلال کے وقت ان میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا ضروری و واجب ہے۔ پہلے قرآن پھر سنت اور پھر اجماع و قیاس"۔

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ قرآن میں غور و فکر سنت کی روشنی میں ہوگا کیونکہ اگر صاحب قرآن کی سنت کو ترک کرکے قرآن میں غور و فکر کیا گیا تو اس سے ہدایت کا حصول تو کہاں، گمراہی کا خطرہ ہے۔

جب ہم اس حوالے سے فتاوی نوریہ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا ہر فتوی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس ترتیب کو ہر جگہ قائم رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولین کوشش ہوتی ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن و سنت کی نصوص سے حل کیا جائے اور اس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلہ پر کامیابی عطا فرمائی۔ یہاں ہم فتاوی نوریہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں صرف فقہی جزئیات سے استدلال کی بجائے فقیہ اعظم نے احادیث پیش کیں ہیں۔

۱۔ امامت نماز اور ٹوپی

حضور علیہ اسلام نے عمامہ استعمال فرمایا۔ اگر کوئی شخص یہ استعمال کرتا ہے تو اسے فضیلت حاصل ہوگی لیکن اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر نماز پڑھتا یا پڑھاتا ہے تو اس سے نماز میں کراہت نہیں آئے گی کیونکہ عمامہ سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کے ترک پر کراہت لازم نہیں آتی۔ اس مسئلہ پر بعض علماء نے سختی سے کام لیا کہ امام کو ہر صورت عمامہ استعمال کرنا چاہئے ہر مسجد میں یہ معاملہ پیش آیا خطیب اہلسنت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں سوال ارسال کیا کہ حضور علیہ السلام یا صحابہ میں سے

کسی کا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا فعلاً "یا قولاً" ثابت ہے؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

ہاں ثابت ہے امام حقانی خطیب ربانی حضرت سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ کشف الغمہ شریف صفحہ ۸۰ جلد نمبرا میں فرماتے ہیں۔

کان صلی اللہ علیہ وسلم یامر بستر الراس بالعمامۃ او القسنوۃ وینھی عن کشف الراس فی الصلوۃ۔

یعنی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے ستر سر کا حکم دیا کرتے تھے اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

تو یہ حدیث پاک کئی وجوہ سے دلیل ہے ستر سر کا حکم دینا اور ننگا سر کرنے سے منع فرمانا مکرر پتہ دیتا ہے کہ اکیلی ٹوپی بھی کافی ہے پھر عمامہ یا ٹوپی فرمانا بھی اس کی دلیل ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ حضور نور علی نور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے تھے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔

آگے دوسری حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

کان یلبس صلی اللہ علیہ وسلم القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس۔(۲)

کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی مبارک عمامہ شریف کے نیچے اور اکیلی ٹوپی مبارک اور اکیلا عمامہ شریف پہنا کرتے تھے۔

۲۔ ذبیحہ عورت اور حدیث

آپ سے عورت کے ذبیحہ کے بارے میں سوال ہوا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے فرمایا۔ حدیث شریف میں صاف موجود ہے کہ جائز ہے کہ مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۵۷

پر حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے۔

انہ کان لہ غنم ترعی بسلع فابصرت جاریۃ لنا بشاۃ من غنمھا موتا فکسرت حجرا فذبحتھا بہ فسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرہ باکلھا۔(۳)

ہماری بکریاں مقام سلع پر چر رہی تھیں ایک خادمہ نے بکری کو مرتے ہوئے دیکھا تو تیز پتھر کے ساتھ اسے ذبح کر دیا۔ حضور علیہ السلام سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

۳۔ بوہلی کا استعمال اور حدیث

مولنا عبدالرحیم سکندری نے سانگھڑ سے لکھا کہ گائے، بھینس، بکری کا وہ دودھ جو بچہ پیدا ہونے کے بعد دو تین دن نکلتا رہتا ہے اور گاڑھا ہوتا ہے اور اس کا رنگ بھی دودھ جیسا سفید نہیں ہوتا اس کا کھانا آیا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے قرآنی دلائل دینے کے بعد حضور علیہ السلام کے عمل سے یہ بات ثابت کر دی کہ اس کا استعمال جائز ہے۔ فرماتے ہیں۔

"مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۱۴ اور سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۶ میں ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ نے کلدہ بن حنبل کو اس قسم کا دودھ (جس کو عربی زبان میں لبا کہا جاتا ہے) دے کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا۔ ترمذی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ان کلدہ بن حنبل اخبرہ ان صفوان بن امیۃ بعثہ بلبن و لبا و ضغابیس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"حضرت کلدہ بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت صفوان بن امیہ نے دودھ، بوہلی اور ککڑیاں دے کر حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں بھیجا۔

تو اگر یہ ناجائز ہوتا تو وہ صحابی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیوں پیش

کرتے۔ نیز مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۰۷ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تناول فرمایا۔

ان ابابکرا کل لباثم صلی لم یتوضا۔(۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوٹی کھائی پھر نماز پڑھی وضو نہیں فرمایا۔

۴۔ دعا بعد از جنازہ اور حدیث

جنازہ کے بعد دعا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ ان کی طرف سے ہمیشہ یہ مطالبہ رہا کہ اس پر کوئی حدیث پیش کرو۔ اکثر طور پر جو حدیث پیش کی جاتی تھی وہ یہ تھی "**اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعا**" لیکن اس کی وہ یہ توجیہ کرتے کہ اس سے مراد جنازہ کے اندر دعا مراد ہے نہ کہ بعد میں۔ فقیہ اعظم نے اس کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ متعدد احادیث اس پر ذکر کیں۔ ہم صرف دو کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ بدائع صنائع صفحہ ۳۱۱ جلد اطبع مصر میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلوۃ علی الجنازۃ ولا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ

جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی ابھی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے) دعا و استغفار کرلو۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نماز جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے۔

ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ(۵)

آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کرلی ہے تو

ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

۵۔ قبل از اذان حضرت بلال کا عمل

اذان کے بعد دعاء وسیلہ سے پہلے درود شریف پڑھنا سنت ہے اور اس سے پہلے جائز ہے کیونکہ جس طرح ہر کام کی ابتداء میں اللہ کا نام لینا چاہیے اسی طرح اس کے محبوب کا ذکر بھی برکت کا سبب ہے بعض لوگ اذان سے قبل درود شریف کو بدعت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرح کا کوئی عمل سنت نبوی میں نہیں ملتا کہ اذان سے پہلے صحابہ کچھ پڑھتے ہوں۔ حافظ جان محمد قادری نے عارف والا سے یہی سوال آپ کی خدمت میں ارسال کیا تو آپ نے مشہور موذن رسول حضرت بلال کا عمل احادیث سے تحریر فرمایا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنو نجار کی ایک خاتون (جو صحابیہ تھیں) فرماتی ہیں کہ میرا گھر جو آس پاس کے تمام گھروں سے اونچا تھا۔ حضرت بلال فجر کی اذان اس پر دیا کرتے تھے۔ آپ سحری کے وقت اس پر بیٹھ جاتے اور فجر کا انتظار کرتے جب فجر طلوع ہوتی تو ان کلمات سے دعا کرتے اور پھر اذان دیتے۔

اللھم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک

اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں۔ میری مدد فرما اس بات میں کہ قریش تیرے دین کو مان لیں۔

واللہ ماعلمتہ کان ترکھا لیلۃ واحدۃ ھذہ الکلمات

اللہ کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کسی رات بھی ان کلمات کو چھوڑ دیا ہو۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد آپ بطور استخراج فرماتے ہیں۔

"تو اس حدیث شریف سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دعا کو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور دعا کی سنتوں میں اول آخر درود شریف پڑھنا بھی داخل سنت ہے تو درود شریف بھی ثابت ہوا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی خود اس دعا کو سن کر منع نہیں فرمایا ورنہ رک جاتے اور ہمیشہ نہ کہتے' تو یہ حدیث تقریری بنی تو مرفوع حدیث سے ثبوت ہو گیا جب کہ قرآن حکیم کے مطلق حکم سے بھی ثابت ہے۔(۶)

قارئین آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرت نے مسئلہ مذکورہ پر حدیث سے کتنی واضح اور صریح دلیل پیش کر دی جو آپ کا حصہ ہے۔ اب اس میں یہ امکان تھا کہ کوئی منکر یہ کہہ دے کہ ہو سکتا ہے یہ حدیث ضعیف ہو اس لئے حضرت نے بطور سند و حوالہ فرمایا۔

ابو داؤد جلد ا صفحہ ۷۷' سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۲۵ یہ حدیث حسن ہے حافظ حدیث ابو الفضل ابن حجر علیہ الرحمہ فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱ میں فرماتے ہیں "اسنادہ حسن"

پھر ابو داؤد کی شرح عون المعبود جو ایک غیر مقلد کی شرح ہے اس کی جلد ا صفحہ ۲۰۴ میں بھی اس حدیث کی شرح میں کوئی اعتراض نہیں اور یونہی اس کی شرح بذل المجهود جلد ا صفحہ ۲۹۸ میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔(۷)

۶۔ عطیہ خون پر حدیث صریح سے استدلال

بعض علماء نے عطیہ خون کے خلاف دلائل دیتے ہوئے کہا تھا کہ انسانی خون کے استعمال میں انسانیت کی اہانت ہے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کی جان ہیں ان کا خون مبارک جو پچھنے والی سینگی لگوانے کے وقت خارج ہوا صحابہ کرام کی ایک جماعت (جن میں حضرت مولی علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابو لحیہ وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں) نے بطور ترک نوش کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا۔

اس کے بعد وہ روایات نقل کیں اور اس کے بعد لکھا۔

جب سرکار کا خون مبارک بطور تبرک نوش کرنا جائز ہوا اور بے ادبی نہ بنا حالانکہ ان

کی عزت سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں تو مومن کی جان بچانے کے لئے عام انسان کا خون استعمال کرنا کیونکر بے ادبی بن سکتا ہے بلکہ اس میں انسانیت کی عزت ہے کہ غازی کی زندگی کی حفاظت ہے۔(۸)

۷۔ عورت سے مصافحہ اور حدیث

آپ کی خدمت میں کسی نے سوال بھیجا کہ بعض علاقوں میں مرد عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں اور یہ بات ضروری سمجھی جاتی ہے اس کا شرعاً" کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے کیا خوب لکھا۔

"مرد کا غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے ہماری پیاری ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔

واللہ مامست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امراۃ قط۔ (البخاری صفحہ ۹۶ ۷' جلد ۲

اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کے مبارک ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ حالانکہ آپ سب امت کے باپ ہیں تو کس کو جائز ہوا؟ جو لوگ جائز کہتے ہیں جاہل ہیں۔(۹)

۸۔ عند الضرورت قبر کے پاس چراغ جلانے کا حدیث سے ثبوت

آپ کی خدمت میں حافظ عبدالوہاب موضع پختہ ڈولہ دیپال پور نے سات سوال ارسال کئے جن میں عرس' فاتحہ' استعانت اور قبر پر چراغ جلانے کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ عرس کا جواب بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث اور فقہ سے بیسیوں حوالہ جات دیئے۔ ان میں سب سے کمزور ترین مسئلہ قبر پر چراغ جلانا تھا۔ اس پر بھی آپ نے ایک حدیث پیش کر دی جس میں واضح طور پر موجود ہے کہ ضرورت کے وقت قبر کے پاس چراغ جلایا جا سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

قبر پر چراغ جلانا ممنوع ہے کہ قبر حق مقبور ہے اس میں تصرف نہ کیا جائے اور بعض احادیث سے ثابت ہے مگر اس سے یہ سمجھنا کہ قبر کے پاس نیت صالحہ سے بھی ممنوع ہے غیر صحیح ہے کیونکہ بعض احادیث میں "علی" آیا ہے اور "علی" کا معنی استعلاء ہے نہ کہ عند ولدیٰ کہ مخالف دلیل پکڑ سکے اور بلا دلیل شرعی عدول عن الحقیقتہ سخت منع ورنہ نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے۔ بلکہ غرض صحیح کے ساتھ قبر کے پاس خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چراغ جلانا مروی ہے کہ سنن ترمذی شریف صفحہ ۱۳۷، جلد ۱ میں ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دخل قبر الیلا فاسرج لہ سراج فاخذہ من قبل القبلۃ وقال رحمک اللہ ان کنت لاواھا تلاء القران و کبر علیہ اربعا

اور اس حدیث کی تحسین بایں الفاظ فرماتی ہے۔

قال ابو عیسی حدیث ابن عباس حدیث حسن

۹۔ حدیث سے حلت خرگوش پر استدلال

خرگوش کے بارے میں بعض لوگ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ یہ حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ آپ کی خدمت میں مظفر گڑھ سے ماسٹر عبد المجید نے لکھا اور آپ کی توجہ اس مسئلہ کی طرف دلوائی تو آپ نے اس پر رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تحریر فرمایا لکھتے ہیں۔

"حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا۔ صحیح بخاری جلد ۲، صفحہ ۸۳۱

تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ حلال ہے" (۱۱)

الفاظ حدیث پر نظر

حضرت فقیہ اعظم کے مطالعہ حدیث پر ہم نے چند مثالیں ذکر کی ہیں ورنہ فتاوی نوریہ اور آپ کی دیگر تصانیف کا ہر ہر صفحہ جہاں آپ کے دیگر علوم و فنون پر گہری دسترس پر شاہد ہے اسی طرح علم حدیث پر کامل درک پر بھی گواہ ہے۔

ہم یہاں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث کے مطالعے کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی جگہ کسی بھی عالم دین کو حدیث، سند حدیث یا اس سے متعلقہ کسی معاملہ میں کوئی دقت پیش آتی تو وہ فی الفور اس کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کی شخصیت اس حوالے سے بھی ممتاز ہے کہ آپ کے دور کے بڑے بڑے علماء مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے یہاں ہم فتاوی نوریہ سے ایک سوال اور اس کا جواب من و عن نقل کرتے ہیں جو اس وقت کے عظیم نامور عالم دین کا الفاظ حدیث کے بارے میں ہے۔

الاستفتاء

رئیس المحدثین قدوۃ الاعلام حضرت الحاج مولانا محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ کریم حضرت والا کو صحت کاملہ سے رکھے۔ آمین۔

مولوی وحید الزمان غیر مقلد نے اپنی کتاب ہدیتہ المہدی کے ص ۸۹ پر رویتہ باری کی فصل میں لکھا ہے۔

وقد رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صورۃ شاب امرد لہ وفرۃ۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ "ذکر رویت فی صورۃ شاب امرد" حدیث شریف کی کسی کتاب میں ہے حوالہ مطلوب ہے؟ حضرت کی وسعت نظر میں یہ روایت ہوگی کرم فرمائیں۔

غلام مہر علی، مسجد نور، منڈی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

محقق ابن محقق فاضل نوجوان حضرت مولانا غلام مہر علی صاحب مد ظلہم العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، بعد وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

بعد از دعوات عافیت دارین آنکہ مرسلہ عنایت نامہ وصول ہوا مگر چونکہ میں کچھ معمر

ہو چکا ہوں لہٰذا ضرورت ہے کہ مجھے کوئی صاحب کتابیں نکال دے اور پھر جو لکھنا ہے وہ بھی لکھے بدیں وجہ کچھ دیر ہو گئی۔ بہرحال حدیث کے یہ الفاظ سارے تو نہیں البتہ کچھ مل گئے ہیں۔ مشکوۃ شریف کے باب المساجد کے فصل ثانی اور ثالث میں فی احسن صورۃ کے کلمات ہیں اور ترمذی شریف سورت صاد کی تفسیر میں مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۶۸ اور جلد ۵ ص ۳۷۸ میں بھی ہے مگر وہ کلمات نہیں ہیں۔ البتہ فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۴ ص ۶ میں ہے۔ **وجاء فی بعض الروایات المطعون فیھا رایت ربی فی صورۃ شاب** مگر یہ روایت مطمون بتائی اور کہیں اور نشان نہیں ملا۔ اگر کہیں مل جائے تو اطلاع دیں البتہ مجمع الزوائد و منبع الفوائد جلد سابع میں علامہ ہیثمی علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو بالکل اس کے موافق ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ج ۷ ص ۱۷۹۔

رایت ربی فی المنام فی صورۃ شاب موفر فی خضر علیہ نعلان من ذھب علی وجھہ فراش من ذھب قال الحدیث رواہ الطبرانی وقال ابن حبان انہ حدیث منکر لان عمارۃ بن عامر بن حزم الانصاری لم یسمع من ام الطفیل ذکرہ فی ترجمۃ عمارۃ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

(۱۳-۸-۸۱)

اصول حدیث اور فن اسماء رجال پر نظر

اہل علم جانتے ہیں کہ حدیث سے اس وقت تک کامل طور پر استفادہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اصول حدیث کے فن سے آگاہی نہ ہو۔ بہت سے لوگ اس فن سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اضطراب کی کیفیت کا شکار ہو گئے۔ اللہ کے فضل و احسان سے حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس فن میں اپنے دور کے امام نظر آتے ہیں۔ آپ نے جہاں بھی حدیث پر گفتگو کی ہے وہاں آئمہ اصول حدیث کی آراء کو پیش نظر رکھا اور اصول حدیث کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا۔

جب آپ کے دور میں عورتوں کے لکھنے کا مسئلہ در پیش ہوا اور بعض علماء نے اس کے عدم جواز پر یہ روایت پیش کی۔

لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ و علموھن الغزل و سورۃ النور

(ان کو بالاخانہ میں نہ ٹھہراؤ اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ انہیں چرخہ کاتنے اور سورہ نور کی تعلیم دو۔) تو آپ نے اس پر نہایت ہی علمی اور وقیع رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام آپ نے "**الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء**" رکھا۔ آپ کی یہ علمی تحریر فتاوی نوریہ کی جلد ۳ صفحہ ۴۷۱ تا ۴۸۵ پر پھیلی ہوئی، جس کی ہر ہر سطر پکار رہی کہ میرا لکھنے والا لکیر کا فقیر نہیں بلکہ وہ اپنے وقت کا عظیم محدث اور فقیہ ہے۔ اس میں سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ آپ اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر کے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث جس کا حوالہ مانعین حضرات دیا کرتے ہیں صحیح اور قابل استدلال نہیں بلکہ ائمہ و مشائخ کرام نے تصریح فرمائی کہ وہ حدیث صحیح نہیں اس کے راویوں میں کذاب اور واضع راوی ہیں لہٰذا وہ حدیث موضوع ہے اور قابل عمل نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ حدیث حضرت ابن عباس اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنھم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند کا مدار جعفر بن نصر راوی پر ہے جو جھوٹی اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔

اس کے بعد محدث ابن جوزی کی موضوعات جلد ۲ صفحہ ۲۶۸، امام جلال الدین سیوطی کی کتاب اللالی المصنوعہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸، قاضی شوکانی کی کتاب الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ صفحہ ۲۷ ۱۲ میزان الاعتدال الامام الذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ لسان المیزان للحافظ ابن حجر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ اور دیگر حوالہ جات سے اپنی بات واضح فرمائی۔ (۱۲)

حجیت حدیث پر کتاب

آپ نے اللہ کے فضل و احسان سے حدیث کی حجیت پر باقاعدہ کتاب تصنیف فرمائی

جس کا نام "حدیث الحبیب" تھا۔ اس میں بیسیوں دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ نبی اکرم کے ارشادات عالیہ پر اس طرح عمل کرنا لازم ہے جس طرح قرآن پر۔ اس کے مقدمہ میں اس موضوع پر ضرورت تصنیف کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"اس نازک زمانے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیش گویوں کے عین مطابق بدعت و بے دینی کی ہزارہا خطرناک آندھیاں چل رہی ہیں۔ ہر طرف سے گمراہی کے سیلاب آرہے ہیں حتی کہ یہ خطرناک طوفان بھی آگیا، کہا گیا کہ صرف قرآن ہی معتبر ہے وہی قابل قبول و عمل ہے اور حدیث کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی قابل قبول و عمل ہے۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین** ایسا کہنے والا کوئی فرد نہیں بلکہ باقاعدہ ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جو پوری قوت سے یہ مہم چلا رہی ہے لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے بھولے بھالے بھائیوں کی حفاظت کریں۔" (۱۳)

یہ حضرت فقیہ اعظم اور مطالعہ حدیث کے حوالے سے مختصر گفتگو تھی۔ بقیہ موضوعات پر انشاء اللہ آئندہ لکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے عظیم بیٹے صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ کو جنہوں نے ایک صحیح جانشین ہونے کے حوالے سے آپ کی علمی امانت (فتاوی نوریہ) قوم تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں کامیابی عنائت فرمائی۔

اس میں بعض امور ایسے ہیں جن پر کام ابھی باقی ہے۔

مثلاً

۱۔ بعض عربی عبارات کا اردو میں ترجمہ
۲۔ بعض حوالہ جات کی اصل عبارت
۳۔ مشکل الفاظ کی حاشیہ میں تشریح وغیرہ
۴۔ فقیہ اعظم کی وقیع سوانح

آپ کی تلامذہ میں سے منتخب لوگوں کی ایک کمیٹی بنانا ضروری ہے جو حضرت صاحبزادہ صاحب مدظلہ کے ساتھ اس سلسلہ میں تعاون کرے۔

حواشی

۱۔ علم اصول الفقہ ۱۸
۲۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۱ مطبوعہ گنج شکر پرنٹرز ۱۹۹۱ء ص ۵۰۳
۳۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۳۰۰
۴۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۴۵۰، ۴۵۱
۵۔ فتاویٰ نوریہ ۱: ۷۰۴
۶۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۶ ص ۳۴۲
۷۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۳۴۱
۸۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۴۵۴
۹۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۶ ص ۳۵۰
۱۰۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۱ ص ۶۵۲
۱۱۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۳۳۹
۱۲۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۳ ص ۴۸۱ تا ۴۸۳
۱۳۔ حدیث الحبیب بحوالہ فتاویٰ نوریہ جلد ۵ ص ۱۹۹

بحمار حدثنا عبد الرحمن بن سلام الجمحي وعبد الرحمن بن الربيع بن مسلم جميعا عن الربيع بن مسلم ح وحدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا ابي حدثنا شعبة ح وحدثنا ابوبكر بن ابي شيبة حدثنا وكيع عن حماد بن سلمة كلهم عن محمد بن زياد عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم بهذا غير ان في حديث الربيع بن مسلم ان يجعل الله وجهه وجه حمار ۞ حدثنا ابوبكر بن ابي شيبة وابو كريب قالا حدثنا ابو معاوية عن الاعمش عن المسيب عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لينتهين اقوام يرفعون ابصارهم الى السماء في الصلاة او لا ترجع اليهم حدثني ابو الطاهر وعمرو بن سواد قالا اخبرنا ابن وهب حدثني الليث بن سعد عن جعفر بن ربيعة عن عبد الرحمن الاعرج عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لينتهين اقوام عن رفعهم ابصارهم عند الدعاء في الصلاة الى السماء او لتخطفن ابصارهم ۞ حدثنا ابوبكر بن ابي شيبة وابو كريب قالا حدثنا ابو معاوية عن الاعمش عن المسيب بن رافع عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالي اراكم رافعي ايديكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة قال ثم خرج علينا فرآنا حلقا فقال مالي اراكم عزين قال ثم خرج علينا فقال الا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها فقلنا يا رسول الله وكيف تصف الملائكة عند ربها قال يتمون الصفوف الاول ويتراصون في الصف وحدثني ابو سعيد الاشج حدثنا وكيع ح وحدثنا اسحق بن ابراهيم اخبرنا عيسى بن يونس قالا جميعا حدثنا الاعمش بهذا الاسناد نحوه حدثنا ابوبكر بن ابي شيبة قال حدثنا وكيع عن مسعر ح وحدثنا ابو كريب واللفظ له قال اخبرنا ابن ابي زائدة عن مسعر حدثني عبيد الله بن القبطية عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا مع

باب النهى عن رفع البصر الى السماء في الصلاة

باب الامر بالسكون في الصلاة والنهى عن الاشارة باليد ورفعها عند السلام واتمام الصفوف الاول والتراص فيها والامر بالاجتماع

سیدی فقیہ اعظم کا صحیح مسلم پر حاشیہ

مسائلِ جدیدہ اور فقیہ اعظم

مولانا محمد الیاس اعظمی

(۱)

انسان کی زندگی ارتقاء پذیر ہے اور مشت خاک سے جنم لینے والی یہ ہستی اپنے فکرو شعور اور فہم وادراک کے باعث خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم عمل رہتی ہے ایک وقت تھا کہ جب قمرین کی روشنی تو اگرچہ کائنات کو اپنی ضیاء پاشیوں سے بقعہ نور بنائے ہوئے تھی لیکن علم وعرفان کی روشنی نہ ہونے کی وجہ سے یہ کائنات ارضی ظلمت وتاریکی کے عمیق گڑھوں میں ڈوبی ہوئی تھی چنانچہ کائنات اور اس کے باسیوں پر اسلام کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان کو صحیح معنوں میں "انسان" بناکر اشرف المخلوقات کی بیش بہا خلعت کا صحیح حق دار بنادیا اور اسی کی بدولت آج وہ ستاروں پر کمندیں ڈالتا نظر آتا ہے۔

(۲)

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جس طرح سے علم وفن مائل بہ پرواز ہیں اسی رفتار کے ساتھ انسانیت کے لیے نئے نئے مسائل بھی جنم لے رہے ہیں اور انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ اس کا تعلق خواہ مذہب سے ہو یا سیاست سے، معیشت سے ہو یا معاشرت سے، تمدن سے ہو یا اخلاق سے اور پھر انفرادی زندگی ہو یا قومی واجتماعی یا اس کا تعلق بین الاقوامی زندگی سے ہو غرض کوئی بھی شعبہ یا سطح زندگی ہو انسان ہر جگہ اور ہر لمحے ایک کے بعد دوسرے مسئلے کا شکار ہوجاتا ہے اندریں حالات ہرذی شعور اور عقل ودانش رکھنے والا انسان ان پیش

آمدہ مسائل کا حل چاہتا ہے تاکہ وہ سکون و طمانیت کے ساتھ آسائش کی زندگی گزار سکے بصورت دیگر اس کی زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی ہے۔

(۳)

آج جب کہ علم کے ذریعہ انسان بام عروج تک پہنچ چکا ہے ایسے میں صرف دین اسلام ہی ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو ہر دور کے نوخیز مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اس کے مقابل دیگر تمام ادیان (ساوی و غیر ساوی) انسانی زندگی سے متعلقہ جدید مسائل کی گتھیاں سلجھانے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اسی بنیادی فرق اور خصوصیت کی بناء پر اسلام کو "دین فطرت" کہا جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروں کاروں کو جو ابدی ضابطہ حیات دیا ہے اس کی ایک شان تو یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس ہستی (خالق کائنات) نے اپنے ذمہ لی ہے کہ جس کو کبھی فنا نہیں تو دوسری اس کی شان یہ ہے کہ اس (قرآن) کو اس قدر جامع، کامل اور اکمل صورت میں نازل کیا گیا ہے کہ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کہہ کر قیامت تک کے جملہ مسائل کے لیے راہنمائی کے اصول بھی وضع فرما دیئے ہیں۔

(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تاج مرصع سے نواز کر آسمانی راہنمائی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فریضہ آپ کی امت کے علماء ربانیین کو سونپ دیا گیا چنانچہ ان بندگان خدا مست نے پورے خلوص و للہیت کے ساتھ ہر دور میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل قرآن وحدیث کے بحر ذخار سے نکال ملت کے سامنے رکھا جہاں تک کہ موجودہ زمانہ جس میں ہم زندگی گذار رہے ہیں میں سائنسی ٹیکنالوجی اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ نئے نئے اکتشافات سے بہت سے ایسے مسائل نے بھی جنم لے لیا ہے جن کا تعلق براہ راست ہماری مذہبی زندگی سے ہے ایک

طرف تو صورت حال یہ ہے کہ جوں جوں سائنسی علوم ترقی کر کے نئی ایجادات و اختلافات کا موجب بن رہے ہیں تو دوسری طرف قحط الرجال ہونے کی وجہ سے اور قلت مطالعہ کی بناء پر ان نوخیز مسائل کا اسلام کی روشنی میں سائنٹیفک حل پیش کرنے کی بجائے یہ کہہ کر جان چھڑانے کی سعی نامشکور کی جاتی ہے کہ فلاں چیز اسلام میں جائز نہیں ہے گویا کہ یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ بحیثیت دین اسلام میں ان موجودہ سائنسی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت و صلاحیت نہیں ہے۔

(۵)

اندریں حالات ہمارے ممدوح حضرت العلام، مرجع علماء الانام، مخدوم العالم فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس نازک حقیقت سے کس حد تک آگاہ تھے اس کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر بعض مسائل شرعیہ کے حکم سے متعلق ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

"کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ----- کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں ----- مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے "فانا للہ وانا الیہ راجعون"

(فتاویٰ نوریہ ۳: ۴۷۰)

(۶)

اس نوری قول کی عملی تفسیر پیش کرنے کے لیے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے شبانہ روز جس محنت اور لگن سے کام کیا اس کا اندازہ آپ کے مجموعہ فتاویٰ (جو چھ ضخیم

جلدوں پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ سے جب بھی کوئی سوال پوچھا گیا تو اس کے جواب میں اس خادم دین وملت نے بحور علم کی غوطہ زنی کرکے ایسے ایسے گوہرہائے آبدار نکال کر مشتاقان دید تحقیق کے سامنے رکھے کہ جن کی چمک سے تحقیق کا ذوق رکھنے والے اور اہل علم حضرات کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ **فلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء**

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشندہ

اب ہم ذیل میں اپنے اس دعوے کی تصدیق میں بعض مسائل جدیدہ مثلاً عطیہ خون، انگریزی و ہومیوپیتھی ادویہ کا استعمال اور اس طرح کے دیگر مسائل سے آپ کی فاضلانہ رائے کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر دل بے ساختہ طور پر آپ کے قلم حقیقت رقم کی جولانیوں کی داد دینے لگتا ہے۔

(۷)

عطیہ خون! حالت مرض میں جب کہ کسی مریض کی جان نکل رہی ہو ڈاکٹر یا طبیب اس کے لئے خون دینے کو کہیں تو اس پر ہمارے بعض قدامت پرست علماء محض قلت مطالعہ اور کم نظری کی وجہ سے خون کے عطیے کو ناجائز و حرام ہونے کا فتوی صادر کر دیتے ہیں حالانکہ دیکھا جائے تو اس میں بجز باہمی ہمدردی اور تعاون کے اور کوئی مفاد نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت فقیہ اعظم دامت برکاتھم سے خون کا عطیہ دینے سے متعلق فتوی طلب کیا گیا تو آپ نے بھی مذکورہ مسئلہ میں باہمی تعاون کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے جواز کا فتوی دیا اور کتب فقہ سے دلائل کثیرہ دینے کے بعد فرمایا۔

"ایسی ضرورت شدیدہ کے وقت کہ زخمی مجاہد کی زندگی خطرہ میں ہو اور کوئی نافع دوائی خون کے بغیر نہ ملے تو استعمال خون بقدر ضرورت شرعا" جائز ہو گا" پھر قرآن وسنت

سے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"بہر حال روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسے مریض کے لیے ایسی ضروریات کے وقت انسانی خون کا استعمال جائز ہے جب استعمال خون جائز ہے تو خون کے عطیات پیش کرنے بھی جائز ہوں گے"

(فتاویٰ نوریہ ۳:۴۵۴)

(۸)

موجودہ دور میں بھی بعض علماء ایلوپیتھک (انگریزی) اور ہومیوپیتھک ادویہ کے استعمال کے بارے میں تردد کا شکار ہیں لیکن جب ہم اس مسئلہ میں بھی صاحب فتاویٰ نوریہ کی تحقیقات کو دیکھتے ہیں تو دل عش عش کر اٹھتا ہے چنانچہ آپ ایک سوال کے جواب میں قرآن وسنت کے علاوہ ۱۲ مستند کتب فقہ جن میں بحرالرائق، شامی، فتح القدیر، قاضی خان، عالمگیری، خلاصۃ الفتاویٰ اور بدائع صنائع جیسی کتب معتبرہ شامل ہیں کے حوالہ جات سے اپنے موقف کو موکد کرنے کے بعد اپنا محققانہ فیصلہ بصورت فتوی ارقام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقا" غربا" عربا" عجما" عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن ومتعین کہ تمام دواؤں میں عموما" شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور وہ بھی یقین نہیں کہ انگوری ہوتی ہے تو اندریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز و حلال ہونا چاہئے کہ ایک ایک دوائی کے متعلق شراب کی آمیزش یقینی نہیں ہے حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے"

(حوالہ مذکور ۴۵۸)

پھر اس مسئلہ میں آئمہ فقہا کی تصریحات پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"البتہ ایلوپیتھک ادویہ کی طرح ہومیوپیتھی ادویہ کا استعمال فقیر کی نظر میں حد ابتلا تک نہیں پہنچ سکا تو ان میں اباحت اصلیہ اور عدم تیقن نجاست سے ہی جواز ثابت ہو سکتا ہے"

صفحہ (٤٦٠)

٨ صفحات پر مشتمل اس طویل فتوی کے مباحث سمیٹتے ہوئے حاصل کلام کے طور پر لکھتے ہیں۔

"الحاصل وجہ سابق کی بنا پر ایسی انگریزی ادویہ جو مسکر نہ ہوں اور ان میں انگوری شراب کی ملاوٹ کا شرعی یقین بھی نہ ہو وہ اندریں زمانہ مطلقاً جائز الاستعمال ہونے چاہئے اور اگر مریض شرعی مضطر ہو تو شرائط معروفہ سے مضطر الیہ و دوائی کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔

صفحہ (٤٦٣)

(اس مسئلہ میں تفصیل سے پڑھنے کے خواہشمند حضرات فتاویٰ نوریہ جلد سوم کا مطالعہ کریں)

(٩)

ہوائی جہاز میں نماز (فرض ہو یا نفل) پڑھنے سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"ہاں جائز ہے کہ ہوائی جہاز بھی بحری جہاز کی طرح ایک عنصر پر ہوتا ہے وہ پانی پر ہوتا ہے اور یہ ہوا پر' پانی پر قیام اور سجدہ نہیں ہو سکتا مگر جہاز پر ہو سکتے ہیں تو یونہی ہوا میں قیام اور سجدہ نہیں ہو سکتے مگر ہوئی جہاز پر بھی با آسانی ہو سکتے ہیں اور استقبال قبلہ بھی قطب نما دیکھ کر یا عملہ کے تعاون سے ہو سکتا ہے اور عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں تو ممانعت کیوں؟ حالانکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور قوموا للہ قنتین وغیرھا آیات بھی علی الارض کی قید سے اطلاق پر نہیں اور سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام بھی آسمان پر نماز ادا فرماتے ہیں تو روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ بلاشک وشبہ و ریب جائز ہے۔

صفحہ (٤٩٠)

(١٠)

بیمہ پالیسی (انشورنس) بھی اس دور کا ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اور مختلف فیہ مسائل میں سے ایک ہے اس بارے میں حضرت شیخ التفسیر ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ کی وساطت سے لندن سے آمدہ چھ مختلف سوالات جن کا تعلق سود سے ہے کا جواب دیتے ہوئے انشورنس سے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"یہ سب سود نہیں اور جائز ہے" (فتاویٰ نوریہ۔ ٤:٩٠)

ایک جملے پر مشتمل اس جواب نے علامہ موصوف علیہ الرحمتہ کی ثقاہت علمی اور تبحر فقہی کے پیش نظر اہل فکر و نظر اور نکتہ بین علماء دین کے لیے اس مسئلہ میں سوچنے کے بہت سے راستے کھول دیئے ہیں۔ "لعلکم تتفکرون"

(١١)

لاؤڈ سپیکر جو موجودہ دور کی ایک ایجاد ہے میں نماز سے متعلق بھی ہمارے معاصر بعض علماء تشکیک کا شکار ہیں بلکہ ان میں سے کچھ حضرات تو بڑی شدت کے ساتھ نماز میں اس مکبر الصورت آلہ کے استعمال کی مخالفت میں فتوے بھی صادر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی صاحب فتاویٰ نوریہ علیہ الرحمتہ نے باقاعدہ ایک رسالہ " مکبر الصوت" کے نام سے لکھا اور اس میں حضرت موصوف کے قلم نے وہ جوہر دکھائے ہیں جو لولوئے آبدار سے کم نہیں ہیں یہ عظیم تحقیقی شاہکار رسالہ فتاویٰ نوریہ جلد اول کے ٣٥١ سے ٣٦٨ صفحات تک پھیلا ہوا ہے اس طویل ترین فتوی میں بارہ مقدمات (جن میں سے ہر مقدمہ درجنوں کتب فقہ سے درجنوں دلائل پر مشتمل ہے) دو وصلیں جن میں پہلی وصل جواز کے اثبات میں ہے جب کہ وصل دوم میں عدم جواز کے شبہات کا رد ہے اور اس میں فاضل مصنف نے

سوال، جواب کا اسلوب اپنایا ہے اور پھر اپنے موقف کی تفہیم کے لیے "وضاحت" کے عنوان سے مختلف پیرایہ میں چھ وضاحتیں کیں ہیں جن میں بیسیوں دلائل ذکر کئے ہیں۔ اسی طرح سائل کے دوسرے سوال کے جواب میں بھی اس قدر وقیع مقالہ سپرد قلم کیا ہے کہ جو دلائل کا ایک بحر ذخار ہے اس طویل ترین تاریخی فتوے کا آغاز یوں فرماتے ہیں۔

"بلا شک و شبہ و گنجائش ریب قرآن کریم اور احادیث طیبہ اور اجماع عملی و نقول مذہبیہ فقہیہ سے اس کا جواز آفتاب بے حجاب سے بھی زیادہ واضح و بے نقاب ہے"

(فتاوی نوریہ ۱:۲۵۳)

(۱۲)

مذکورۃ الصدر اور اس قسم کے دیگر مثلاً ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ رویت ہلال کی اطلاع اور روزے کی حالت میں ٹیکہ لگوانا وغیرہ ایسے مسائل ہیں کہ جن کا آپ نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ حل پیش کیا ہے۔ اگر طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو مزید لکھتا اگر اللہ کو منظور ہوا تو کسی دوسری نشست میں اسی موضوع پر کچھ عرض کروں گا۔

آخر میں رب رحیم و کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب کریم نبی عظیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقہ جلیلہ میں حضرت مخدومنا مقدام العلماء مسند الفضلاء علامہ ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ النعیمی القادری قدس سرہ العزیز کے درجات کو بلند کرے اور کروٹ کروٹ ان پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرمائے اور ہم ایسے ننگ اسلاف لوگوں کو حضرت کے علمی و روحانی کمالات سے حصہ وافر عطا فرمائے اور اپنے کرم بے پایاں سے ان نیک اور بارگاہ صمدیت میں مقبول صالح رجال کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔



فرخص فيه فتنزه عنه قوم فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطب فحمد الله ثم قال ما بال أقوام يتنزهون عن الشئ أصنعه فوالله انى لاعلمهم بالله و أشدهم له خشية متفق عليه وعن رافع بن خديج قال قدم نبى الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يؤبرون النخل فقال ما تصنعون قالوا كنا نصنعه قال لعلكم لولم تفعلوا كان خيرا فتركوه فنفضت قال فذكروا ذلك له فقال انما أنا بشر

اليها الفعل (فرخص) أى للناس (فيه) أى فى ذلك الصنع أو من أجله (فتنزه عنه) أى عن ذلك الصنع (قوم) ولم يفعلوا ذلك العدم ظنا منهم ان فعله ينافى الكمال و انه صلى الله عليه وسلم انما فعله لبيان الجواز قال الشيخ لم أعرف أعيان القوم المشار اليهم و لا الشئ الذى ترخص فيه و أوما ابن بطال الى انه القبلة للصائم و قيل الفطر فى السفر كذا ذكره الابهرى و الاظهر ان القوم هم المذكورون فيما تقدم و الشئ المرخص ماذكر فيما سبق (فبلغ ذلك) أى تنزههم (رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطب) أى أراد أن يخطب كذا قاله الطيبى و يمكن أن يكون قوله (فحمد الله) الخ تفسيرا لما قبله (ثم قال) أى فى أثناء خطبته أو بعد فراغها معرضا لا مصرحا سترا على الفاعل و رحمة به (ما بال أقوام) استفهام انكارى بمعنى التوبيخ أى ما حالهم (يتنزهون) صفة أقوام وقع موقع الحال نحو مالك قائما و كقوله تعالى مالكم لا ترجون لله وقارا أى يتباعدون و يحترزون (عن الشئ) من النوم بالليل و الا كل بالنهار و التزوج بالنساء كذا قاله ابن الملك (أصنعه) حال من الشئ و أل فيه للعهد الذكرى السابق فى قوله شيأ و قيل اللام فى الشئ للجنس و أصنعه صفته (فوالله انى لاعلمهم بالله) قال المظهر أى فان احترزوا عنه لخوف عذاب الله فانا أعلم بقدر عذاب الله فانا أولى بالاحتراز (و أشدهم له خشية) اشارة الى القوة العملية و قدم العلم على الخشية لانها نتيجته ولذا قال تعالى انما يخشى الله من عباده العلماء قال الطيبى هذا أبلغ من أخشاهم على الاصل فانه عدل عنه و جعل أشد ثم فسر بخشية ليدل على ان الاشد نفسه (متفق عليه و عن رافع بن خديج) رضى الله عنه يكنى أبا عبدالله الحارثى الانصارى أصابه سهم يوم أحد فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا شهيد لك يوم القيامة و انتقضت جراحته زمن عبدالملك بن مروان فمات سنة ثلاث و سبعين بالمدينة و له ست و ثمانون سنة روى عنه خلق كثير و خديج بفتح الخاء المعجمة و كسر الدال المهملة و بالجيم (قال قدم نبى الله) و فى نسخة النبى (صلى الله عليه وسلم المدينة) أى طابة السكينة (وهم) أى أهلها (يؤبرون النخل) جملة حالية أى يلقحون كما فى رواية طلحة بن عبيدالله يعنى يجعلون الذكر فى الانثى و هو بتشديد الباء وروى يأبرون بتخفيف الباء المكسورة و قد يضم و الابر و الابار و التأبير الاصلاح و المعنى يشقون طلع الاناث و يذرون فيه طلع الذكر ليجىء ثمره جيدا اذ النخلة خلقت من فضلة طينة آدم على ما ورد فلابد عادة فى صلاح نتاجها من اجتماع طلع الذكر مع طلع الانثى كما أنه لابد عادة فى تخلق ابن آدم من اجتماع منى الذكر والانثى (فقال ما تصنعون) ما استفهامية (قالوا كنا نصنعه) أى هذا دأبنا وعادتنا (قال لعلكم لو لم تفعلوا كان) و فى نسخة لكان (خيرا) أى تتعبون فيمالاينفع كما جاء فى تلك الرواية ما أظن يغنى ذلك شيأ (فتركوه) اى التأبير (فنفضت) أى النخل ثمارها أو انتقصت ثمارها فان النقص متعد ولازم اى لم يأت منها شئ صالح (قال) اى رافع (فذكروا) أى أصحاب النخل (ذلك) أى النقصان (له) عليه الصلاة والسلام (فقال انما أنا بشر) أى فليس لى اطلاع على المغيبات و انما ذلك شئ قلته بحسب الظن لشهودى اذ ذاك الى مسبب الاسباب و استغراق فى عجائب قدرته و غرائب قوته التى لاتتوقف على سبب لكنه تعالى قضى ليظهر حكمته الباهرة و تتفاوت شهود عباده فى الدنيا و الآخرة

حاشیہ بر مرقات شرح مشکوٰۃ

نمونۂ اسلاف

—— علامہ سید محمود احمد رضوی

فقیہ اعظم حضرت علامہ محمد نور اللہ صاحب نعیمی قدس سرہ العزیز علوم عالیہ اسلامیہ کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم، جلیل روحانی شخصیت تھے۔ وہ بزرگان سلف کا نمونہ تھے اور یہ حقیقت ہے کہ انہیں دیکھ کر دیکھنے والے کے دل میں دینداری کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ والد محترم شیخ المحدثین مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور آپ پہلی علمی شخصیت ہیں جنہوں نے مسائل جدیدہ پر کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں مسائل جدیدہ کا حل پیش کیا۔ ان کی خصوصیات میں سے میرے نزدیک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سچے عاشق رسول تھے۔ ادب و احترام، تواضع و انکساری ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اور ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے تدریس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اصلاح کے لئے بھی کام کیا۔ اور جو بھی ان سے سلسلہ قادریہ نعیمیہ اشرفیہ میں مرید ہوا ان میں سے اکثر کی زندگی پر ایسا اچھا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی زندگی کو احکام اسلامیہ کا پابند بنالیا۔

طریقت میں وہ حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت صدر الافاضل کے علم و عمل کا نمونہ تھے۔ مولا انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور سب کو ان کے نقش پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت ممدوح کی ایک جامع تاریخ مرتب کی جائے جس میں ان کی سیرت و کردار، جودت علمی، علم و عمل اور دینی علوم کی خدمات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ ان کی زندگی کے وہ پہلو

سامنے آجائیں، جواب تک منظر عام پر نہیں آئے۔

اساتذہ کے ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ جب بھی مولانا موصوف لاہور تشریف لاتے تو حضرت والد گرامی سے ملاقات فرماتے اور نذر پیش کرتے۔ کبھی کبھی بعض مسائل پر عالمانہ گفتگو بھی ہو جاتی۔ راقم پر ان کی شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ والد صاحب کے وصال کے بعد جب بھی وہ تشریف لاتے۔ بغیر ملاقات واپس نہ جاتے۔ وہ لطف و کرم کا ایک حسین و جمیل پیکر تھے۔ دینی طلباء سے بہت محبت و شفقت فرماتے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی سعی فرماتے۔

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور آپ کی عظیم الشان علمی یادگار ہے اور ایک چشمہ فیض ہے جس سے علمی فیض حاصل کرکے ملک و بیرون ملک تبلیغ اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔

فتاویٰ نوریہ بھی ان کی ایک علمی یادگار ہے جس میں سائلین کے سوالوں کے مدلل جوابات درج ہیں۔ یہ فتاویٰ بھی نہایت موثر اور علمی معلومات پر مشتمل ہے اور تشنگان علم کے لیے سرمایہ حیات ہے۔

قابلِ رشک شخصیت

مفتی محمد حسین نعیمی

یہ حقیقت ہے کہ حضرت فقیہہ اعظم۔ بلامبالغہ، بلاشبہ اس دور کے فقیہہ اعظم ہیں۔ آپ کی شخصیت تمام علماء کے لئے قابل رشک ہے۔ ایک وارث رسولؐ میں جن خوبیوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ تمام خوبیاں آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

ایک عالم دین میں بنیادی طور پر چار باتیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۔ علم نافع و علم کامل ۲۔ ذوق عبادت، عادت عبادت ۳۔ صحابہ و صلحاء کا سا کردار ۴۔ کمال توکل و تقویٰ

حقیقت یہ ہے کہ حضرت فقیہہ اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ میں یہ چاروں چیزیں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ آپ اپنے دور کے تمام علماء میں ممتاز تھے۔ اور اپنے دور کے کسی عالم سے کم نہ تھے۔ دوسری بات جو اکثر علماء میں نہیں پائی جاتی اور وہ ہے عبادت کیونکہ ایک وارث نبی کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ راہ ولائت اختیار کرے اور ولائت کا تقاضا عبادت ہے۔ علماء اس طرف کم توجہ دیتے ہیں مگر آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ عبادت میں بھی اتنے عظیم، اتنے حاوی، اور اتنے کامل تھے کہ خود بھی عبادت کا اہتمام کرتے اور طلباء کو بھی عبادت حتہ کہ تہجد کے نوافل کی ترغیب دیتے۔ وہ ہر وقت کسی کسی عبادت میں مصروف رہتے۔

تیسری چیز کردار ہے۔ آپ کا ایک ایک قدم سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق تھا۔ چوتھی چیز توکل ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر بڑا توکل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگل میں منگل لگا دیا۔ غیر آباد جگہ پر ادارہ قائم کرکے اسے عظیم یونیورسٹی بنا دیا۔

علم، عبادت، کردار اور توکل یہ چار چیزیں آجکل علماء میں اکثر نہیں پائی ہوتیں۔ مگر فقیہہ اعظم میں بتمام و کمال پائی جاتیں تھیں۔ ایک عالم دین کی یادگار چار چیزیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ تصانیف ۲۔ تلامزہ ۳۔ دارالعلوم (صدقہ جاریہ) ۴۔ جلد صالح۔ ایک وارث رسول عالم دین کا کمال یہ ہے کہ چاروں قسم کی شکل میں یادگاریں چھوڑیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی آپ علماء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

شاگردوں کے اندر چار چیزیں ہونی چاہئیں جو اکثر علماء کے شاگردوں میں نہیں پائی ہوتیں مگر آپ کے تلامذہ میں پائی جاتیں ہیں۔ شاگرد وہ ہو جو ۱۔ مدرس ہو ۲۔ خطیب ہو ۳۔ مصنف ہو ۴۔ متقی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل تھا کہ آپ کے شاگردوں میں مدرس ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ خطیب و مقرر ہیں مصنفین ہیں اور آپ کے فیضان سے بہرہ ور ہونے والوں میں تقویٰ ہے۔

حضرت قبلہ فقیہہ اعظم مولانا ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ صاحب نعیمی نور اللہ مرقدا اپنے دور میں یکتائے زمانہ تھے۔ اپنی علمی اور فقہی بصیرت میں بے مثال تھے۔ جس حسین و جمیل اور تحقیقی انداز میں بالخصوص مسائل جدیدہ کا حل فرمایا ہے۔ یہ انہی کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت فقیہہ اعظم کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل اور تقویٰ و ورع کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ ان کے قول و فعل میں شریعت کی جھلک نظر آتی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اطاعت خدا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارا۔ حضرت فقیہہ اعظم قدس سرہ پوری زندگی قال اللہ و قال الرسول کی صدا بلند کرتے رہے۔ حضرت مولانا ان تمام خوبیوں سے متصف تھی جو کہ ایک عاشق الٰہی اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عالم باعمل اور عارف، سالک اور وارث نبی میں ہونی چاہیں۔ اللہ تعالیٰ عوام کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔۔ آمین ثم آمین

حق گوئی اُن کا شیوہ

—— مفتی غلام سرور قادری

استاذ العلماء والفقہاء حضرت قبلہ ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ علیہ ایک چوٹی کے فقیہہ بلکہ اپنے زمانہ کے فقیہہ اعظم تھے راقم نے جب قبلہ کی متعدد بار زیارت کی۔ واقعی وہ علم و عمل کے پیکر تھے۔ راقم ملتان کی مرکزی درس گاہ مدرسہ عربیہ انوار العلوم میں استاذ الحدیث و مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا بعض لوگ حضرت کے فتاوی تصدیق کے لئے میرے پاس لاتے تھے ان فتاوی سے آپ کی فقہی بصیرت واضح ہوتی تھی۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کے ایک عظیم الشان عالم ایک عظیم الشان محقق اور ایک عظیم الشان علامہ و فہامہ تھے جب کبھی حضرت سے ملاقات ہوئی تو ہمیشہ میں نے آپ کو متواضع پایا ان میں انانیت، تکبر اور غرور کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کا جیسے اسم گرامی "نور اللہ" تھا واقعی ان میں علم و عمل کا نور چمکتا تھا۔ راقم ایک مرتبہ مدرسہ حزب الاحناف میں بیٹھا تھا اور سید صاحب قبلہ سے شرف نیاز حاصل کر رہا تھا کہ اس دوران حضرت قبلہ تشریف لائے اور کسی مسئلہ پر دونوں بزرگوں میں گفتگو ہوئی تو کمال شفقت سے حضرت نے مجھے فرمایا کہ آپ کیوں خاموش ہیں آپ بھی اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ میں نے عرض کی حضرت! میں دونوں بزرگوں کی علمی و فقہی گفتگو سے محظوظ ہو رہا ہوں اور میں استفادہ کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ دونوں بزرگوں کے ہوتے ہوئے کچھ عرض کروں۔ وہ مسئلہ اب مجھے یاد نہیں کہ کونسا تھا لیکن میرے انکار کے باوجود اصرار فرمایا تو میں نے کچھ عرض کیا۔ جس پر آپ نے کمال شفقت سے میری بات کی اپنے مخصوص انداز میں تشریح کرتے ہوئے حاشیہ

آرائی فرمائی جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ حضرت سید صاحب قبلہ کے بعد میں نے ان جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔

ان دونوں میرے استاذ و شیخ کریم سیدی احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کے رسالہ "مزیلۃ النزاع فی مسئلہ السماع" کی اشاعت ہو چکی تھی مجھ سے ازراہ تعجب فرمایا کہ یہ رسالہ واقعی حضرت کاظمی صاحب کا ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ حضرت کاظمی صاحب کا جو علمی مقام ہے یہ رسالہ اس کی نسبت ہیچ ہے میں نے عرض کی یہ حضرت کا طالب علمی کے زمانے کا رسالہ تھا جس پر بعد میں حضرت نے نظرثانی کرنا تھی کسی نے حضرت سے نظرثانی کرائے بغیر اسے چھاپ دیا ہے۔ اس لئے اس میں کچھ قابل اصلاح باتیں رہ گئیں ہیں۔ حضور والا کو اگر وہ رسالہ نظرثانی کے لیے پیش کیا جاتا تو آپ نئے انداز اور نئی شان سے ان کی اصلاح فرماتے پھر اس میں وہ بات نہ ہوتی جو آپ محسوس فرمارہے ہیں یا اہل علم کو محسوس ہوتی ہے فرمانے لگے آپ نے درست جواب دیا ہے میرا بھی یہی خیال ہے۔

فقیہ اعظم مسلک اہلسنت کے عظیم رہنما تھے اور حق گوئی و حق پرستی ان کا شیوہ تھا۔ حکمرانوں کی ہیبت اور ان کا جاہ و جلال حضرت والا کو حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا تھا اور نہ ہی ان کے دل و دماغ میں وقتی مصلحت کا کوئی گوشہ تھا۔ حضرت والا گوناگوں علمی مصروفیات و ضعف پیری اور علالت طبع کے باوجود ملکی حالات و سیاسی معاملات سے بھی الگ تھلگ نہیں رہتے تھے۔ بھٹو کے دور میں جب نظام مصطفیٰ کی تحریک چلی تو حضرت والا نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلاشبہ حضرت والا کا وجود مسلمانان پاکستان کے لئے خصوصاً اور مسلمانان عالم کے لئے عموماً نعمت عظمیٰ تھا۔ آپ کے علمی مقام و فقہی بصیرت کا اندازہ آپ کے فتاوی نوریہ سے واضح ہے۔ آپ نے بصیرپور میں علم کی شمع روشن فرمائی کہ اس کے انوار نے ملک کے کونے کونے کو روشن کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے صاحبزادگان و عقیدتمندان کو آپ کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین ثم آمین

مجمع البحرین

شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و الہ و صحبہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

جس طرح عالم محسوسات میں روشنی اور ضیاء کے لئے اجرام نیرہ کا وجود ضروری ہے۔ اسی طرح عالم معنی اور روحانیت میں انوار ہدایت اور ضیاء عرفان کی بہم رسانی کے لئے نفوس قدسیہ نبویہ اور ارباب ولایت و اصحاب شریعت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر اول الذکر اسباب نور و ضیاء کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے اپنا شاہکار قرار دیا۔ **ھو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا**" تو ثانی الذکر سرچشمہائے انوار و اضواء کو بھی اپنا شاہکار عظیم قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ **داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا** ۔ نیز ان کو اپنا مظہر نور انور قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ **اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح**۔ جس سے مراد علماء اعلام اور اکابرین کی تفسیر کے مطابق نور نبوت اور نور ایمان ہے جو صدور انبیاء اور اولیاء و علماء کے قلوب مقدسہ میں ودیعت کیا گیا ہے اور جس طرح ہروقت روئے زمین پر براہ راست سورج سے روشنی مہیا کرنا قانون قدرت اور حکمت کاملہ کے خلاف ہے بلکہ کبھی بلاواسطہ اس کے انوار اور ضیاء پاشیوں سے اہل عالم مستنیر اور مستفید ہوتے ہیں تو کبھی اس کے مظاہر انوار سے۔ اسی طرح آفتاب رسالت سے ہی ہروقت اہل عالم کا براہ راست مستفید اور مستفیض ہوتے رہنا اللہ کی حکمت بالغہ اور آئین قدرت کے مطابق نہیں کبھی انبیاء سابقین کے ذریعے ان کے انوار سے جہان کو منور و روشن فرمایا اور کبھی براہ راست اس شمس منیر اور سراج وہاج

سے ضوفشانی کا سامان بہم پہنچایا اور کبھی اولیاء و علماء عاملین کے ذریعے ان فیوض و برکات کی بہم رسانی کا سامان فرمایا اور اسی وجہ سے علماء اعلام وارثین رسول و انبیاء قرار پائے بلکہ امت محمدیہ کے علماء کرام انبیاء بنی اسرائیل کے مماثل و مشابہ قرار پائے یعنی تبلیغ و ارشاد میں۔

انہیں آفتاب رسالت کے عکس و پرتو سے منور و مستنیر ماہتابوں اور روشنی کے میناروں میں سے عظیم ماہتاب اور ہدایت و ارشاد کے روشن منیار حضرت شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی قادری رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے جو علم ظاہر اور علم باطن اور امانت ولایت کے مجمع البحرین تھے۔ جہاں آپ نے تقریر و تحریر اور تدریس و تعلیم کے ذریعے دین مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا حق ادا فرمایا اور لاکھوں گم گشتگان بادیہ ضلالت کی ہدایت کا حق ادا کیا۔ وہاں ہزاروں دلوں کو قلبی توجہات اور انفاس قدسیہ سے خدا شناس بنایا اور **یعلمھم الکتاب والحکمتہ** کی طرح ویزکیھم والے فرائض رسالت میں بھی حق وارثت و نیابت ادا کیا اور اسی نیابت و وارثت نبویہ کا ہی یہ فیضان ہے کہ سینکڑوں فیض یافتہ علماء کرام اور فضلاء اعلام اور عظیم ادارہ "دارالعلوم حنفیہ فریدیہ" جس طرح آپ کا صدقہ جاریہ ہیں اسی طرح فقہ حنفی کا عظیم شاہکار فتاوٰی نوریہ بھی تشنگان معرفت احکام شرعیہ کے لیے سرچشمہ آب حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان فیوضات و برکات کو مفیض عام بنائے اور باعث استفادہ خلائق۔

بندہ کو گو دو دفعہ سے زیادہ آپ کی زیارت اور شرف صحبت سے مشرف ہونے کا موقعہ نہ مل سکا لیکن ان دو دفعہ کی زیارت اور شرف صحبت کو بھی زندگی کا حاصل سمجھتا ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسم بامسمی بنایا تھا اور حسن صورت کو حسن باطن کا شاہد **کما قیل الظاہر عنوان الباطن**۔ بظاہر خاموش طبع تھے اور ناواقف لوگوں کے لیے گویا سفید پوش دیہاتی زمیندار مگر وہ سکوت ایک بحر ناپیدا کنار کا سکوت ہوتا تھا کہ جونہی کسی نے مسئلہ چھیڑا تو وہ سکوت معلومات کی متلاطم امواج میں بدل جاتا اور اس سادہ لباس اور سادہ وضع کی شخصیت

کے حدود عظمت کا احاطہ اچھے بھلے ماہرین علماء کے لیے ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہو جاتا۔

تمام تر علمی و عملی اور روحانی خوبیوں بلکہ خصوصیتوں کے جامع ہونے کے باوجود فروتنی اور کسر نفسی، تواضع اور انکساری نے آپ کے جوہر ذات کو مزید نکھار دیا تھا اور آسمان رفعت و نزہت کا درخشندہ ماہتاب بنا دیا تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا۔ **"من تواضع للہ رفعہ اللہ تعالی"**

اسی تواضع اور کسر نفسی کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا قاری رضاء المصطفے صاحب اعظمی خطیب نیو میمن مسجد نے آپ کو خط لکھا تھا کہ "سنا ہے کہ آپ نے بہار شریعت کے بعض مقامات پر اعتراضات کیے ہیں تو وہ کیا ہیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ تحدی کی حد تک مندرجات ہوں کسی کو کسی مسئلہ پر اعتراض کا موقعہ نہ مل سکے۔ آپ نے ان کی تحدی والی تعلی پر ناصحانہ انداز اختیار کرکے فہمائش کی اور اپنے متعلق فرمایا "باقی بہار شریعت پر اعتراضات" تو میری کیا جرات کہ حضرت صدر الشریعت علیہ الرحمتہ کی وہ مقبول تالیف مبارک جو تقریظ مجدد دین وملت رحمتہ اللہ علیہ سے آراستہ ہو! حضرت میں ایک کم علم طالب علم ہوں ایسی کوئی بات نہیں البتہ بعض مسائل کے متعلق اتفاقیہ کوئی بات ہوئی ہو تو ہو سکتا ہے۔"

بعد ازاں آپ نے تین مسائل پر اپنے تعقبات مدلل انداز میں ذکر فرمائے مگر مجال ہے کہ حضرت صدر شریعت کے متعلق کسی طرح کی لغزش وغیرہ کی نسبت کی ہو ورنہ اس دور میں تو خطائے بزرگان گرفتن فرض سمجھا جاتا ہے اور اسی پر مذہبی عظمت کا محل تعمیر کرنا ہی ممکن نظر آتا ہے اور اس کا صرف اور صرف یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات تفقہ اور تصوف کی مجمع البحرین تھی اور درحقیقت صاحب کمال اور صاحب تحقیق وہی ہوتا ہے جو ان دونوں کا جامع ہو **کما قال الامام مالک ومن جمع بینھما فقل تحقیق** اور اسی جامعیت کی بناء پر

آپ کی ذات فضائل و فواضل کی امین بن چکی تھی۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

آپ کا وصال موت العالم موت العالم کا مصداق ہے اور اس خلا کا پورا ہونا محال تو نہیں مگر ناممکن ضرور نظر آتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بندہ کی دلی دعا ہے اور ہر دردمند اسلام اور بہی خواہ ملت کی یہی دعا ہے۔

تاحشر جہاں میں رہے جاری تیرا فیضان
ہوتی رہے تربت پہ تیری بارش انوار
آمین ثم آمین



عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

مخزنِ علم و عرفان

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

ممتاز عالم دین، فقیہ اعظم حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ صاحب بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے، مشہور مدرس، معروف محدث، نامور فقیہ اور ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ ویسے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں نے نوازا تھا، لیکن رب کائنات جل مجدہ نے انہیں جو فقہی بصیرت عطا فرمائی تھی وہ بہت ہی کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے، بہت ہی مشکل مسائل کو چشم زدن میں حل کر دینا ان کا طرہ امتیاز تھا، علماء اہلسنت میں انہیں جو قدر و منزلت حاصل تھی، اس کا اندازہ لگانے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ دنیائے اسلام کے نامور محدث، غزالی وقت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ ان کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے اور اپنی نجی محفلوں میں جن علمی شخصیات کی دینی اور مذہبی کاوشوں کو سراہتے تھے ان میں حضرت فقیہ اعظم بھی شریک تھے، یہی وجہ ہے کہ معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ دستار فضیلت میں ان کی شرکت کو ضروری سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک مرتبہ سالانہ جلسہ کے انتظامات کے سلسلے میں کارکنوں کی مشاورتی کمیٹی کے اجلاس میں کسی کارکن نے عرض کیا کہ حضرت فقیہ اعظم کا جلسہ میں خطاب تو ہوتا نہیں، پھر انہیں ہر سال شرکت کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟ حضرت غزالی زماں رحمتہ اللہ علیہ جو اس وقت تکیہ کا سہارا لئے تشریف فرما تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا میں حضرت فقیہ اعظم کو تقریر کے لئے تو نہیں بلاتا، بلکہ ایسے نیک، صالح اور جید علماء کرام کا اسٹیج پر صرف بیٹھ جانا ہی ہمارے

لئے بڑی عزت کی بات ہے۔

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو جن لوگوں نے قریب سے دیکھا ہے اور انہیں آپ کی خدمت میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے مزاج میں انتہائی سادگی تھی وہ اس طمطراق کے قائل نہ تھے جو عموماً" بعض اہل علم میں دیکھا جاتا ہے' ان کا لباس اگرچہ انتہائی صاف ستھرا ہوتا تھا لیکن اسکے ایک ایک تار سے سادگی ٹپکتی تھی' ان کا دل موہ لینے والا انداز گفتگو سادہ' دھیما مگر ایسا پراثر ہوتا تھا کہ مخاطب کے دل میں اتر جاتا تھا' ملنے جلنے والوں سے مسکراتے ہوئے چہرے سے پیش آنا آپ کا معمول تھا اور آپکی ہر ادا سادگی کا حسین مرقع تھی۔

ملک کی معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار لعلوم کا سالانہ جلسہ دستار فضیلت کچھ سال قبل قاسم باغ قلعہ کہنہ پر ہوا کرتا تھا جو مدرسہ سے اگرچہ ڈیڑھ' دو فرلانگ سے بھی کم فاصلے پر واقع ہے لیکن مقررین کرام اور معزز مہمانان گرامی کے احترام کی خاطر انہیں وہاں تک پہنچانے اور وہاں سے لے آنے کے لئے کاروں کا انتظام کیا جاتا تھا' مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نشست کے لئے جب علماء کرام کی آمدورفت شروع ہوئی تو حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی جلسہ گاہ میں جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو میں عرض کی کہ کوئی گاڑی آجائے تو آپ کو بھی ابھی پہنچا دیتے ہیں فرمانے لگے نہیں میں وہاں تک پیدل جانا پسند کروں گا۔

کیونکہ وہاں جانے کے لئے جو قدم بھی اٹھے گا' اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا' کیا آپ مجھے اس اجر سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ اتنا فرمایا اور پیدل ہی جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوگئے اور میں سوچتا رہ گیا کہ کتنے عظیم ہیں یہ لوگ' جو ہر لمحے ثواب کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

میرے مرحوم دوست جماعت اہلسنّت کے نامور خطیب' شعلہ بیان مقرر حضرت علامہ

مولانا محمد شریف نوری رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے قریبی تلامذہ میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کافی عرصہ حضرت کی خدمت میں گزارا ہے ان کی خلوت و جلوت کو دیکھا ہے اس لئے میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ انتہائی متقی' پرہیزگار اور دل میں خوف خدا رکھنے والے جید عالم دین تھے' یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنا سلسلہ بیعت بھی انہی سے استوار کرنیکی سعادت حاصل کی ہے۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ استاذ العلماء فخر العلماء' فقیہ اعظم حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت ہر اعتبار سے عظمتوں کی حامل تھی' آپ کا وجود اہلسنّت و جماعت کے لئے سرمایہ افتخار تھا' ان کی ذات ستودہ صفات مخزن علم و فضل تھی' زمانہ ہمیشہ ان کی رفعتوں کو سلام کرتا رہے گا۔

فقیہ اعظم کی عظمتوں کو سلام کرتی رہے گی دنیا
علم و عرفان کے میکدے سے جام بھرتی رہے گی دنیا

حضرت **فقیہِ اعظم** قدس سرہ

جو حق کے پیکر اور اسلاف کے مظہر تھے

عشق مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جن کی شناخت تھی

تقویٰ و ورع جن پر ناز کرتا تھا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقوش پا

پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

... خادم الاولیاء: حاجی محمد یار ظہوری

(بصیرپور، ضلع اوکاڑہ)

وحیدِ عصر

مولانا محمد سلیم نقشبندی

محترم المقام حضرت علامہ فقیہہ العصر استاد العلماء شیخ الحدیث و التفسیر جناب مولانا الحاج محمد نور اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بانی جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کی خدمت عالیہ میں بارہا حاضری ہوئی مدرسہ انوار العلوم ملتان میں ہر سال ملاقات کا شرف حاصل رہا بصیر پور شریف میں بھی حضور کی دعوت پر حاضری ہوئی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات اپنی مثال آپ اور علماء و اصفیاء میں ہر لحاظ سے نمایاں نظر آتی تھی۔ زہد و تقویٰ ان کا امتیازی وصف تھا۔ علماء اور طلباء کے ساتھ بے حد پیار کی وجہ سے طلباء کرام بلا تکلف حضور سے استفادہ کرتے اور مسائل دقیقہ آپ کی خدمت عالیہ میں بیٹھ کر حل کروا لیتے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کئی ایسے مشکل مسائل جو عام علماء سے حل نہ ہوتے تھے، آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کر کے شافی جواب حاصل کیا۔ میرے مرشد برحق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شیخ المشائخ حضور قبلہ دو عالم پیر سید علی حسین شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ درگاہ مقدسہ علی پور سیداں شریف کے سجادہ نشین کی غلامی میں دو مرتبہ فریضہ حج و زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ دونوں مقدس مقامات پر ہم تمام خدام کو یہ تاکید فرمائی کہ ہر روز باقاعدہ حضرت کے حلقہ درس میں حاضر ہو کر مناسک حج سیکھو اگر نہ سمجھ آئے تو آپ سے درس کے بعد ضرور پوچھ لیا کرو۔ حضرت قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "کہ حضرت مولانا

صرف عالم ہی نہیں بلکہ بہترین عامل، عاشق رسول، شب بیدار اور ہر وقت ذکر میں مصروف رہتے ہیں" مدینہ طیبہ میں خاص کر آپ کو جس انداز میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا وہ مثالی تھا۔ گنبد خضراء کی طرف دیکھ کر آنکھیں پر نم، درود شریف و دیگر اوراد وظائف میں مشغول چہرہ مبارک کی طرف دیکھیں تو چہرہ باقاعدہ قلبی کیفیت کی غمازی کرتا تھا۔

میرے پاس آستانہ عالیہ کھرل شریف کے سجادہ نشین محترمی و مخدومی پیر طریقت والشریعت حضرت قبلہ جناب میاں علی محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ کی ذات مقدسہ کا تذکرہ شروع ہوا۔ تو فرمایا کہ میں اکثر علماء کرام سے مسئلہ پوچھ لیتا ہوں۔ لیکن جب تک اس مسئلہ کو فقیہ العصر حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ صاحب بصیر پوری رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت نہ کرلوں تسلی نہیں ہوتی۔ ان سے پوچھ کر پھر کسی سے نہیں پوچھتا۔ آپ نے مجھ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا اور فرمایا کہ آپ کو حضرت مولانا بصیر پوری رحمتہ اللہ علیہ کا جواب بعد میں بتاؤں گا۔ آپ اپنا جواب دے لیں۔ مسئلہ یہ تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ میں نزلہ زکام کا مریض ہوں۔ حکیم صاحب نے اس کا علاج پوست کا حلوہ بتایا ہے میں کس مقدار تک استعمال کرلیا کروں۔ عاجز نے جواب دیا کہ آپ پیر طریقت ہیں آپ کے لئے ایک رتی بھی جائز نہیں ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہی جواب حضرت کا تھا۔ آپ اپنے لئے رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے۔ خلوت کو اختیار فرماتے تاکہ معمولات میں کوئی فرق نہ آئے۔ علماء کرام سے ہٹ کر الگ بیٹھ جاتے تاکہ اپنا کام جاری رہے علماء کی دلجوئی کے لئے اگر کوئی آپ سے بات کرنا چاہیں تو جلدی ان سے فارغ ہو جاتے۔ لباس بے حد سادہ تھا کسی کو بہت کم معلوم ہوتا تھا کہ اپنے وقت کا وحید العصر انسان ہے۔ بیک وقت شریعت و طریقت کا رہبر ہے اور کئی ہزار علماء کا شفیق استاد اور راہبران طریقت کا پیشوا ہے۔

گیارہویں شریف کے پروگرام میں

آپ کی دعوت پر گیارہویں شریف کے پروگرام میں جب بصیر پور حاضر ہوا تو سادہ کرتے، تہبند اور عمامہ میں بڑے پرکشش دکھائی دیئے۔ احقر کے لئے آپ خود ہی گھر سے کھانا اٹھا کر لائے۔ میں نے عرض کی، حضور! آپ نے خود کیوں تکلیف فرمائی؟ فرمایا کہ علماء کی خدمت کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔ بعد میں آپ کے تلامذہ نے بتایا کہ علماء کی عزت افزائی کے لئے آپ کا یہی معمول ہے۔ رات کو خطاب سے پہلے میں نے دریافت کیا کہ آیا دارالعلوم کے لئے چندے کا اعلان بھی کیا جائے؟ آپ نے منع فرمایا اور کہا "میری یہ روش نہیں ہے۔" جلسہ میں جب تشریف لائے تو بالکل عام آدمی کی طرح، کوئی نعرہ وغیرہ نہیں لگایا لیکن آپ کی وجہ سے جلسے میں ایک کیف آور سماں چھا گیا تھا۔ بلاشبہ اہل اللہ کی موجودگی میں کیفیت کا یہی رنگ ہوا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ واپسی پر مجھے بڑے احسن طریقے سے رخصت فرمایا اور کہا "مولانا میں آپ کے شایان شان خدمت نہیں کرسکا، مگر میں مجبور ہوں کہ یہ دارالعلوم کا معاملہ ہے۔"

ایک مرتبہ انوار العلوم ملتان میں سالانہ جلسہ کے موقع پر بہت سے علماء میں آپ بھی تشریف فرما تھے۔ کئی علماء کو اعزازی اسناد سے نوازا گیا تھا۔ میری درخواست پر حضرت غزالی زماں قبلہ کاظمی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے واعظ خوش بیان حضرت مولانا صوفی غلام حسین صاحب گوجروی کو بھی اعزازی سند عطا فرمائی۔ میں نے اس سند پر دیگر اجلہ علماء سے تصدیقی دستخط لئے۔ جب حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ مولانا مجھے آپ کی قدر و منزلت مطلوب ہے، مگر میں جس شخص کو خود نہ پڑھاؤں یا اس کی تعلیمی قابلیت کے بارے میں صحیح اندازہ نہ کرلوں، سند پر کیسے دستخط کردوں؟۔۔۔۔۔ بلاشبہ حضرت صوفی صاحب ہمارے ملک کے

نامور واعظ اور خطیب ہیں، مگر اس سلسلے میں مجھے معذور سمجھئے۔۔۔۔۔ اسے حضرت کا محتاط رویہ کہئے یا تقوی وورع کا مقتضی کہ آپ نے سند پر تصدیقی دستخط کرنے سے انکار فرمادیا۔

تقریباً ۲۰ برس قبل فیصل آباد میں اپنے ایک مرید کے ہاں تشریف لائے۔ اتفاق سے جمعہ کا روز تھا اور نماز جمعہ کے لئے آپ نے ہماری مسجد (جامع مسجد حنفیہ جھال خانوآنہ) کو رونق بخشی۔ اور عام آدمی کی طرح ایک طرف آکر بیٹھ گئے۔ احقر اس وقت منبر پر بیٹھا خطبہ دے رہا تھا آپ کو دیکھتے ہی آپ کے استقبال میں نعرہ بلند کیا اور اعلان کیا کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وقت کے بہت بڑے فقیہ اور استاد العلماء کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ اس لئے ہم آپ کے بیان فیض ترجمان سے متمتع ہوں گے۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آیا اور آگے بڑھ کر بیان فرمانے کے لئے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ مگر آپ نے شفقت فرماتے ہوئے کہا۔ مولانا میں آپ کا بیان سن کر محظوظ ہو رہا ہوں، آپ اپنا بیان جاری رکھیں اور میری کوشش کے باوجود آمادہ نہ ہوئے۔ لیکن مجھے جرات نہ ہوئی کہ آپ کی موجودگی میں منبر پر بیٹھ کر خطاب کرتا۔ چنانچہ کھڑے ہو کر اپنے بیان کو مکمل کیا۔۔۔

غرض، آپ کی تعلیم و تربیت اور نظر کریمانہ سے ہزاروں علماء فیض یاب ہوئے اور زمانے بھر نے آپ کے در سے علم و عمل کی خیرات پائی اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



جُنیدِ زماںؒ

خواجہ فضل احمد چشتی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے جہاں میں دیدور پیدا
(علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ)

اعلیٰ حضرت فقیہ اعظم، شیخ الحدیث، شیخ الاسلام، حضرت مولانا مفتی محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ ونور اللہ مرقدہ شمس شریعت و ماہ طریقت تھے۔ آپ کے فضائل و برکات اور دینی خدمات کی تفسیر میرے احاطہ تحریر سے بہت وسیع ہے اور حضور والا کا ہمائے سعادت میرے پرواز تخیل سے بہت بالاتر ہے۔ تاہم یک شمہ حال بطور یک مشت نمونہ از انبار ویک تنکاز خروار پیش خدمت ہے۔

آنحضرت فقیہ اعظم ایک کامل انسان تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کا فیضان برائے اہل پاکستان اظہر من الشمس ہے۔ آپ کے دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کے فارغ التحصیل علماء و فضلاء پاکستان کے ہر شہر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور فاتح وہابیت ہونے کے باوجود درس و تدریس میں صبح و شام مصروف عمل ہیں۔ جس سے دینی تعلیم کا فیضان ہر جگہ عام ہو رہا ہے۔ آپ کے جاری کردہ مدارس دینی لاتعداد میں مشغول عمل ہیں۔ آپ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں آپ کی حیات طیبہ سلف صالحین کا عین نمونہ تھی۔ آپ مخزن اخلاق و برگزیدہ آفاق تھے۔ آپ کی نورانی جماعتیں نورانی کردار ادا کر رہی ہیں۔ درحقیقت "نور اللہ" کی نورانی ضیائیں اہل علم کے دلوں کو منور کر رہی ہیں۔ انشاء اللہ العزیز تا قیامت یہ فیضان اہل سنت والجماعت جاری رہے گا۔ بفضلہ تعالیٰ۔

حضور والا صاحب کشف و کرامات تھے۔ یوں تو آپ کا ہر قول و فعل اور عمل کرامت تھی مگر آپ کے دفتر حیات سے ایک نکتہ سپرد قلم ہے۔ راقم ایک دفعہ ۱۳۷۰ھ میں بصیرپور کے دس میل جنوبی سمت منہ کھگا ایک دعوت پر حاضر ہوا۔ اور واپسی پر فقیہ اعظم کی خدمت میں برائے زیارت حاضر ہوا۔ آپ نے درس گاہ، کتب خانہ، مسجد شریف اور دار الفرقان کی زیارت سے بہرہ ور فرمایا۔ حقوق میزبانی بطریق احسن ادا فرمائے۔ ان دنوں لنگر کے کنویں پر اونٹنی چلائی جاتی تھی۔ جس سے مسجد کے تمام سقاوے، غسل خانے، استنجا خانے وغیرہ سے یکساں پانی جاری ہو جاتا اور عجیب منظر معلوم ہوتا۔ بعدہ بوقت روانگی حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ کریم آپ کو فرزند سعید و جمیل عطا فرمائے گا۔ جس کی دینی خدمت تعلیم ہم کریں گے۔ یہ وعدہ فرما کر اجازت فرمائی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعد ازاں برخوردار محمد سعید احمد تولد ہوا۔

چند سال بعد قاری سعید احمد چار پانچ سال کا ہو گیا تو اعلیٰ حضرت کے والد مکرم حضرت شیخ العلماء و الفضلاء جناب محمد صدیق صاحب رحمتہ اللہ علیہ پاک پتن شریف میں عرس حضور خواجہ برو بحر خواجہ گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے موقعہ میرے مکان پر تشریف لائے۔ فقیہ اعظم سے تعلیم دلوانے کے وعدہ کی یاد دہانی کروائی۔

عزیزم قاری سعید احمد صاحب پندرہ سال کا ہوا۔ تو حسب الوعدہ و حسب الارشاد راقم برخوردار کو لے کر دار العلوم میں حاضر ہوا آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ آپ صاحبزادے کو خدا کے سپرد کر کے چلے جائیں۔ اور کوئی فکر نہ کریں اللہ کریم کرم فرمائے گا۔۔۔۔

نکتہ۔۔۔ ان دنوں برخوردار امراض چشم و ضعف جگر میں مبتلا تھا۔ مگر روحانی تعلیم سے بحمد للہ خود بخود شفائے کاملہ حاصل ہو گئی۔ اور بفضلہ صحت کلی تا دوران تعلیم ہشت سالہ و تاہنوز بفضلہ و بکرمہ۔

نکتہ۔۔۔ برخوردار قاری سعید احمد صاحب کے تولد سے قبل اور مابعد دوران تعلیم فضلائے دورہ القرآن و دورہ الحدیث کی دستار بندیوں اور تقسیم اسناد کے اجلاسوں میں اکثر حاضر

ہوتا رہا۔ تو حضور کو ہر آن نئی شان میں دیکھا۔ ہر موقعہ نئے ارکان طریقت اور نئے احوال حقیقت میں گامزن پایا۔ نظام تعلیم دار العلوم میں اضافہ ہی اضافہ نظر آیا۔ آپ کی صداقت، شرافت، سخاوت، شجاعت اور دیانت دار العلوم وغیرہ کے ہر دیوار سے ٹپکتی نظر آتی ہے آپ جنید زماں اور غزالی دوراں تھے اللہ کریم بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مزار پر انوار پر رحمت کی گھٹائیں برسائے اور آپ کا دینی فیضان تاقیامت جاری رکھے۔ آمین



اشتیاقِ ملاقات

—— صاحبزادہ علامہ عبدالحق بندیالوی

فقیہ العصر علامتہ الدھر الحاج حضرت مولانا مفتی محمد نور اللہ صاحب بصیرپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیائے اسلام ایک عظیم روحانی پیشوا، مبلغ اور ایسے چشمہ علم و حکمت جس سے ہزاروں افراد فیض یاب ہوئے اور سینکڑوں تشنگان علوم ظاہری و باطنی سیراب ہو رہے تھے سے محروم ہو گئی آپ دین اسلام کے سچے خادم اور بے لوث مجاہد تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کو خدمت دین متین کے لئے وقف کر رکھا تھا جہاں بھی خدمت دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے جان فروشی کا وقت آیا حضرت مولانا محمد نور اللہ بصیرپوری علیہ الرحمہ کفن بردوش ہراول دستہ میں نظر آئے۔ آپ روحانیت کے مینار تھے جس کی ضیاء پاشیاں متعدد ملکوں کو روشن و منور کر رہی تھیں آپ علم و حکمت کا وہ نیر تاباں تھے جس کی ضیاء سے سینکڑوں گم کردہ راہ کو منزل پر پہنچنا نصیب ہوا آپ کریم النفس، حلم کا بحر بیکراں اور صبر

واستقامت کا کوہ گراں تھے۔

بندہ کو حضرت والا مرتبت رحمتہ اللہ علیہ کا تعارف اولاً ان ساتھیوں سے ہوا جو دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کچھ مدت استفاضہ علوم کے بعد دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف آئے جن میں مولانا محمد شریف صاحب ضیائی مرحوم سابق صدر مدرس اڈہ مرید کے اور مولانا محمد یوسف صاحب نوری صدر مدرس جامعہ سلیمانیہ پیر صلاح الدین ضلع فیصل آباد نیز مولانا دلنواز صاحب وغیرہ ہم شامل ہیں۔

ان ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ حضرت محدث بصیرپوری کا معمول ہے کہ تہجد کے لئے بلاناغہ مسجد تشریف لاتے ہیں نوافل ادا کرنے کے بعد ذکر خفی میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر نماز فجر کے لئے طلباء کو خود جگاتے ہیں اور ان سے نماز باجماعت کی پابندی کرواتے ہیں خود سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے کاربند ہیں نیز طلباء کی ظاہری و باطنی اصلاح میں ہروقت کوشاں رہتے ہیں۔

آپ کے اوصاف جمیلہ سن کر طبیعت میں بے حد اشتیاق تھا کہ اللہ کرے اس مرد باخدا کی کبھی زیارت نصیب ہو چنانچہ جس وقت ملتان میں سنی کانفرنس ہو رہی تھی بندہ اپنے رفقاء کے ساتھ ملتان گیا تو وہاں جا کر حضرت غوث بہاالحق ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری کے لئے قلعہ کہنہ پہنچا عصر کی نماز کا وقت تھا بندہ نے نماز دربار سے ملحقہ مسجد میں ادا کی وہاں پر میں نے ایک بزرگ شخصیت کو دیکھا سادہ لباس، کشادہ پیشانی، مخمور آنکھیں، پروقار اور پرکشش چہرہ دریافت کیا تو معلوم ہوا یہ حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب بصیرپوری علیہ الرحمتہ ہیں بے حد خوش ہوا کہ غوث کے صدقہ مدت کی تمنا پوری ہوئی بندہ بہ صد اشتیاق حضرت سے ملا اور چند ساعت وہاں پر آپ کی زیارت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا جس کی پیاری یاد ابھی تک باقی ہے۔

فقیہ العصر

شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی

مولانا محمد نور اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ جید عالم صوفی تھے۔ آپ کو فقہی مہارت تامہ تھی۔ مسئلہ کے استخراج میں بہت ماہر تھے۔ آپ کو فقیہ العصر کہنا حال کا مقتضی تھا۔ اس کے علاوہ دیگر فنون درسیہ میں ان کی امتیازی حیثیت تھی۔ ان کے عنفوان شباب میں فقیر بھی ان کے دار العلوم میں مدرس تھا۔ وہ آدھی رات کو مسجد میں تشریف لے آیا کرتے تھے۔ اکثر میں نے ان کو نوافل میں روتے ہوئے سنا۔ یہ ان کی روحانی کیفیت تھی اور اس کے ساتھ ظاہری امتزاج بھی بڑا حسین تھا۔ آپ عموماً عمامہ پہنا کرتے تھے کیونکہ علم کی تعظیم عمامہ سے "عظموا العلم بالعمائم" گفتگو کے وقت بھی ذکر قلبی اور لسانی جاری رہتا تھا جیسا کہ اہل اللہ کی شان ہے۔ میں نے آپ کو بہت قریب ہو کر دیکھا ہے اہل علم کی ایسی شان ہونی چاہئے۔

قدرت نے ان کو محاسن متکاثرہ سے نوازا تھا۔ آپ نے دین متین کی بہت خدمت کی ہے۔ ابتداء ایک مختصر گاؤں سے کی اور وہاں جامعہ فریدیہ کی اساس رکھی۔ پھر حالات کے اعتبار سے بصیرپور شریف قصبہ میں منتقل ہوئے جہاں اب آرام فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور رحمت کی بارش برسائے---- آمین۔

خراج عقیدت

علامہ مفتی محمد معین الدین قادری شافعی

مجھ ایسے ہیچمدان سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ عرض کروں ایسا ہی ہے جیسا کہ قطرے سے سمندر کی وسعتوں اور

ذرے سے آفتاب کی تابانیوں کا ذکر کرنے کے لیے کہا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہ علماء عصر میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ فقہاء زمانہ احترام سے آپ کا نام لیتے تھے۔ آپ منبر مسجد پر جلوہ فرما ہوں یا مسند تدریس پہ تشریف فرما ہر مقام کی زینت تھے۔ اگرچہ مجھے آپ کی صحبت نشینی کا زیادہ شرف حاصل نہیں ہو سکا تاہم جب کبھی آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا قلب و روح پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کی زیارت "اذا راوا ذکر اللہ" کا مصداق تھی۔ پیشانی پر عزم و استقامت کا نور تھا۔ نگاہوں میں فراست و تدبر کی چمک تھی۔ چہرے پر جلال و جمال رقصاں تھا۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ خوش اخلاق و خوش اطوار بھی تھے اور غیور و خوددار بھی۔ اہل فقر و غناء سے آشنائی رہی اور اہل ثروت و دولت سے بے اعتنائی۔ آپ کہنے کو ہی نہیں بلکہ حقیقتاً" حاوی فروع و اصول اور جامع معقول و منقول تھے۔

آپ نے علم کا حصول مقاصد دینوی کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ دین حق کی تبلیغ، شریعت مصطفوی کا نفاذ اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح آپ کا مطمح نظر تھا۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد فارغ ہو کر نہیں بیٹھے بلکہ علم کا نور پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ بصیر پور میں علم و عرفاں کی وہ شمع روشن کی کہ جس سے ہزاروں انسانوں نے اکتساب نور کیا۔ شمع سے شمع جلی، جلتی گئی اور انشاء اللہ قیامت تک جلتی رہے گی عملی تحقیق و تدقیق کا یہ عالم کہ وقت کے بڑے بڑے علماء خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شاید ہی کوئی عالم ایسا ہو گا جو فتاویٰ نوریہ سے استفادہ نہ کرتا ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ کے درجات عالیہ کو مزید بلند فرمائے اور آپ کے فیوض و برکات سے دنیا ہمیشہ فیض یاب ہوتی رہے۔



یگانہ روزگار

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری

حضرت فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی رحمتہ اللہ علیہ محدث بصیرپوری بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور یگانہ روزگار شخصیات میں سے تھے۔ آپ نے وسائل کے نہ ہونے کے باوجود توکلا علی اللہ عظیم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کی بنیاد رکھی۔ آپ کے خلوص، للہیت، ایثار و قربانی اور عشق و محبت علمیہ کے سبب یہ دارالعلوم ایک بے مثال اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ نہایت احترام، محبت اور اخلاص سے پیش آتے رہے۔

مدینہ منورہ میں متعدد بار حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ کے در دولت پر ملاقات کا شرف بھی پایا۔ باب المجیدی کے سامنے استفاء منزل میں آپ قیام فرمایا کرتے۔ وہاں پر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کھپ ان طلباء کو جو آپ کے رفیق حج و زیارت تھے انہیں حدیث شریف، رسالہ قشیریہ وغیرہ کتب کا سبق پڑھا رہے تھے۔

آپ گوناگوں اوصاف جمیلہ سے متصف تھے، دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے فیضان کو جاری رکھے اور مدراج و مراتب میں ترقی مرحمت فرمائے نیز ان کے ورثا خصوصاً" حضرت صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ نوری زید مجدہ کو آپ کے مبارک و مسعود مشن کو جاری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے، معتقدین اور فضلائے دارالعلوم کو آپ کے نقش قدم پر قائم رکھے۔



بلند پایہ محدث

تحریر۔ صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم صاحب، فیصل آباد
چیف آرگنائزر متحدہ علماء کونسل پاکستان

حضرت فقیہ اعظم علامہ نور اللہ صاحب بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ ایک بلند پایہ

محدث، فقیہ، جامع معقول و منقول عالم باعمل تھے آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند کی ان نامور شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے دین مصطفوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شمع کو روشن کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے آپ کی گرامی قدر خدمات ہی کی وجہ سے آج اہل سنت و جماعت میں آپ کے ہزاروں شاگرد دین متین کی خدمت کرنے میں مصروف عمل ہیں حضرت فقیہ اعظم نے ایک ایسے علاقہ کا انتخاب فرماکر دین کی وہ خدمت کی جو آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی آپ کا قائم کردہ دارالعلوم بصیرپور شریف آج بھی اس نظام علوم اسلامیہ کی پیاس بجھا رہا ہے آپ کا شمار مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنماؤں میں بھی ہوتا تھا۔ ملک عزیز پاکستان میں جب بھی کبھی کوئی قومی، ملی، مذہبی مسئلہ درپیش ہوتا۔ چاہے وہ تحریک قیام پاکستان ہویا تحریک ختم نبوت کی صورت میں ہوتا یا تحریک نظام مصطفٰی کی صورت میں ہوتا یہ اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے جماعت اہلسنت پاکستان اور جمعیت علمائے پاکستان کی صحیح رہنمائی کرتے تھے جماعت اہلسنت پاکستان کے مرکزی صدر حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں جب اجلاس ہوتے تو حضرت فقیہ اعظم بھی بطور خاص شرکت کے لئے تشریف لاتے جماعت کے اجلاسوں کے اختتام پر اکثر اوقات مسائل شرعیہ، فقہی نوعیت کے مسائل اور ملکی حالات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے بہت سے ایسے مسائل شرعیہ حضرت قبلہ کاظمی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب اور دیگر اکابرین اہلسنت کا گفتگو کے بعد اتفاق رائے ہو جاتا آپ انتہائی مدبر، شفیق اور مہربان بزرگ تھے مجھے کئی مرتبہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں نے آپ کو ہمیشہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سرشار پایا اور اہلسنت کی دل میں تڑپ رکھنے والا پایا۔

عظیم روحانی شخصیت

صاحبزادہ سلطان فیض الحسن القادری

مہر سپہر فقاہت، شیخ الاسلام حضرت مولانا الحاج مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی قادری رحمتہ اللہ علیہ دنیا سنیت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ایک عظیم روحانی پیشوا، عشق مصطفٰی میں ہمہ وقت ڈوبے ہوئے اور علم شریعت کے توامام تھے۔ اپ نے امت مسلمہ میں جو کام کیا ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ جو رہتی دنیا تک روز روشن کی طرح عیاں رہے گا۔ آپ کا بار بار مدینہ طیبہ میں حاضر ہونا اور وہاں جاکر درس بخاری شریف دینا۔ اور غیر مسلک والوں کا سن کر دنگ رہ جانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔

آپ کے روحانی فیوض و برکات اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ سے فیض یافتہ علماء ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور نوری کی نسبت متعارف ہیں۔ آپ صرف فقیہ ہی نہ تھے بلکہ فقیہ گر تھے۔ آپ صرف محدث ہی نہ تھے بلکہ محدث گر تھے آپ صرف مفسر ہی نہ تھے بلکہ شیخ المفسرین تھے۔ آپ کے تلامذہ صرف ملک پاکستان ہی میں نہیں غیر ممالک میں بھی دین کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

رازی وقت

صاحبزادہ افتخار الحسن زیدی

خطیب پاکستان مولانا محمد عارف نوری قصوری کے ساتھ پہلی مرتبہ بصیرپور میں حاضری

ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں ہی فقیہ اعظم کی فقرو درویشی نے بے حد متاثر کیا اور جب ان کے علم و عرفان اور فقہی تفوق سے آگاہی ہوئی تو وہ وقت کے امام رازی دکھائی دیئے۔ آپ کی عظیم تصنیف فتاویٰ نوریہ کو میں اعلیٰ حضرت مجدد ملت مولانا احمد رضاخان بریلوی کے مایہ ناز فتاویٰ "الفتاویٰ الرضویہ" کے ہم پلہ سمجھتا ہوں۔ ان کا تبحر علمی دنیائے سنیت کے لئے باعث صد مسرت و افتخار ہے۔ انہوں نے اپنے تفقہ سے لوگوں کو جو پیغام دیا وہ قابل ستائش ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا ہم پر واجب اور ضروری ہے۔ ان کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ آپ علماء کرام کی حد درجہ توقیر و تکریم فرمایا کرتے تھے۔ طبیعت مبارکہ ہروقت جذب و عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی رہتی تھی۔

وصال سے غالباً" دو سال قبل میری تقریر کے دوران آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور سارے وجود پر اس کا اثر نمایاں ہوگیا۔۔۔۔ حضرت کے فرزند مولانا صاجزادہ محمد محب اللہ صاحب نوری جس طرح آپ کے فیضان کو عام کر رہے ہیں' وہ قابل تحسین ہے۔ دنیائے سنیت کو ان کی اسی طرح عزت و تکریم کرنی چاہئے جس طرح ان کے والد مکرم علیہ الرحمتہ کی کیا کرتے تھے۔

■ ■ ■ ■

آفتاب علم و حکمت

مولانا غلام رسول گوہر

حضرت العلام مولانا الحاج آسمان علم و حکمت اور فضل و کرامت کے آفتاب تھے۔ حنفیت و سنت کو ان پر فخر و ناز تھا قصر فقاہت کے حسین و جمیل منقش اور مضبوط ستون تھے۔

ایسے ہی بزرگ علماء کے حق میں آیا ہے موت العالم موت العالم حضرت مولانا کے معنوی و صوری محاسن کو بیان کرنے کے لئے میرے جیسے ہیچ مدان کے پاس الفاظ نہیں۔ کیا بتاؤں کہ آپ کیا تھے۔ دین و مذہب کو آپ کے علم اور فہم و فراست سے کتنی تقویت پہنچ رہی تھی آپ کی لیاقت و صلاحیت علمی پر اور آپ کی خبرت و فطنت اور ذہنی ذکاوت و ذہانت پر جو کچھ بیان کیا جائے اس میں مبالغہ نہیں بلکہ عین حقیقت اور صداقت کا آئینہ اور بیان ہوگا۔ آپ کو علم کے تمام فنون میں ید طولیٰ حاصل تھا بالخصوص علم حدیث و فقہ اور تفسیر میں جو آپ کی معراج اور منتہا ہے وہاں تک کسی اور کا ہمارے زمانے میں پہنچنا نہایت متعسر اور مشکل ہے۔ آپ کی تصانیف عربی اور اردو میں اس کی شاہد عدل ہیں۔ آپ نہ صرف عالم تھے بلکہ اتباع رسول اور تقویٰ کے مدارج کو طے کرکے ولایت کے مدارج علیا پر متمکن تھے۔ آپ کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا تھا۔ آپ کی زبان گوہربار سے علم و حکمت کے موتی جھڑتے۔ آپ شیخ الحدیث و التفسیر والفقہ تھے۔ منطق و معقول اور تمام علوم آلیہ میں امام اور استاذ الاساتذہ تھے۔ علم کی جو آپ نے خدمت کی وہ پوشیدہ نہیں۔

❖ ❖ ❖ ❖

قابل فخر علمی شاہکار

مولانا محمد صدیق ہزاروی

اس کائنات رنگ و بو میں نہ جانے کتنے پھول کھلے اور مرجھا گئے۔ پھولوں کا کھلنا اور پھر مرجھا جانا ایک فطری امر ہے جس کا تسلسل ناقابل تردید حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات انسانیت کے لئے ایک بہت بڑا درس بھی ہے لیکن وہ پھول

کتنے عظیم ہوتے ہیں جو اس فطری عمل کی بھٹی سے گزرنے کے باوجود اپنی مہک سے ایک عالم کو معطر کرتے اور صدیوں یاد رہتے ہیں۔

فقیہ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ جنہیں (بظاہر) ہم سے رخصت ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے لیکن ان کی علمی، فقہی اور روحانی خوشبو آج بھی کائنات عالم کو مہکا رہی ہے۔

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ ان معدودے چند شخصیات میں سے ایک ہیں جو اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے زندہ رہتے ہیں اور اپنی خدمات کے حوالے سے ابدی زندگی حاصل کرتے ہیں۔

فاضل شاگردوں کی کثرت، باعمل ارادتمندوں کی معتدبہ تعداد اور تحقیق و تدقیق پر مبنی تصانیف حضرت فقیہ اعظم کے وہ عظیم کارنامے ہیں جنہوں نے ان کو بندگان خاص کی صف میں لاکھڑا کیا۔

بالخصوص "فتاویٰ نوریہ" آپ کا وہ قابل فخر فقہی و علمی شاہکار ہے کہ دور حاضر میں اس کی نظیر کا حصول ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

فتاویٰ نوریہ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کے فتاویٰ دلائل شرعیہ سے مزین اور حالات حاضرہ کے صحیح عکاس ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی علمی تحقیقات اور روحانی فیوضات سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم



ایک ممتاز طالب علم

قدوۃ العلماء والفضلاء عارف شریعت و طریقت، عالی مرتبت، فیض درجت حضرت مولانا علامہ نور اللہ صاحب نعیمی رحمتہ اللہ علیہ سے شرف رفاقت۔

راقم الحروف نے قبل از قیام پاکستان مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا نور اللہ صاحب نعیمی موصوف دورہ حدیث استاذ العلماء محدث اعظم حضرت مولانا السید دیدار علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ دورہ حدیث پڑھتے وقت بعض اہم مباحث پر ان سے رائے لی جاتی جو صائب ہوتی دار العلوم میں آپ نمایاں پوزیشن کے حامل تھے۔ آپ پر اساتذہ کرام ہمیشہ اعتماد کرتے۔ تمام علوم متداولہ کے شناور تھے۔

اس کے علاوہ نہایت متقی پرہیزگار اور سادگی کے حامل تھے۔ اور طلباء سے بے حد شفقت فرماتے میرے نزدیک علم و تقویٰ میں حضرت مولانا موصوف منفرد حیثیت کے حامل تھے--- اللہ تعالیٰ اور حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سچا عشق رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور ان کا فیض ہمیشہ جاری رکھے--- آمین۔

حکیم محمد یعقوب خاں غفرلہ جماعتی۔ سیالکوٹ



نور اللہ مرقدہٗ

علامہ اقبال احمد فاروقی

سید العلماء حضرت مولانا علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ کا دارالعلوم مرکزی دارالعلوم ضرب الاضاف لاہور میں ایک بلند پایہ دینی درسگاہ تھی۔ جہاں دور دراز سے طلباء آتے اور علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد سر پر دستار فضیلت سجا کر فارغ ہوتے۔ یہ درسگاہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک علوم اسلامیہ کا سرچشمہ بنی رہی اور اعتقادی تربیت کا مستند ادارہ رہی۔ برصغیر کے پچیس ہزار سے زائد علمائے کرام اسی چشمۂ فیض سے فیضیاب ہو کر نکلے اور دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس مرکز علم و اعتقاد کو حضرت علامہ ابوالبرکات نے اپنی شبانہ روز محنت اور قابلیت سے زندہ و تابندہ رکھا۔ مجھے ایک دینی اور اعتقادی طالبعلم ہونے کی حیثیت سے اس درسگاہ سے نسبت خاص رہی ہے۔ اور حضرت سیدی و مولائی علامہ ابوالبرکات کے قدموں سے نیازمندی کا شرف ملا ہے۔ میں بسا اوقات حضرت علامہ کی مجلس میں زانوئے عجز و نیاز طے کئے وقت گزارتا۔ حضرت بھی مجھے ازراہ لطف و کرم نوازتے اور اگر کبھی حاضری میں چند روز کوتاہی ہوتی تو آپ باقاعدگی سے وجہ تسائل دریافت فرماتے۔ میں آپ کی اس توجہ کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتا۔

علامہ ابوالبرکات قدس سرہ کی مجالس درسیہ میں تو طلباء و علماء کا ایک وسیع حلقہ ہوتا تھا مگر مجالس خاص میں وہی علماء شرف باریابی پاتے جو آپ کی نگاہ خاص میں تربیت پاتے تھے۔ مجھے اس مجلس میں ایک دراز قد، شائستہ بدن عالم دین نظر آئے جو لباس میں دیہاتی اور

عادات میں منکسرالمزاجی کا امتیاز لئے ہوئے تھے۔ استاذ العلماء نے مجھے میری جھجک کو دور کرنے کے لئے آپ سے تعارف کراتے ہوئے بتایا "کہ یہ ان کے نامور شاگرد مولانا محمد نور اللہ قادری نعیمی بصیرپوری ہیں" اس تعارف سے میری اس ناآشنا اجنبی سے واقفیت بڑھ گئی تو براہ راست گفتگو کا راستہ کھل گیا۔ یہ حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی بصیرپوری تھے جو آگے چل کے ساہیوال کے ایک قصبہ بصیرپور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے بانی بنے اور اپنے علاقہ میں دینی علوم کی تدریس کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئے۔ وہ ایک عرصہ تک اپنے دارالعلوم کی ابتدائی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہے۔ لاہور تشریف لاتے تو اپنی نگاہ التفات سے مجھے بھی نوازتے۔ میں اگرچہ آپ کا شاگرد نہیں تھا۔ نہ آپ کے مکتب سے فیض یاب ہو سکا۔ مگر انکے گوشۂ چشم التفات نے مجھے اپنے حلقہ محبت سے بھاگنے نہ دیا۔ میں خود نہ ملتا تو مکتبہ نبویہ میں تشریف لا کر نوازش فرماتے۔ چائے کے ایک دور کے مختصر سے لمحات میں مجھے اتنا کچھ دے جاتے۔ جو غالباً" میں بصیرپور کے درس میں داخل ہو کر بھی حاصل نہ کر سکتا۔ آپ کے دارالعلوم نے تھوڑے ہی عرصہ میں کئی "نوری شاگرد" تیار کر کے ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلانا شروع کر دیئے۔ یہ "نوری علماء" مجھے اپنی ملاقاتوں سے اکثر و پیشتر اس لئے نوازتے کہ میں انکے استاد مکرم کی نگاہ التفات میں تھا۔

حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کو پنجاب کی سرزمین میں اہلسنت کی ایک عظیم درسگاہ بنایا۔ بصیرپور کے شاگرد "نوری" بن بن کر مساجد اور مدارس کو آباد کرنے لگے۔ حضرت فقہ حنفی میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ساحل سمندر سے درۂ خیبر تک لوگ اپنے دینی مسائل کے حل کے لئے آپ ہی سے رجوع کرتے اور آپ کی عالمانہ رائے (فتویٰ) سے مطمئن ہوتے۔ حضرت علامہ ابوالبرکات کے بعد دینی مسائل میں جن علماء اہلسنت کی رائے کو ثقہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے وہ غزالی دوراں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی قدس سرہ تھے۔ یا حضرت مولانا مفتی محمد

نور اللہ بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ آپ کے "نوری شاگردوں" کا جو حلقہ تیار ہوا وہ تقریر، تحریر اور تدریس میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔ آپ کے اپنے صاحبزادے علم و فضل میں ممتاز مانے جاتے تھے۔ آج آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد محب اللہ صاحب بصیرپوری مدظلہ آپ کے جانشین۔ آپ کی درسگاہ کے منتظم اور آپ کے شاگردوں کے صدر نشین ہیں۔

الحاج چوہدری محمد اسحاق صاحب آف داروغہ والا لاہور میرے کرم فرما ہیں۔ وہ علماء اہلسنت اور مشائخ کی محفلوں میں ایک پسندیدہ شخصیت کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد نور اللہ بصیرپوری قدس سرہ سے انہیں انسیت روحانی حاصل ہے۔ مجھے انکی زبان عقیدت ترجمان سے حضرت مولانا محمد نور اللہ بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ کے علمی اور روحانی مقامات سے تعارف ہوتا رہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی علمی اور تدریسی خدمات نے برصغیر کے عوام کی دینی راہنمائی میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ عقائد کی پختگی، متانت اور سنجیدگی کی تربیت، علم و فضل کی اشاعت میں حضرت نے بے مثال کام کیا ہے۔ وہ اپنی سادہ زندگی میں اتنا کام کر گئے جو جبہ و دستار کے مراکز سرانجام نہ دے سکے۔ آپ کے جاری کردہ دارالعلوم نے علم و فضل کے جو چشمے جاری کئے۔ ان پر ہم جسقدر فخر کریں کم ہے۔ آپ کے "نوری حلقوں" نے بیان و کلام میں جسقدر نام پیدا کیا ہے اسکی مثال بہت کم ملتی ہے۔

آج اس عالم جلیل اور فقیہ عظیم کا جاری کردہ دارالعلوم پنجاب میں دینی علوم و فنون کا مرکز ہے۔ اور یہ انکے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ آج انکے شاگردان عزیز ملک کے گوشے گوشے میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آج انکی قابل قدر اولاد انکے دینی فیضان کو عام کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ آج کے مدرسہ کے مدرسین طلباء کو دولت علم و فضل سے مالا مال کررہے ہیں آج انکے مریدان باصفا آپ کے روحانی ورثہ کے امین ہیں۔

حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمتہ سے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی مدینہ شریف میں پاکستانی ہوٹل کے مالک غلام حسین صاحب کے ساتھ مل کر میں اور حضرت زیارات پر گئے تھے ایک بار آپ یہاں جامعہ امینیہ رضویہ (محمد پورہ، فیصل آباد) میں تشریف لائے اور تقریباً پون گھنٹہ تک قیام فرمایا۔ آپ کا تبحر علمی مسلم تھا اور فقہی جزئیات پر زبردست عبور رکھتے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد امین صاحب — جامعہ امینیہ فیصل آباد۔



فقیہ اعظم اہلسنت حضرت مولانا ابوالخیر "محمد نور اللہ" نعیمی بصیرپوری۔ حضرت موصوف نیک طینت، صاف طبیعت، خوش دل، سادہ لوح مگر نہایت عالم اور بزرگ شخصیت تھے ایک زمانہ ان کی خصوصیات پر گواہ عادل و صادق ہے آج جس سمت جایئے کوئی نہ کوئی "نوری" اس مشن کے فروغ کے لئے کوشاں ہے جس کی بنیاد حضرت نے بصیرپور میں رکھی اور اعلائے کلمہ حق کا فریضہ آپ نے جس تندہی اور عمدگی سے سرانجام دیا ہے اس کا اعتراف غیر بھی کرتے ہیں۔ دین مصطفوی کی تاحیات خدمت ان کا منصب ہو کر رہ گئی تھی اور ہزاروں شمعیں روشن کرکے انہوں نے دین کا جو اجالا مشرق و مغرب میں پھیلایا اس کی روشنی میں خود ان کی چمک کبھی ماند نہیں پڑے گی۔

اہل اللہ سے حضرت کی طبیعت کو خاص لگاؤ تھا ان کی زیارت و صحبت کو بہت عزیز رکھتے تھے میرے والد گرامی غوث زمانہ قطب وقت حضرت گنج کرم علامہ پیر سید محمد اسماعیل شاہ بخاری المعروف حضرت کرمانوالے سے ان کو جو عقیدت و محبت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت قبلہ والد گرامی ایک معتبر اور مستند عالم تھے اس لئے "مولانا محمد نور اللہ" کی علمی خدمات کے معترف تھے باہمی روابط میں محض "الحب للہ" کے جذبات کارفرما تھے کچھ میرے ساتھ بھی

ان کا یہی حال تھا شاید یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنے فرزند عزیز سید غضنفر علی شاہ بخاری کو علوم و معارف کے حصول کے لئے حضرت ممدوح کی مثالی درسگاہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور بھیجا حضرت نے جس غایت شفقت و محبت سے اسباق کی تکمیل کروائی ان کا وہ احسان مستزاد ہے۔

علمی امتیاز کے علاوہ ورع و تقویٰ میں حضرت خاص مقام رکھتے تھے دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر ان سے ملاقات رہی مولانا کو سرور کائنات کی ذات سے جو عشق تھا وہ ہر سال انہیں کشاں کشاں دیار حبیب لے جاتا۔۔۔۔ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے تو فقط "کعبے کے کعبے" کے ہاں نوافل کے ذریعے جان و جہاں آفریں کی طرف رجوع فرماتے، درد و غم میں صبر و استقلال کی کیفیت اور رنج والم میں بھی اظہار خیریت فرماتے۔۔۔۔ آپ علوم مصطفوی کے وارث، سواد اعظم اہل السنت والجماعت کے ایک مقتدر عالم اور روحانی رہنما تھے۔ جو علوم ان کے پاس تھے وہ ان کے ساتھ پردہ کر گئے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل حضرت مولانا نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔۔ آمین وبہ نستعین والصلوۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

پیر سید محمد علی شاہ



میں اس زمانہ میں جب حضرت مولانا محمد نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا، عراق میں تھا۔ آنے کے بعد اخبارات میں تعزیت نامہ نشر کیا۔ مولانا علیہ الرحمہ کی ساری عمر خدمت و فتویٰ اور تقویٰ میں گزری۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ سے اکثر مواقع پر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ قبلہ ابو البرکات سید صاحب علیہ الرحمہ سے ملاقات کرنے تشریف لاتے تھے اس زمانہ میں، میں لاہور رہتا تھا جب بھی ملاقات ہوا

کرتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف جلسوں اور اجتماع میں ان سے ملاقات رہا کرتی تھی۔

۱۹۷۶ء میں، میں کو حج کو گیا تھا حضرت مولانا علیہ الرحمہ بھی حج کو تشریف لے گئے تھے ہمارا اور ان کا معلم ایک ہی تھا منی میں تین دن تک ساتھ ہی رہنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا کے یہاں بعد عشاء محفل میلاد ہوا کرتی تھی اور عرفات میں بھی ایک ہی جگہ قیام تھا مولانا علیہ الرحمہ کے ہمراہ ہم سب لوگوں نے آپ کے فتویٰ کے مطابق نمازیں ادا کیں اور ساتھ ہی دعائیں مانگیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حاضری کو قبول فرمائے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ ایک جید عالم و فقیہ اور بہترین مربی و مدرس و معلم تھے۔ ان کا ادارہ تعلیم و تربیت، محنت، لگن اور عبادت کے لئے مشہور و معروف ہے اور یہ ایک بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف حضرت مولانا محمد محب اللہ نوری صاحب کی عمر و علم اور رفعت میں برکتیں عطا فرمائے۔

شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ الازہری



دنیائے اہلسنت کے لئے خصوصی طور پر حضرت فقیہ اعظم شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد نور اللہ صاحب بصیر پوری کا وجود باعث رحمت و برکت تھا۔ آپ سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ جلسہ پر بشرط صحت تشریف لاتے تھے اور وہاں شرف ملاقات حاصل ہوتا تھا۔

ایک بار مدینہ شریف میں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا بندہ اپنے شیخ طریقت تاجدار گولڑہ حضرت قبلہ پیر سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف قبلہ بابو جی صاحب علیہ الرحمتہ کے ساتھ وہاں حاضر تھا حضرت مولانا کی زیارت ہوئی مواجہ شریف پر آپ کی حاضری آپ کی

محبت اور قلبی عقیدت کی آئینہ دار تھی جس سے ہر دل متاثر ہوتا تھا یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ بارہا دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا علمی اور فقہی مقام "فتاوی نوریہ" سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے آپ نے انتہائی دقیق مسائل پر بڑی فاضلانہ بحث کی اور تحقیق کا حق ادا کیا علمائے معاصرین نے آپ کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کیا آپ کا طرز استدلال انتہائی سلجھا ہوا ہوتا تھا۔ اور آپ کے عمیق فکر اور وسیع مطالعے کی نشان دہی کرتا تھا۔ اختلافی مسائل کو جذباتی انداز کے بجائے تحقیقی انداز میں حل فرماتے تھے علم تفسیر و حدیث میں بھی آپ کو گہرا ملکہ حاصل تھا اور احادیث کی تشریح انتہائی فاضلانہ انداز میں فرماتے تھے۔ (شیخ الحدیث علامہ) مشتاق احمد چشتی گولڑوی۔



حجتہ الاسلام فقیہ اعظم پاکستان علامہ الحاج ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ عصر حاضر کے ایک جید عالم تھے۔ وہ اپنے وقت کے زبردست محدث اور بلند پایہ فقیہ تھے۔ ان کی ہشت پہلو شخصیت مرجع خاص و عام تھی۔ وہ بیک وقت مفسر و محدث، فقیہ و مفتی، مدبر و حکیم، عالم و منطقی اور ان سب سے بڑھ کر سچے عاشق رسول تھے۔ اخلاق حسنہ، تقویٰ شعاری اور صاف گوئی و بے باکی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اور ان کی تمام صلاحیتیں اسلام اور صرف اسلام کے لئے وقف تھیں۔

ان کی تصانیف میں یوں تو بے شمار کتب پیش کی جاسکتی ہیں لیکن فتاویٰ نوریہ کو جو مقام حاصل ہے اس کا جواب نہیں۔ فتاویٰ نوریہ نہ صرف دینی معلومات کا ایک عظیم خزانہ ہے بلکہ اہلسنت و جماعت کے عقائد کا محافظ احکام اسلامی کا مظہر اور فقہ حنفی کے مطابق تمام جدید و قدیم مسائل کا مجموعہ ہے بلاشک وشبہ فتاویٰ رضویہ امام اہل سنت، امام احمد رضاخان، فاضل بریلوی قدس سرہ کے بعد فتاویٰ نوریہ ایک عظیم سرمایہ ہے جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

سید ریاست علی قادری۔ کراچی

آج سے غالباً بیس بائیس برس قبل اپنے ایک طالب علم ساتھی کے پاس رسالہ مکبر الصوت دیکھا پڑھا تو فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی علمی و فقہی ذہانت کا سکہ ذہن پر بیٹھ گیا۔ بعد ازاں ایک دو دفعہ بصیرپور شریف حاضری کا موقع ملا تو ذہن میں جو image تھا وہ اور پختہ ہو گیا۔ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف کی ایک بات جو اسے دیگر مدارس سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ وہاں پر تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکوں کی تربیت پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جو فی زمانہ مدارس میں کم ہی نظر آتی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ اس دارالعلوم کو صاحبزادہ محب اللہ صاحب کی سرپرستی میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔۔۔۔۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین۔

مفتی عبد الشکور ہزاروی، وزیر آباد



کافی عرصہ قبل یہاں جامعہ قادریہ (سرگودھا روڈ فیصل آباد) میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ اچانک تشریف لائے اور جامعہ کا معائنہ فرمایا۔ آتے ہی پہلے لائبریری دیکھی اور کتابوں میں دلچسپی ظاہر کی۔ اس وقت اسباق جاری تھے اور کلاسز پڑھ رہی تھیں۔ اساتذہ آپ کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے انہیں اسباق جاری رکھنے کا حکم دیا اور مختلف اساتذہ کا انداز تدریس ملاحظہ فرمایا۔ آخر میں باورچی خانے میں کھانے کا انتظام دیکھا اور پکا ہوا سالن ہتھیلی پر رکھ کر چکھا۔

مفتی محمد افضل صاحب

سیکرٹری جامعہ رضویہ۔ فیصل آباد



حضرت مولانا محمد اکمل صاحب فرماتے ہیں: کہ حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ ابتدا ہی سے نہایت ذہین ، طباع اور صاحب بصیرت طلباء میں سے تھے۔ ان کا شوق مطالعہ زمانہ طالب علمی میں بھی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ حمد اللہ ، قاضی مبارک ، خیالی ، شرح عقائد ، مطول صدرہ وغیرہ کتب میں ، میں حضرت محدث بصیرپوری رحمتہ اللہ علیہ کا ہم سبق اور ہم درس تھا۔ اور جب مولانا فتح محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھتے تو تمام طلباء میں نمایاں نظر آتے۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ تمام کتب انہیں پہلے ہی ازبر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا فتح محمد علیہ الرحمتہ آپ پر اسباق میں خصوصی توجہ فرماتے اور حتی الامکان کسی مبحث کو نظرانداز نہیں فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً تمام طلباء میں آپ کی شرافت و دیانت اور ذہانت و فطانت کی دھوم تھی۔ دیگر طلباء آپ کو اس عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے گویا آپ بھی درسگاہ کے استاد ہیں۔

حضرت محدث بصیرپوری کی استاذ سے محبت

صاحبزادہ میاں مشتاق احمد صاحب وٹو (جو کہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیرپور کا سالانہ جلسہ تھا اور حضرت مولانا فتح محمد صاحب کو بھی دعوت دی گئی تھی مگر آپ علالت کی وجہ سے شمولیت نہ فرما سکے اور آپ نے صاحبزادہ صاحب کو بھیج دیا۔ صاحبزادہ صاحب جب ٹرین سے بصیرپور اترے تو ریلوے اسٹیشن سے دارالعلوم تک دو رویہ سفیدی سے راستہ بنایا اور آرائشی محرابوں سے زینت دی گئی۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے بڑی عقیدت و محبت سے معانقہ کیا اور مجھے آگے چلنے کو کہا۔ لیکن میں نے انکار کیا تو حضرت دارالعلوم میں داخل ہوئے تو سیدھے مسجد کی طرف رخ کیا کیونکہ جمعتہ المبارک کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے جوتا اتار اٹھانے لگا تو حضرت قبلہ فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ نے شاگرد کو اٹھانے کا اشارہ فرمایا۔

محمد اسلم شاکر ، ڈونگہ بونگہ

صاحبِ فضل و کمال

مولانا عطا محمد گولڑوی

ذیل میں سیدی حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے بارے میں حضرات اکابرین کے تاثرات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فللہ الحمد

☆۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی ، ملتان

حضرت علیہ الرحمہ علم و فضل ، اخلاق حسنہ ، ورع و تقویٰ اور دیگر فضائل و مکارم میں بے مثال تھے۔

☆۔ ملک العلماء علامہ عطا محمد گولڑی بندیالوی ، خوشاب

حضرت مولانا علامہ ابوالخیر شیخ الحدیث فقیہ اعظم محمد نور اللہ صاحب میں مجدد ہونے کی علامت بدرجہ اتم موجود پائی جاتی ہے۔

☆۔ علامہ سید محمود احمد رضوی ، لاہور

وہ ایک عالم باعمل ، متقی ، پرہیزگار ، خدا ترس ، عابد و زاہد اور دینی رہنما تھے۔

☆۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی ، کراچی

آپ کا علم و تقویٰ علماء کے لئے مینارۂ نور تھا۔

☆۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی

آپ غیرت دینی ، عزیمت اور شہامت کی زندہ تاریخ اور اقبال کی خودی کے عملی ترجمان تھے۔

☆۔ مفتی محمد حسین نعیمی، لاہور

حضرت مولانا ان تمام خوبیوں سے متصف تھے جو کہ ایک عاشق الٰہی، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عالم باعمل، عارف، سالک اور وارث نبی میں ہونی چاہئیں۔

☆۔ شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی، اوکاڑہ

آپ اصحاب ترجیح سے تھے ان کے فتوؤں کے اندر اجتہادی شان اور مجتہدانہ بصیرت ہے۔

☆۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، لاہور

آپ ایک اجل فقیہہ، متجر عالم دین، درویش صفت بزرگ اور ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ تھے۔

☆۔ مولانا سید جلال الدین، بھکھی شریف

بلاشبہ حضرت کی شخصیت رسوخ علم اور خلوص عمل کی حسین تصویر تھی۔

☆۔ مولانا عبد الحق بندیال

جہاں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جاں فروشی کا وقت آیا آپ کفن بردوش ہراول دستہ میں نظر آئے۔

☆۔ پیر طریقت خواجہ نور جہانیاں، مہار شریف

حضرت قبلہ ایک رہبر دین اور فیض رساں عالم بے بدل شیخ الحدیث تھے۔

☆۔ مولانا سید خلیل احمد قادری، لاہور

حضرت نے حدیث، تفسیر، فقہ کی بہت بڑی خدمات سرانجام دیتے ہوئے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کئے رکھا۔

☆۔ علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، کراچی

آپ ایک جید عالم، فقیہہ اور بہترین مربی و مدرس و معلم تھے۔

☆۔ مولانا محمد معین الدین قادری شافعی، فیصل آباد

حضرت کسی ایک طبقہ کے محبوب نہ تھے بلکہ ہم سب کے محبوب پیشوا تھے۔

☆۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، آلو مہار شریف

حضرت فقیہہ اعظم دور حاضر کے امام ابو حنیفہ۔

☆۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی، سیال شریف

آپ کی ذات مجمع البحرین تھی جس میں علم ظاہر بحر بیکراں کی طرح متلاطم اور علم باطن بھی موج کوثر کی طرح فیض رساں تھا۔

☆۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری، لاہور

آپ کے ہم عصر اکابر علماء نے آپ کو فقیہہ اعظم تسلیم کیا۔

☆۔ علامہ غلام رسول سعیدی، کراچی

بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کو آپ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور ان میں اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار کیا۔ ایک وقت آئے گا کہ علماء آپ کے خیالات سے رہنمائی حاصل کریں گے۔

☆۔ مفتی غلام سرور قادری، لاہور

فقیہہ اعظم مسلک اہل سنت کے عظیم رہنما تھے اور حق گوئی و حق پرستی ان کا شیوہ تھا۔
حکمرانوں کی ہیبت اور ان کا جاہ و جلال حضرت والا کو حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔

☆۔ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی، فیصل آباد

میں نے آپ کو بہت قریب ہو کر دیکھا ہے۔ اہل علم کی ایسے ہی شان ہونی چاہئے۔

☆۔ مفتی عبد القیوم ہزاروی، لاہور

برصغیر پاک و ہند میں آپ نے فقہی میدان میں امتیازی مقام حاصل کیا۔

☆۔ علامہ مفتی فیض احمد، گولڑہ شریف

آپ تفقہ فی الدین، تبحر علمی اور سادگی میں علمائے سلف کا نمونہ تھے۔

۔ شیخ الحدیث علامہ مشتاق احمد چشتی گولڑوی، ملتان

حضرت نے علمی، تدریسی، تصنیفی، تحقیقی اور تبلیغی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

☆۔ مفتی شجاعت علی قادری، کراچی

آپ باوصف اپنی پیرانہ سالی کے فکر جواں کے قافلہ سالار تھے۔

☆۔ مفتی ابو العلاء محمد عبد اللہ قادری، قصور

بحر العلوم و الفنون، فخر الملت والدین، شیخ الاسلام فقیہ اعظم سنیت کا بیش قیمت سرمایہ تھے۔

☆۔ مولانا سید محفوظ الحق شاہ، بوریوالہ

جہاں آپ دریائے علم وفقہ کے شناور تھے وہاں فضائے طریقت کے شہباز بھی تھے۔

☆۔ مولانا سید مراتب علی شاہ گوجرانوالہ

آپ نے فتویٰ نویسی کے میدان میں اپنا علیحدہ مقام بنایا اور فقیہ اعظم کے نام سے مشہور ہوئے۔

☆۔ مولانا ابو داؤد محمد صادق، گوجرانوالہ

مولانا کا آخری دیدار کرنے والوں کا ایمان ان کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر تازہ ہو رہا تھا۔

☆۔ پروفیسر شاہ فرید الحق، کراچی

تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفےٰ، تحفظ حقوق المسلمین اور بحالی جمہوریت میں آپ کی خدمات تاریخ اسلام کا نمایاں باب ہے۔

☆۔ مفتی محمد خان قادری، لاہور

آپ مزاج اسلام اور اس کی روح سے آگاہ تھے۔

☆۔ حضرت ایک سبزہ زار تھے جہاں وادئ جہالت کے بھٹکنے والوں کو پناہ ملتی تھی۔

☆۔ مولانا احمد دین، منڈی یزمان

حضرت اپنے فن میں امام اور یکتائے روزگار تھے۔

☆۔ مولانا جمیل احمد نعیمی، کراچی

محدث شہیر، فقیہ کبیر، گلشن نعیمی کے سفیر، پیکر اخلاق و مروت اور مجسمہ ادب و محبت تھے۔

☆۔ مولانا ابو المعالی غلام نبی، کراچی

آپ کی دینی اور ملی خدمات منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔

☆۔ مفتی محمد اطہر نعیمی، کراچی

حضرت فقیہ اعظم کی شخصیت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی آئینہ دار تھی۔

☆۔ مولانا ابو الخیر محمد زبیر، حیدر آباد

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں آپ آسمان فقاہت کے ایک درخشندہ آفتاب تھے۔

☆۔ مولانا غلام دستگیر افغانی،

عالم سنیت کے نامور فقیہ، شیخ الاسلام، علامہ اور بطل جلیل تھے۔

☆۔ مولانا احمد میاں برکاتی، حیدر آباد

آپ کا شمار فقہاء کے اس زمرہ میں ہوتا ہے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے لئے جدید مسائل میں گفتگو کی راہ نکالی۔

☆۔ مولانا دلشاد حسین قادری، جہلم

آپ کے زہد و تقویٰ، عمدہ کردار اور علمی لیاقت و قابلیت کے مخالفین بھی معترف تھے۔

☆۔ **مولانا پیر محمد چشتی، پشاور**

آپ عالم با عمل تھے جو موجودہ معاشرے میں کرامت سے کم نہیں۔

☆۔ **مولانا محمد یوسف سیالوی، دینہ**

آپ نابغہ روزگار، بے مثال محدث، رہبر شریعت، پیر طریقت، اسلاف کی یادگار اور نشانی تھے۔

☆۔ **مولانا عبد التواب صدیقی، لاہور**

حضرت قبلہ نے جس حسین و جمیل اور محققانہ انداز میں بالخصوص مسائل جدیدہ کا حل پیش فرمایا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

☆۔ **انجینئر محبوب الٰہی رضوی، چونیاں**

حضرت مولانا نے نہایت سنجیدگی، خاموشی، اخلاص اور للہیت سے دین متین کی خدمت کی جو کہ اظہر من الشمس ہے۔

☆۔ **غلام دستگیر خاں، وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت**

مولانا سچے خادم دین اور عاشق رسول تھے۔

☆۔ **میر علی احمد تالپور، وفاقی وزیر دفاع**

حضرت مفتی صاحب ایک ممتاز عالم دین اور نہایت متقی انسان تھے۔

☆۔ **روزنامہ جنگ، لاہور**

مولانا ایک خاموش خادم دین تھے انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔

۵۰۔ روزنامہ مشرق، لاہور

علامہ کا وجود اس قحط الرجال میں پروردگار کی ایک خاص عنایت و رحمت تھا۔



حضرت فقیہِ اعظم علامہ مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہٗ کے وعظ، جمعہ، عیدین و نکاح

کے خطبات کا بے نظیر مجموعہ

خطباتِ نوریہ

مرتبہ

جانشینِ فقیہِ اعظم حضرت علامہ الحاج صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (اوکاڑہ)

ناشر

انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور ضلع اوکاڑہ

"اس وقت دنیا عجیب دور سے گزر رہی ہے۔ خصوصاً" علماء کی عجیب حالت ہے۔ علماء کا آپس میں لڑنا بھڑنا اور ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل و تفسیق کر رہے ہیں۔۔۔۔ وعظ ہے کہ وہ بھی اٹیک اور اعتراض کے رنگ میں یا صرف بعض فرقوں کا خیال کر کے کر رہے ہیں۔ اور ضروری مسائل، ارکان اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ یہ عجیب بات ہے اور سنت مبارکہ کے بالکل خلاف ہے۔۔۔۔ دل بڑا تنگ ہو رہا ہے، فرقہ بندی اور فساد پسندی ابنائے زمانہ سے"۔۔۔۔

مکتوب فقیہ اعظم بنام مولانا الحاج غلام حسین نوری ساہیوال

(محررہ ۲ مئی ۱۹۶۱ء)

نماز پنج گانہ اور نفل تہجد کا خیال آپ کے اہل خانہ بھی رکھیں اور ورود و وظائف پورے کرتے رہیں۔

(مکتوب فقیہ اعظم بنام حاجی سکندر علی نوری محررہ ۲۱ اگست ۱۹۷۲ء)

تقریر اچھی طرح سوچ سمجھ کر کیا کریں۔ کوئی مختلف فیہ یا متنازعہ مسئلہ ایسے رنگ میں بیان نہ ہو کہ جھگڑے اور فساد کا سبب بنے۔ نمازیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک و محبت سے رہا کریں۔ تہجد قضانہ کیا کریں۔

(مکتوب فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ بنام مولانا مسعود احمد نوری، ڈسکہ)

(محررہ ۴ جنوری ۱۹۷۲ء)

ممتاز معلم

مولانا محمد حفیظ نوری

دین مصطفوی (علیہ التحیتہ والتسلیم) کی بقاء و دوام اور عظمت کا راز جن اصولوں میں مضمر ہے، ان میں اشاعت و تعلیم دین کو مرکزی و بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود معلم کتاب و حکمت تھے اور امت کے لئے بھی یہ نسخہ کیمیا تجویز فرمایا کہ اس کا ہر فرد یا تو متعلم بن کر زندگی بدر کرے یا معلم بن کر جیئے۔۔۔ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور صالحین (علیہم الرضوان والرحمتہ) نے اسی اصول کو اپنایا اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر تحصیل علم کی اور پھر اس کی اشاعت و تدریس کے لئے بھی اپنی قوتوں اور مساعی کو صرف کر ڈالا۔

استاذ الاساتذہ، صدر المعلمین، شیخ الحدیث والتفسیر فقیہ اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی الاشرفی القادری قدس سرہ العالی چونکہ اسلام کی عظمت کے اس راز کو پا چکے تھے اور حکم خدا اور رسول (جل وعلا و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور طریقہ سلف آپ کی نظروں میں تھا، اس لئے تحصیل علم کے فوراً بعد آپ تدریس کی طرف متوجہ ہوئے اور پوری زندگی درس و تدریس میں گزار دی۔ بحیثیت مدرس و معلم آپ کی بہت سی اوصاف کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، مگر انحصار کے باعث سردست صرف ان اوصاف کا ذکر مقصود ہے جن کے سبب آپ کو دیگر مدرسین و معلمین پر تفوق و برتری حاصل تھی۔ اور جنہیں آپ کے تدریسی امتیازات اور خصائص کہا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت فقیہ اعظم (علیہ الرحمتہ) کسی خارجی ضرورت، وقتی مصلحت اور اتفاقی واقعہ کے باعث تدریس کے ساتھ تو منسلک نہیں ہوئے تھے بلکہ تدریس سے شغف کا عنصر آپ کی فطرت اور سرشت میں داخل تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کو درس و تدریس سے عشق تھا۔ اسی لئے جب آپ نے کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا تو اس خدشے نے سر ابھارا کہ کہیں مرشد کی طرف سے لمبے چوڑے وظائف کا حکم نہ مل جائے اور وظیفۂ تدریس میں غفلت اور کمی نہ آجائے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمتہ نے آپ کے اس فطری رجحان اور لگاؤ کو فراست ایمانی سے بھانپ لیا اور اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کرتے ہوئے فرمایا: "مولانا! آپ کو تدریس قرآن وحدیث کا وظیفہ دیا جاتا ہے"۔

(۲) درس و تدریس کا اہم اور نازک کام اپنے پورے برگ و بار کے ساتھ تبھی بار آور ہو سکتا ہے، جب مدرس و معلم کو خارجی دباؤ سے آزاد ماحول میسر آئے۔ ناظمین مدارس کے ضابطے بالعموم مدرسین کی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے نہیں دیتے۔ اس لئے حضرت فقیہ اعظم نے اپنا ذاتی مدرسہ قائم فرمایا۔ مختصر مدت کے لئے مختلف مدارس میں تدریس شروع کی مگر اس تجربے سے اس نتیجے پر پہنچے کہ تدریس کے لئے پاکیزہ اور آزاد ماحول ضروری ہے اس لئے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کی بنیاد رکھی اور صفت تدریس کو پورے طور پر نشوونما پانے کا موقع دیا۔

(۳) حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کا زمانہ تدریس اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب برصغیر کے طول و عرض میں مدرسین علوم دینیہ کی تعداد بہت محدود تھی۔ خصوصاً اہل سنت و جماعت کے مدارس بہت کم تعداد میں تھے موجودہ بھارت اور پاکستان کے علاقہ پنجاب میں صرف چار مدارس تھے۔ جن میں موجود مدرسین کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ قحط مدرسین کے اس دور میں مسند تدریس کو رونق بخشنا بھی آپ کے امتیازی اوصاف میں تھا۔

(۴) حضرت فقیہ اعظم ایسے کامیاب، تجربہ کار اور ماہر صاحب درس و تدریس تھے کہ

آپ کو علوم متداولہ کی تمام مبتدی و منتہی کتب پر بیک وقت عبور حاصل تھا۔ شیخ سعدی کی کریما سے لے کر صحاح ستہ تک منقولات و معقولات تک جس کتاب کو چاہتے، جب چاہتے اور جہاں سے چاہتے، پڑھا لیتے۔ آپ کے پاس زیادہ تر تفسیر وحدیث کے اسباق ہوتے، تاہم جب کوئی استاد رخصت پر چلا جاتا تو اضافی اسباق کی تدریس بھی فرماتے اور بغیر کسی فوری مطالعہ کے، کلاس کو بلاتے اور مقام سبق پوچھ کر تقریر سبق شروع فرمادیتے۔ طلباء اس بات کو غنیمت سمجھتے کہ حضرت فقیہ اعظم ان کا سبق لے رہے ہیں حالانکہ دیگر مدرسین یا تو معقولات میں مہارت تامہ کے حامل ہوتے ہیں یا منقولات میں پوری دسترس رکھتے ہیں۔ بعض مدرسین کو مبتدی کتب پر عبور حاصل ہوتا ہے اور بعض منتہی کتب پر دستگاہ رکھتے ہیں۔ مدارس میں موجود مدرسین کو انہی خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور ایک فن کی کتابوں کا ماہر دوسرے فن پر مشتمل کتب کے ساتھ کامل انصاف نہیں کر سکتا اور یہ ایک فطری امر ہے جسے غیر مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سکول و کالجز میں بھی اسی بنیاد پر پریڈ ہوتے ہیں اور اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جاتا ہے۔ تاہم حضرت فقیہ اعظم کو ابتدا سے انتہا تک تمام علوم وفنون کی تدریس کا ملکہ حاصل تھا اور یہ چیز آپ کے امتیازات اور خصائص میں سے تھی۔

(۵) بہت کم ایسے مدرسین ہیں جو اپنے شاگردوں کو اپنا ہمسر بنانا پسند کرتے ہوں۔ تلامذہ میں اپنے علوم کا عکس دیکھنے کی خواہش الگ چیز ہے مگر علوم وفنون کے جملہ پہلوؤں پر ہمسری کی مسند پر بٹھانے کی خواہش دوسری چیز کا نام ہے۔ درس و تدریس ہی نہیں کسی میدان میں کوئی استاد بھی اپنے پروردہ شاگردوں کو شہرت و ناموس میں اپنا ثانی بنانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کا یہ بھی امتیاز تھا کہ آپ خود فرمایا کرتے کہ میں تمہیں اس لئے علم پڑھاتا ہوں کہ تم فراغت کے بعد دوسروں کو جا کر پڑھاؤ۔ کئی مرتبہ تلامذہ کو فرماتے "میرے مشن پر عمل کرو، کامیاب ہو جاؤ گے"۔ پوچھا جاتا حضور، کون سا مشن؟ آپ فرماتے "پڑھنا اور پڑھانا"۔ آپ برملا کہتے "کوئی انسان بھی نہیں چاہتا کہ کسی دوسرے

انسان کو اپنا ساتھی اور ثانی بنائے لیکن میں تمہیں اس بات کی ترغیب دیتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم پڑھ پڑھ کر اتنے قابل اور ماہر بنو کہ میرے ساتھی اور ثانی بن جاؤ۔

(۶) بحیثیت ماہر تعلیم وتدریس حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بھی اعزاز تھا کہ آپ نے تعلیم و تعلم کے علاوہ پوری زندگی کسی اور شعبے سے وابستگی اختیار نہیں کی۔ آپ کولہو اور بیل کی مثال کو اپنے موافق حال قرار دیتے۔ یہ مثال اگرچہ ایک اعتبار سے منفی مفہوم رکھتی ہے مگر آپ اس کا مثبت پہلو بیان فرما کر اپنی مستقل مزاجی اور تدریسی انہماک پر چسپاں فرماتے کہ کولہو کے بیل کی طرح، ہمارا کام تو شب وروز ایک ہی کام میں لگے رہنا ہے اور جس طرح کولہو ایک ہی محور پر چکر لگاتا تھکتا یا اکتاتا نہیں بلکہ مالک کے حکم کا پابند اور ذاتی اغراض سے بے نیاز ہو کر مالک کی خدمت انجام دیتا ہے۔ ہم بھی مدینے والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کے پابند ہیں۔ اور تدریس دین متین کی خاطر تمام مفادات اور اغراض کو ان کے نام پر تج دیا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فراغت علوم کے فوراً بعد تدریس کا آغاز کر دیا اور یہ کام اپنی زندگی کے آخری ایام تک جاری رکھا، گویا آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث "**کن معلما او متعلما ولا تکن ثالثا**" کا عملی مصداق ومظہر تھے۔

(۷) حضرت فقیہ اعظم کا درس حدیث روایتی نہیں تھا۔ نہ وہ اسے ایک علم سمجھ کر انجام دیتے۔ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ڈوب کر پڑھانا آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ وہی احادیث، وہی روایات اور وہی مضامین پچاس برس تک زیر تدریس رہے اور ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ عشق ومحبت کے سمندر میں غوطہ زنی کی۔ "ماہئ بے آب کی طرح بے قرار ہوا اور مرغ بسمل کی طرح لوٹنا" ایسے محاورات کی عملی صورت تو اسی وقت سمجھ آئی جب حضرت فقیہ اعظم کو درس حدیث دیتے دیکھا۔ یہ خصوصیت یقیناً اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

(۸) تدریس کتب حدیث کے وقت آپ کے گردوپیش میں کتب کا انبار لگا رہتا۔ اور

بعض اوقات کسی ایک روایت کی تحقیق، درایت کے معیار، نظری مباحث، راوی کے ذاتی حالات اور کسی لفظ کی توضیح وتشریح کے لئے درجنوں کتب منگوتے اور تحقیق و تفحص کا وہ اعلیٰ معیار قائم فرماتے جو صرف سلف صالحین کا حصہ تھا۔

(۹) فریضہ تدریس میں رخصت آپ کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ بصیر پور سے باہر جانا ہوتا تو اوقات مدرسہ کے علاوہ کلاس بلا کر پڑھاتے۔ کبھی تہجد کے نوافل کے بعد، کبھی بعد از نماز فجر، کبھی بصیر پور کے اسٹیشن پر بیٹھ کر اور کبھی رات گئے واپس آ کر پڑھاتے۔ ذاتی نقصان، گھریلو مصروفیات اور خاندانی الجھنیں تدریس کے کام میں رکاوٹ نہ بن سکتیں۔ ایک چھوٹے صاحبزادے کی رحلت ہوئی تو تجہیز وتکفین کے بعد تدریس شروع فرمادی اور مرحوم صاحبزادے کی تدفین کا کام آپ کے والد مکرم حضرت مولانا ابوالنور علیہ الرحمتہ نے انجام دیا۔ آپ کو گردے کی تکلیف رہا کرتی تھی، بسا اوقات دوران سبق اس شدت کا درد ہوتا کہ لبوں کو دانتوں تلے دبا کر احساس درد کو کم کرتے اور پیچ وتاب کھاتے رہتے۔ اہل مجلس کا دل پسیج پسیج کر رہ جاتا مگر آپ پوری حوصلہ مندی اور مستقل مزاجی سے درس حدیث جاری رکھتے۔

اختتام مضمون پر درد گردہ سے متعلق ایک حقیقت کا بیان کر دیا جائے تو مضمون سے ہٹ جانے کے باوجود بے محل نہ ہوگا کہ بعد از فراغت تعلیم احقر نے آپ کی مزاج پرسی کی اور درد گردہ کے بارے دریافت کیا تو فرمایا "اب الحمد للہ آرام ہے، اگرچہ مکمل طور پر نہیں۔ اور اگر یہ درد بالکل نہ ہو تو میں ویسے بھی اداس ہو جاتا ہوں۔"(۱)

---

(۱) والد گرامی حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کو گردے کا درد کبھی نہیں ہوا۔ ہاں گردے کے قریب پیٹ میں شدید درد ہوا کرتا تھا۔۔۔۔ راقم کو یاد ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا پہلے پہل اس تکلیف کے باعث علاج معالجے کی طرف بھی توجہ دی مگر ایک حدیث میں پڑھا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ تکلیف ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد بحمد اللہ اس درد میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ (محمد محب اللہ)

عنایاتِ خسروانہ

مولانا عبدالجبار مجاہد نوری

۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ پہلی بار اپنے والد ماجد کی معیت میں حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ طبیعت لاابالی، تعلیم سے لگاؤ کا شعور تک نہ تھا۔ مگر نہ جانے کیا ہوا حضرت فقیہ اعظم کے جمال و کمال کی ایسی تھی کہ دیکھتے ہی پکار اٹھا ابا جی! میں یہیں پڑھوں گا۔ چنانچہ داخل ہوا۔ پڑھائی شروع کی اسباق میں دل جمعی کی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دن عرض کیا۔ حضور! مجھے سبق یاد نہیں ہوتا آپ نے فرمایا منہ کھولو! میں نے منہ کھولا آپ نے دم کرکے پھونک ماری۔ بحمد اللہ تعالیٰ بعدہ اسباق کا معاملہ نارمل ہوتا چلا گیا۔ اور پھر کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوئی۔ صرف کے سال آپ نے دو مرتبہ کلاس کا معائنہ فرمایا اور صیغے بتانے میں مجھے اولیت حاصل رہی ایک مرتبہ خوش ہو کر آپ نے مجھے انعام سے بھی نوازا۔ آپ کی شفقت و عنایت خسروانہ کا بیان میرے بس کی بات نہیں۔

۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبداللہ جان خان نوری جو بلوچ رجمنٹ میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے چونیاں اپنی یونٹ کے ساتھ آئے انہیں دنوں میرا بھی وہیں قیام تھا۔ موصوف عقیدتاً "دیو بندی تھے۔ ایک دن کہنے لگے مجاہد صاحب! میرے پاس ایک عربی کتاب ہے۔ جس کا اول و آخر مفقود ہے۔ اس کتاب کو میں جہاں جہاں گیا وہاں کے علماء سے پڑھنے کی کوشش کی مگر کوئی نہ پڑھا سکا۔ کراچی، کوئٹہ، راولپنڈی اور لاہور کے علماء کی خدمت میں حاضری دی مگر میری تعلیمی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

میں نے کہا جناب خان صاحب آپ میری اور اپنی رخصت لیں۔ اور میرے ساتھ

فقیہ اعظم کی خدمت میں حاضری دیں۔ انشاء اللہ العزیز آپ اپنے مقاصد پالیں گے۔ چنانچہ رخصت لیکر ہم دونوں بصیر پور شریف آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ موصوف نے آپ کی سادگی اور وضعداری کو دیکھا تو گنگنایا! کیا یہ پڑھائیں گے؟ نیز مجھے کہنے لگے مجاہد صاحب بس یوں ہی سفر کرایا الغرض، فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا کیسے آنا ہوا۔ میں نے عرض کیا یہ صاحب اپنے ساتھ ایک کتاب پڑھنے کے لئے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر اس کی نیت درست ہے تو بات بن جائے گی۔ نیز فرمایا۔ مولانا جائیے وضو کرکے آیئے۔ جب وضو کرکے وہ حاضر ہوا تو آپ نے کتاب کا نام وغیرہ بتایا اور پہلے ہی صفحہ کو اس انداز سے حل فرمایا کہ نصف کتاب کا مفہوم سمجھا دیا مولانا عبداللہ جان خاں صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً دیوبندیت سے توبہ کی اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اقبال نے ایسے ہی اللہ والوں کے بارے میں عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اعلان فرمایا ہے۔

عقل افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

☆ اسباق کے سلسلے میں میرا زیادہ تر اعتماد فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نظر عنایت اور دعائے مستجاب پر ہی رہا۔ دورہ حدیث شریف تک عموماً" میری خدمات دار العلوم کی اونٹنی وغیرہ کے لئے وقف تھیں، فارغ ہوا تو عرض کیا! حضور! اب میرا کیا بنے گا تعلیم تو خدمت کی نذر ہوتی رہی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا خادم کبھی محروم نہیں ہوا کرتے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جاؤ تم مناظر بنو گے! اس ارشاد نے میرے لئے علم و عمل کے دروازے کھول دیئے۔

چنانچہ آج تک .بفضلہ تعالیٰ مخالفین کے ساتھ سات بار مناظرہ کر چکا ہوں اور ہر بار فتح نے میرے قدم چومے، فقیہ اعظم کی دعا مجھ پر سایہ کناں رہی۔ دو موقعے ایسے آئے کہ مخالفین کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اور ان کی کتابیں بطور مال غنیمت ہمارے ہاتھ

لگیں۔

☆ جنگ ۱۹۷۱ء میں میری ڈیوٹی اسلحہ سپلائی پر تھی۔ شاہراہ قراقرم پر ایمونیشن لینے گیا گاڑی لوڈ کرتے رہے۔ اچانک حکم آیا کہ رات کو واپسی ہوگی۔ میرے دل میں آیا کیا ہی اچھا ہو کہ یہاں پر کسی اللہ والے کی زیارت ہو جائے۔ محترم جناب صوبیدار کرم داد صاحب نے کہا ہمارے ہاں ایک بزرگ شخصیت قیام پذیر ہے چلیں ان کی زیارت سے مستفیض ہو لیں تین، چار میل کی مسافت پر خیلو نامی ایک جھونپڑی نما بستی میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ حضرت صاحب بعد نماز ظہر جلوہ افروز ہوں گے ہم نے بھی نماز ظہر ادا کی۔ اتنے میں وہ بزرگ تشریف لائے اور ایک گول چبوترے پر بیٹھ گئے۔ میں آگے بڑھا۔ دست بوسی کی اور قدموں کو چوما موصوف کی شکل و صورت حضرت پیر طریقت میاں علی محمد چشتی نظامی بسی شریف سے مماثلت رکھتی تھی۔ اس بزرگ ہستی نے میری مودبانہ کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور دریافت کیا آپ کہاں سے آئے ہیں۔ عرض کیا! ساہیوال سے، فرمانے لگے بصیر پور کو جانتے ہو! عرض کیا! بصیر پور شریف ہی کا باشندہ ہوں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر کہا ذرا کھڑے ہو جائیے اور حرکت مت کریں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ تو انہوں نے میری پیشانی چومی، ہاتھ چومے اور پھر پاؤں پکڑ لئے۔ بزرگ شخصیت کے یہ حیران کن وفور محبت سے بھرپور جذبات دیکھ کر بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ عرض کرتا رہا حضرت آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ مجھے قسم یاد دلاتے رہے آخر میں نے عرض کیا آپ نے میرے ساتھ یہ والہانہ سلوک کس وجہ سے فرمایا۔ کہنے لگے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے بارے پابندیوں، دشواریوں اور مجبوریوں کی بابت عرض کیا تھا تو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب عنایت ہوا کہ اگر تمہیں دشواریاں درپیش ہیں تو کوئی بات نہیں بصیر پور میں میرے منظور نظر غلام محمد نور اللہ موجود ہیں ان سے ملاقات کر لینا۔ یاد تازہ ہو جائے گی۔ بیماری کے باعث وہاں تک تو نہ پہنچ سکا مگر آج فقیہ اعظم کے غلام سے تو ملاقات ہو ہی گئی ہے۔ آپ حضرت کی خدمت میں

حاضری دیں تو میرے سلام پیش کرنا۔ چنانچہ جب فقیہ اعظم کی خدمت میں پہنچا تو ان کو سلام پیش کئے۔ آپ نے مسلسل تین بار فرمایا۔ وعلیکم السلام، وعلیکم السلام، وعلیکم السلام اور ساتھ ہی آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ نیز آپ نے اس بزرگ شخصیت کا مکمل حلیہ بیان فرما دیا اور کہا بیٹے! وہ اس دور کے ولی کامل ہیں۔

☆ بابا کرم دین جفت ساز مرحوم جو عموماً" نماز باجماعت کی ادائیگی کے فوراً بعد پہلی صف سے آگے نکل کر ادھر ادھر ایک کونے سے دوسرے کونے تک چلنا شروع کر دیتا اور کہتا میں زیارت کرتا ہوں۔ بعض اوقات مجھے اس کی یہ حرکت پسند نہ آتی۔ چنانچہ میں نے ایک مرتبہ اس سے ناراضگی کا اظہار کیا تو فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! او مجاہد! اسے کچھ نہ کہو! میں نے اسے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسی طرح پھرتے دیکھا ہے! کیا کیا احوال و کوائف اور کرامات پیش کروں، میرے جذبات جوبن پر ہیں۔ مگر اختصار سے کام لیتے ہوئے انہیں چند باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ یار زندہ، صحبت باقی

پسِ دیوارِ زنداں

مولانا محمد اسمٰعیل نقشبندی

۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کو سیاسی دشمنی کی بنا پر سنٹرل جیل ساہیوال میں نظر بند کر دیا گیا تاکہ الیکشن میں کامیابی کے بعد اسمبلی میں حکمرانوں کے لئے امتحان نہ بن جائیں۔ مخالفین کو اس کے سوا اپنی کامیابی کا چارہ نظر نہ آیا۔ بناء علیہ قید و بند کی صعوبتوں سے آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ مجھے اسی دوران میں ہی آپ کی زیارت و ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر آپ کو جیل میں دیکھ کر اللہ کی بے نیازی کا بار بار خیال آتا کہ ایسی مقدس اور قاسم خیر و برکت ہستی کو یہ دن دکھائے جا رہے ہیں لیکن اس بندہ رضا کے ماتھے پر شکن تک نہیں، بلکہ بڑی نیاز مندی سے اپنا وظیفہ حیات درس و تدریس کو جیل میں جاری فرما دیا۔

صحیح بخاری شریف کا باقاعدگی سے درس شروع فرما دیا۔ وہاں کی رونق بڑھانے والے آپ کے ایمان افروز، اور روح پرور درس سے ہم سکون قلب کی دولت حاصل کرتے۔ دوران درس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک پر آنکھوں سے اشک ٹپک پڑتے جو عشق حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بلاشبہ دلالت کرتے۔ جیل میں اور لوگوں کے علاوہ مولوی حبیب اللہ رشیدی ناظم مدرسہ رشیدیہ ساہیوال بھی آپ کے درس میں شامل ہوتے رہے اور مجھے کہتے۔ مولانا ایسے ولی کامل کے آنسو رائیگاں نہیں جائیں گے۔ وہ کہتے میں نے بڑے بڑے علماء دیکھے ہیں مگر آپ جیسا عاشق رسول نہیں دیکھ پایا۔

فقیہ اعظم ناچیز پر جیل اور بعد میں بے حد شفقت فرماتے کئی سبب ہوں گے مگر جیل میں اخبار نہیں آتا تھا۔ خصوصاً ”نوائے وقت اور وفاق پر تو پابندی تھی کہ کسی بھی صورت یہ

اخبار اندر نہیں جا سکتے۔ جیل کا ایک محافظ سپاہی میرا شاگرد تھا۔ میں نے اسے ان اخباروں کی فرمائش کی وہ میری بات پر عمل کرتے ہوئے اخبار لے آیا۔ حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے تعجب سے پوچھا یہ کیسے یہاں پہنچے؟ تو میں نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ اس طریقہ سے ہمیں اپنے مطلوبہ اخبار پڑھنے کی سہولت میسر آئی۔ اس خدمت کے باعث آپ ہمیشہ شفقت سے نوازتے رہے۔

ایک مرتبہ میری گزارش پر میرے غریب خانہ پر بھی تشریف لائے۔ صبح درس قرآن سے لوگوں میں فیض تقسیم فرمایا۔ آپ کو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک بار میں نے مہر منیر سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے یہ اشعار سنائے۔

رو رو لکھئے چٹھے درداں بھریئے، پتہ پچھیں بغداد دے واسیاں دا
دیویں جا سنیہڑا دکھاں بھریا انہاں اکھیاں درس پیاسیاں دا
آہیں سولاں بھریاں سینے سڑے وچوں نکلن حال ایہہ سدا اداسیاں دا
تیرے مڈھ قدیم دے بردیاں نوں لوک دس دے خوف چپڑاسیاں دا
دستگیرتوں کر مہر مہر علی اتے کون باجھ تیرے اللہ راسیاں دا

یہ اشعار سنتے ہی آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور بے ساختہ آنسو بہہ نکلے اور مجھے فرمایا یہ اشعار خوش خط لکھ کر مجھے دینا۔ چنانچہ میں شعر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے سوڈا واٹر کی دو بوتلیں ایک مجھے دی اور دوسری میں سے آدھی آپ نے نوش فرما کر بقیہ تبرک مجھے عنایت فرمایا جو لطف اس دن اس نصف بوتل سے حاصل ہوا اس کی لذت بدستور قائم ہے شفقت کی بے شمار حکایات ہیں مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔



شاہکارِ تربیت

——— مولانا ابوظفر سید احمد شاہ نقوی

۱۹۷۸ء کا واقعہ ہے۔ راقم السطور ایک مسئلہ دریافت کرنے فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی رحمتہ اللہ علیہ بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ یہ عاشق مصطفےٰ، مظہر بوحنیفہ، واصف غوث الوری اپنی شان بے نیازی سے دار العلوم کے برآمدہ کی چھت پر تکیہ سجائے طلباء کرام کو درس دے رہے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں کے حوالہ سے گفتگو کا آغاز کیا۔ آپ نے انتہائی شفقت سے نوازا اور میرا سوال پوری توجہ سے سنا! سوال کچھ اس طرح سے عرض کیا!

ایک شخص مسجد کی تعمیر میں چندہ جمع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ الٰہی عطیہ دینے والے کے والدین مرحومین کو بروز قیامت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدموں میں جگہ عطا فرمائیں! نیز قبر میں حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف فرمائیں۔ دوسرا شخص ان دعائیہ کلمات کو سنتے ہوئے کہتا ہے۔ ایسی دعا جائز نہیں!

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! ایسی دعا کرنا جائز ہے۔ میں نے عرض کیا حضور والا! وہ شخص مانتا نہیں! آپ نے فرمایا وہ شخص بے ادب اور گستاخ انبیاء ہو گا اور ساتھ ہی فرمایا تمام جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا اور آخرت سبھی حضور کے قدموں میں ہے!

دوسرا واقعہ مجھے یوں پیش آیا۔ آپ علالت کے عالم میں جب میو ہسپتال داخل تھے تو آپ کے تلامذہ، طلباء، معتقدین اور مریدین کے علاوہ لاہور کے علماء کرام کا عیادت و تیمارداری کے لئے ہر وقت تانتا بندھا رہتا۔ میری خوش بختی کہ مجھے بھی وہاں آپ کی زیارت و تیمارداری

کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کی اتنی شدید بیماری میں قلبی کیفیت، آپ کے پر نور چہرے پر عیاں تھی ایسے محسوس ہوتا تھا کہ صبر و استقامت کا کوہ گراں اپنے چاہنے والوں کو تکلیف کا احساس تک نہیں ہونے دیتا۔ ایسی صورت میں دل عاشق ذکر محبوب سے متحرک تھا!!

ایمرجنسی وارڈ کے قریب باہر لان میں دار العلوم کے مدرس، علماء، طلباء قیام پذیر تھے، حضرت استاذ العلماء مولانا الحاج ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری رحمتہ اللہ علیہ کو بھی وہاں موجود پایا۔ جو بڑی سادگی سے مرصع تھے، فقیہ اعظم کی پر تاثیر تربیت کے جلوے ان سے پھوٹ رہے تھے۔ عصر سے عشاء تک فقیہ اعظم کی تربیت و حکمت کے شاہکار دیکھتا رہا۔ مغرب کے بعد وہی ہسپتال میں عیادت کرنے والوں نے بازار سے کھانا لانے کے لئے کہا تو علامہ ابوالضیاء فرمانے لگے آپ لوگوں کا جو دل چاہے کھاؤ، مجھے تو صرف ایک خشک روٹی اور آدھ پاؤ دودھ لا دو!

آپ کی زبان سے جب یہ جملے سنے تو میں بہت حیران ہوا۔ اتنی عظیم شخصیت ہزاروں علماء کا استاد لیکن طبیعت کی سادگی اور انکساری کا یہ عالم! نہ کھانے میں تکلف نہ پہننے میں بناوٹ، نہ اعلیٰ قسم کا کھانا، نہ لباس امیرانہ، اسی طرح سادگی کا ایک اور مجسمہ حضرت مولانا علامہ الحاج صوفی محمد ہاشم علی نوری کی صورت میں فردوس نگاہ ہوا ان سے ملکر مزید خوشی ہوئی۔ ان بلند پایہ علماء اور سادہ سی صورتوں کو فقیہ اعظم کی مبارک تربیت اور اخلاص اور اخلاق کی حسین ترین کرامات سے تعبیر کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

علماء و طلبا دار العلوم کی وہاں نماز پر پابندی اس نہج پر تھی کہ ایک دو صاحب فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے اور باقی تمام دوست قریبی مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے چلے جاتے ان کے آنے پر خادم بھی نماز ادا کر لیتے آپ کی تربیت کے یہ اعلیٰ نمونے ہمیشہ پیش نظر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فیضان فقیہ اعظم کو ہمیشہ جاری رکھے اور چشمہ علم و عرفان دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کو حضرت صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ نوری کی امارت میں اوج کمال تک پہنچائے۔ آمین۔

فراستِ ایمانی

مولانا حافظ محمد نوری

میرے والد ماجد مولانا محمد ابراہیم نے میری ولادت سے قبل نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے فرزند عطا فرمائے گا تو اسے حافظ قرآن بنایا جائے گا۔ چنانچہ میری پیدائش پر اسی نیت کی تکمیل کے لیے میرا نام محمد حافظ رکھا۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد حسب نذر مجھے ایک غیر مقلد سکول ٹیچر کی عیاری کے باعث راجووال وہابیہ کے مدرسہ میں داخل کرایا گیا مگر وہابی اساتذہ و طلباء کی گستاخانہ حرکات سے میرا دل اچاٹ ہوگیا۔ مسجد میں شیخ الحدیث تک جوتے پہن کر چلتے پھرتے' قرآن پاک فرش زمین پر رکھ دیتے' اذان بلا طہارت کہتے۔ چھ ماہ کے عرصہ میں صرف ڈیڑھ پارہ یاد کرپایا۔ اسی دوران میں میرا سامان بھی وہابیہ نے چرا لیا۔ یکے بعد دیگرے ان کے ایسے قبیح افعال دیکھ کر میں راجوال کے مدرسہ وہابیہ کو چھوڑ کر گھر آیا اور تمام حالات سے والدین کو آگاہ کیا۔ قسمت نے یاوری کی اسی اثناء میں بصیرپور شریف سے عبدالرحمان حجام شادی کے دعوت نامے دینے ہمارے گاؤں آیا۔ والد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو میری تعلیم کے سلسلہ میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو اس نے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور میں داخلے کا مشورہ دیا۔ دوسرے دن ہم دارالعلوم حاضر ہوئے۔ مدرسہ کی زیارت کرتے ہی والد صاحب خوش ہو گئے اور مجھے حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پیش کردیا۔ مذکورہ مدرسہ کے احوال سنتے ہی فرمایا۔ ایسے طالب علموں کو لازماً" داخل کرلیتے ہیں جو غیر مقلدین وغیرہ مدارس میں پڑھتے رہے ہوں۔ تاکہ ان کا عقیدہ درست

ہو سکے۔ آپ نے فوری طور پر استاذ الحفاظ قاری غلام رسول صاحب نوری مدظلہ کو طلب کیا اور مجھے ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا اس بچے کا خاص خیال رکھنا' پڑھائی شروع ہوئی' دل مطمئن ہوتا چلا گیا اور سبق کا یہ عالم تھا کہ میں آگے سے یاد کرکے سنا دیتا۔ آپ دارالفرقان تشریف لاتے تو معمول کے مطابق فرماتے بیٹا! پڑھائی اچھی ہو رہی ہے۔ عرض کرتا بہت اچھی۔

اسی سال مجھے بیماری نے گھیر لیا۔ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری رحمتہ اللہ علیہ نے علاج شروع فرمایا۔ ایک ڈاکٹر صاحب سے بھی دوائی لیتا رہا۔ میری حالت بگڑتی گئی چلنا مشکل ہوگیا۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی شفقت بڑھتی رہی۔ آپ تشریف لاتے اور نہایت کریمانہ انداز میں فرماتے بیٹے حوصلہ کرو۔ جلد صحت پاؤ گے۔ ایک دن فرمانے لگے گھر چلے جاؤ جب صحت ہو جائے تو آجانا میں نے عرض کیا بیماری کی حالت میں گھر نہیں جانا! القصہ۔ میں چند دن بعد تندرست ہوگیا۔ دارالفرقان میں اس وقت مولانا محمد منشا تابش قصوری بھی قیام پذیر تھے۔ سبق کے لیے دارالعلوم چلے جاتے اور باقی وقت ادھر پاس کرتے۔ میرے ساتھ موصوف کا سلوک نہایت مشفقانہ رہا۔ کیونکہ ہم ایک ہی علاقے کے رہنے والے تھے۔ صحت یابی پر میرا گھر جانا ہوا تو دیکھا کہ میرا چھوٹا بھائی غلام محمد سخت علیل ہے۔ مگر میں تین چار روز کے بعد دارالعلوم آگیا۔ پھر اچانک ایک دن خط ملا کہ میرا بھائی غلام محمد اللہ کو پیارا ہوگیا ہے۔ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے رخصت عطا فرمائی اور گھر جانے کی تاکید کی۔ کم عمری میں اپنی بیماری اور بھائی کی وفات کے باوجود میں نے صرف پندرہ ماہ کی مدت میں چودہ پارے یاد کر لیے' بلاشبہ یہ میرا کمال نہیں تھا بلکہ فقیہ اعظم کی کرامت تھی۔

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ میں نے قرآن کریم حفظ کرلیا۔ کچھ درس نظامی میں بھی سوجھ بوجھ پیدا ہوئی تعلیم جاری تھی کہ میری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ رونما ہوا وہ یہ کہ

میرے درویش صفت والد گرامی مولانا محمد ابراہیم وصال فرما گئے اور تمام صوری و معنوی، دینی و دنیوی ذمہ داریوں کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر پڑ گیا' مخالفین مذہب و ملت کہانیاں تراشنے لگے اب دیکھیں گے اس خادم دین متین کو! کیسے دین کی خدمت کرتا ہے! مگر فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر و استقامت سے اپنے مقدس مشن پر گامزن رکھا۔ خواب میں اشارہ پا کر بندہ نے فقیہ اعظم کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف پایا۔ چار ساتھی اور بھی میرے ہمراہ اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے جن میں ملک محمد دین صاحب نوری بھی شامل تھے۔ حضرت ابوالنور مولانا محمد صدیق صاحب چشتی علیہ الرحمتہ کے مزار اقدس کے قریب اس نعمت سے سرفراز ہوئے۔ ملک محمد دین صاحب نوری کو آپ نے خصوصیت سے تاکید کی کہ ہر نماز کو تونے دو مرتبہ ادا کرنا ہے۔ نہ جانے اس میں کیا راز تھا۔ تاہم موصوف کو کشف القبور کا علم حاصل ہو گیا۔

۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء میں آپ کی زیر صدارت ہمارے گاؤں میں جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہوا۔ آپ کی شفقت کریمانہ سے خوب ثمر پایا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تمہارے ہاں میں پانچ نمازیں ادا کروں گا۔ چنانچہ آپ میرے گاؤں فتح پور نماز ظہر سے قبل تشریف لائے۔ حضرت علامہ غلام حسین علیہ الرحمتہ اور مولانا ثناء اللہ نوری آپ کی معیت میں تھے۔ بعد نماز ظہر جلسہ شروع ہوا اکناف و اطراف سے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید سے برکات حاصل کرنے آئے۔

بعد نماز عشاء جلسہ کی آخری نشست تھی۔ جس میں علامہ غلام حسین علیہ الرحمتہ کے خطاب کے بعد آپ کا منفرد، محبت و عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز بیان شروع ہوا۔ عاشقانہ انداز کلام سے خلقت سیراب ہو رہی تھی۔ انوار و تجلیات کا روح پرور سماں پیدا ہو چکا تھا، بجلی کی روشنی بہار پر بہار تھی۔ ایسا منظر لوگوں کی نگاہوں میں پہلی دفعہ گھوم رہا تھا۔ آپ نے اپنے فیوض و عرفان کو رات گئے تک تقسیم فرمایا پھر صلوٰۃ و سلام کے سایہ میں آپ

کی دعائے نور پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ ۴ اپریل ۱۹۷۴ء کو نماز فجر کے بعد کئی دوست حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

ایک اہم واقعہ جو باعث عبرت ہے درج کئے دیتا ہوں کہ میرے گاؤں کا ایک شخص "مختار احمد" نے مجھے مجبور کیا کہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کراؤ۔ اس کے اصرار پر ہم بصیر پور حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ یہ اس قابل نہیں۔ یہ گستاخ و بے ادب ہو جائے گا۔ چنانچہ بعد میں آپ کے کلمات حرف بحرف پورے ہوئے۔ وہ کراچی سے گستاخ زمانہ شخص کیپٹن عثمانی صاحب کا معتقد ہو گیا اور پھر اس نے انبیاء، اولیاء اور صالحین کی گستاخیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

آپ فراست کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ جس کی ایک مثال ذاتی طور پر پیش کرتا ہوں۔ میرے دل میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاً للہ سے متعلق وسوسے پیدا ہوئے، اس روحانی بیماری کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ درس حدیث دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے انہیں کلمات کے جواز میں تفصیل سے روشنی ڈالی اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کو بڑے پیارے اور اچھوتے انداز سے بیان فرمایا کہ بیٹھے بیٹھے بلا عرض کئے میری بیماری کی تشخیص کی اور علاج بھی فرما دیا۔ **اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ** کی نظیر حاصل ہو گئی نیز فرمایا حافظ صاحب اس وظیفہ کو تم بھی پڑھا کرو!

صاحبِ بصیرت

——— مولانا حکیم صابر علی وٹو

جب میں دار العلوم میں داخلہ کے لئے حاضر ہوا۔ فجر کی جماعت ہو چکی تھی، محرم الحرام کا مہینہ تھا میرے نانا جان اور برادر اکبر مجھے اپنے ساتھ لیکر فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور داخلہ کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا! محرم الحرام میں کسی طالب علم کو داخل کرنا میرا معمول تو نہیں مگر اسے داخلہ دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی پیشانی سے ہویدا ہے کہ یہ ضرور پڑھے گا اگرچہ تنگ بھی کرے گا۔ باتوں باتوں میں میرے نانا جان نے عرض کیا ہم نے مولانا ابو الیسر محمد اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ سے سفارشی خط بھی لیا تھا مگر افسوس کہ اس خط کی حفاظت نہ کر سکے۔ وہ میری جیب میں قدرے رقم کے ساتھ ہی ضائع ہو گیا۔ بہرحال آپ نے بڑی دلجوئی فرمائی اور خصوصی کرم سے نوازا۔ میری تعلیم کا آغاز ہوا۔ وقت گزرتا گیا۔ علم بڑھتا گیا، حتی کہ منتہی طلباء میں مجھے ممتاز مقام پر سمجھا جانے لگا۔ میں بڑی کتابوں کے باعث کافی رات تک مطالعہ میں مصروف رہتا، اسی کے باعث فقیہ اعظم نے میری ڈیوٹی لگائی کہ جو طالب علم ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں جائے یا طلباء مطالعہ کے بجائے باتوں میں مصروف ہوں انہیں روکیں اور کسی سے قطعاً" رعائت نہ برتیں۔ جب مجھے فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے اختیار مل چکے تھے تو ان کے بروئے کار لانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چنانچہ ایک شب میرے دوست جناب سید محمد محبوب شاہ پاک پتنی اپنے کمرہ نمبر ۹ میں ایک دوسرے کمرہ کے ساتھی کے ہمراہ محو گفتگو تھے۔ میں اپنے کمرہ نمبر ۱۱ سے ان کے پاس گیا اور متنبہ کیا۔

مگر وہ مصروف گفتگو رہے، پھر سمجھایا باز نہ آئے تو میں نے باوجودیکہ وہ میرا دوست تھا۔ مگر قانون کی پاسداری میں دوستی کو حائل کرنا قرین انصاف نہیں۔ چنانچہ میں نے اسے تین چار طمانچے رسید کر دیئے۔

صبح فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے طلب فرمایا۔ اور سختی سے فرمایا کہ تو نے سید کو پیٹا ہے میں نے قانونی اختیار کا حوالہ دیا۔ مگر آپ نے سادات کرام کے ادب و احترام کے پیش نظر مجھے نہ صرف معافی طلب کرنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا اس فعل کی پاداش میں تجھے یہ سزا دی جاتی ہے کہ تین یوم تک ہر نماز میں شامل ہونے والے نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو۔ میری حالت قابل رحم تھی۔ میں اپنے آپ کو اس معاملہ میں قطعاً" مجرم تصور نہیں کرتا تھا۔ طوعاً" و کرھا" سزا پر عمل شروع کر دیا۔ مگر پڑھائی کے بجائے چھپ چھپ کر شب و روز روتا رہتا اور بار بار خیال آتا یہ عجیب معاملہ ہے خود ہی محافظ بنایا اور خود ہی کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ اس سزا سے میرا اکھڑپن اور مغرور دماغ کا بڑی عمدگی سے آپ نے آپریشن فرمایا۔ اصلاح و تربیت کا یہ نرالا انداز میں بعد میں سمجھا، جب مجھے سزا کا تصور سامنے آتا ہے تو سزا نہیں انعام محسوس ہوتا ہے جس کے باعث میری زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔

غوث اعظم کا جھنڈا

راقم السطور جامع مسجد کھجور والی یونین پارک سمن آباد لاہور میں خطابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ سنی اکثریت کے باوجود دیوبندیوں نے مکاری و عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب کہ میں نے مسجد کے صدر دروازے پر یا غوث اعظم دستگیر، جلی قلم سے نقش کرا دیا یہ اس وقت کی بات ہے جب اہل سنت و جماعت کے احباب نے بیداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسجد کو دیوبندیوں سے آزاد کرا لیا تھا مگر وہ متحد تھے۔ انہوں نے مختلف دفعات پر پانچ مقدمے فراڈ کے درج کرا دیئے۔ آفیسر، جج اور دیگر سرکردہ شخصیات ان کی طرفدار تھیں۔

معاملہ عدالت میں تھا اور عدلیہ ان کی پاسداری کر رہی تھی۔ حالات نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے کہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی لاہور تشریف آوری کی خبر ملی۔ آپ جناب الحاج محمد اسحاق نوری کے ہاں دروانہ والا قیام فرما تھے۔ میں نے مسجد انتظامیہ سے کہا کہ میرے استاذ گرامی لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں ان سے ملاقات کریں اور پریشانی سے نجات کے لئے دعا کرائیں۔ چنانچہ میرے ساتھ محمد اسلم فردوسی اور چوہدری محمد صدیق صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے۔ فردوسی صاحب نے ماجرا بیان کیا اور مسجد میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ آپ نے مشروط طور پر دعوت منظور فرمائی' ارشاد ہوا عصر کی نماز وہاں مسجد میں ادا کروں گا۔ فردوسی صاحب نے کھانے کی بھی دعوت دے دی۔ بہرحال ہم واپس آئے میں نے اپنے گھر کہا! میرے پیرو مرشد نے فردوسی صاحب کے ہاں کھانا تناول فرمایا تو میں بیعت توڑ دوں گا کیونکہ ان کے ہاں ایسے صاحب بصیرت انسان کا کھانا کھانا میرے نزدیک مناسب نہیں۔

القصہ آپ تشریف لائے۔ نماز آپ کی اقتداء میں ادا کی آپ نے دعا فرمائی احباب نے مقدمہ کے سلسلہ میں عرض کیا تو ارشاد فرمایا تم کوشش کرتے رہو۔ ہم نے غوث اعظم کا جھنڈا گاڑ دیا ہے اسے اب کوئی نہیں اکھاڑ سکے گا۔

اتنے میں فردوسی صاحب نے بڑے رازدارانہ طریقہ سے کہا۔ میں دفتر سے گھر آیا۔ تو ذرا ستانے کے لئے لیٹا ہی تھا کہ مجھے نیند نے آدبوچا۔ کیا کروں! میں کھانے وغیرہ کا انتظام ہی نہیں کر سکا۔ جب کہ احتیاطاً" راقم اپنے غریب خانہ پر دعوت شیراز کا اہتمام کر چکا تھا۔ فقیہ اعظم کی بصیرت و فراست کا جو اس دن برملا ظہور ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔ الحمد للہ اب وہ مسجد کلی طور پر اہل سنت کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ مقدمات انہیں ایام میں ختم ہو گئے تھے اور اس وقت مولانا عطاء محمد صاحب گولڑوی' فاضل دار العلوم حنفیہ فریدیہ خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

فقیہ اعظم کی نگاہ فراست

مولانا محمد ضیاء الدین نوری

فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی ختمی مرتبت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و رتبے کی عظمت و رفعت کو اجاگر کرنے اور بارگاہ رسالت میں گستاخی کے بڑھتے ہوئے فتنے کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں۔ کے دلوں میں حب رسالت ماب کی جوت جگانے میں صرف فرما دی۔ حبیب کبریا علیہ التحیتہ والثناء کی محبت و اطاعت آپ کی رگ رگ میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اپنے تو اپنے بیگانے بھی برملا اقرار کرتے ہیں کہ فقیہ اعظم واقعی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف اور نعتیہ کلام نے لاکھوں دلوں کو عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حلاوت سے آشنا کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ کی حیات جہاں تاب ہمارے لئے فیوض و برکات اور روحانی توجہات کا خزینہ ہے۔

یہاں شیر گڑھ ضلع اوکاڑہ میں حضرت داؤد بندگی کرمانی علیہ الرحمتہ کے مزار پر انوار کی جامع مسجد میں دینی خدمات سرانجام دینے کے لئے قبلہ فقیہ اعظم نے مجھے بھیجا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ شیر گڑھ اور مضافات کا علاقہ مکمل طور پر اہل تشیع کے کنٹرول میں ہے اور کسی سنی عالم دین کو یہاں جامع مسجد میں دین کی خدمت ادا نہیں کرنے دیتے۔ اور ہر طرح سے ڈرا دھمکا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

چنانچہ مجھے بھی یہاں آکر ابتدائی طور پر بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حالات کے پیش نظر میرے والد گرامی مولانا احمد دین صاحب نوری زید مجدہ اور حضرت مولانا علی محمد نوری وہاڑی اور مولانا غلام حسین صاحب نوری رحمتہ اللہ علیہ نے فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی

خدمت میں عرض کیا کہ مولانا محمد ضیاء الدین نوری کو شیر گڑھ سے واپس بلالیں۔ وہاں کے حالات کے مطابق ان کا رہنا ان کی جان کے لئے خطرناک ہے۔ جب قبلہ فقیہ اعظم نے ان حضرات کا مشورہ سنا تو فوراً جلال میں آکر فرمایا۔ کہ شیر گڑھ کی جامع مسجد میں خطابت اور دینی خدمات کے لئے مولانا ضیاء الدین نوری کو میں نے بھیجا ہے۔ وہ وہیں رہ کر دین کی خدمت سرانجام دیں گے۔ آپ حضرات کو ان کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ یہ حضرات فقیہ اعظم کے فرمان کے پیش نظر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بندہ نے شیر گڑھ واپس آنے کے لئے قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا بیٹے! واپس شیر گڑھ جا کر حضرت داؤد بندگی کرمانی علیہ الرحمتہ کے مزار پر حاضری دینا اور ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور پھر کہنا کہ میرا ہاتھ فقیہ اعظم نے آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اب میری حفاظت آپ کے ذمہ ہے اور خود بے فکر ہو کر (رسول اللہ صلی علیہ وسلم) کے دین کی خدمت ادا کرنا۔ چنانچہ بندہ نے واپس آکر ایسا ہی کیا۔ اور آج تک قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اس کرامت اور روحانی برکت سے مستفیض ہو کر بلا خوف وخطر جامع مسجد شیر گڑھ میں دینی خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔

مجھے اب بھی کامل یقین ہے کہ ۱۹۷۸ء سے لے کر تا حال یہاں شیر گڑھ (جو حقیقتاً شیعہ گڑھ تھا) میں میرا دین کی خدمات سرانجام دینا قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی کامل ولایت اور روحانی برکات کا نتیجہ ہے۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

مدینہ پاک کا پلاؤ

تحریر: مولانا نذر محمد نوری

۱۹۸۰ء کا سال میرے لئے انتہائی سعادت و فیروز بختی کا حامل تھا کیونکہ اس سال مجھے مدینہ طیبہ میں حاضری کی نعمت عظمیٰ نصیب ہو رہی تھی۔ کرم بالائے کرم یہ کہ مسجد نبوی شریف میں خدمت خاص پر ملازمت بھی عطا ہو چکی تھی۔ برادران طریقت مولانا الحاج رشید احمد بھٹی نوری اور مولانا الحاج محمد بخش نوری بھی زیارت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہو رہے تھے، مدینہ طیبہ کے یہ دن اور راتیں ہمارے لئے حاصل حیات تھیں۔ الحاج محمد اسحاق نوری بمع اہل و عیال مدینہ پاک حاضری دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا گرامی نامہ فردوس نگاہ بنا جس میں فقیہ اعظم، اماں جان، حضرت کی صاحبزادی صاحبہ اور مولانا الحاج محمد اسد اللہ صاحب نوری کی حج و زیارت کے لیے آمد کی خوشخبری تحریر تھی۔

گرامی نامہ پڑھتے ہی میں نے مذکور الصدر حضرات کو اس بشارت سے آگاہ کیا اور ہم آپ کی آمد کے لئے چشم براہ رہے۔ حتی کہ آپ اپنے مختصر مگر مقدس قافلہ کو لئے مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ زیارت و قدم بوسی کی ہمیں سعادت حاصل ہوئی، چونکہ میں ڈیوٹی مسجد نبوی میں ہی انجام دے رہا تھا اس لئے مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا زیادہ موقعہ مل جاتا۔ گاہے گاہے آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتا آپ کے قبول فرمانے پر دلی راحت پاتا۔ عموماً" انناس کا جوس پسند فرماتے۔ کیونکہ قدرے گرمی تھی اور یہ مشروب ایسے موسم میں زیادہ مفید تھا۔

ایک دن میرے رفقاء نے فرمایا حضرت قبلہ فقیہ اعظم آپ کو یاد فرمارہے ہیں۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ اماں جان اور صاجزادی صاحبہ کو پردے کا حکم فرمایا اور پھر مجھے اپنے پاس بلایا اور پلاؤ عنایت کیا' ساتھ ہی شفقت بھرے انداز میں گویا ہوئے یہ آپ کا حصہ ہے دوسرے ساتھی اپنا اپنا حصہ کھا چکے ہیں اس عنایت کریمانہ پر میرے جذبات کی کیفیت نہ پوچھئے۔ مجھے دار العلوم کا منظر یاد آیا۔ جہاں اماں جی کے ہاتھوں سالہا سال لنگر کھاتے رہے بلکہ مجھے تو لنگر کی تقسیم کی سعادت حاصل رہی۔ اور آج مدینہ طیبہ میں اماں جی اور صاجزادی صاحبہ کا تیار کردہ پلاؤ حصہ کی خصوصی نسبت سے کھا رہا ہوں۔ حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی شفقت و عنایت اور لطف کریمانہ کے کس کس واقعہ کو قلم و قرطاس کی زینت بناؤں اور کن کن کیفیات عاشقانہ کو بیان کرو۔ میرے سامنے دار العلوم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ٹی وی سکرین پر تیزی سے گھومتی ہوئی تصاویر کی طرح آرہا ہے۔ مگر طوالت کے پیش نظر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ امید کہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب خوانوں مجھے بھی کوئی گوشہ مل جائے

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

عظیم شخصیت

مولانا نذیر احمد واجد

حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی عالی مرتبت شخصیت سے کون آگاہ نہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ کے نقوش جن خوش نصیب لوگوں نے دیکھے ہیں ان سے پوچھا جائے تو ممکن ہے کہ وہ چند جھلکیاں بھی بیان نہ کر سکیں۔ کہ آپ کا فیضان کتنا تھا۔ جلال و کمال اور جمال کیسا تھا کیونکہ آپ عالم' عامل' کامل' محدث' مفسر' فقیہ زمان اور مفتی اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ قطب زمانہ کے منصب پر فائز تھے۔ آپ کے اوصاف مبارکہ' اخلاق کریمانہ اور فیضان شاہانہ پر حضرت رومی کا شعر کتنی عمدگی سے دلیل بن رہا ہے۔

فیض حق اندر کمال اولیاء
نور حق اندر جمال اولیاء

فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ جب بھی گفتگو فرماتے تو کوئی بھی سامع عوام میں سے ہو یا خواص سے' علماء ہوں یا طلباء اپنے دیرپا اثر چھوڑ جاتی خصوصاً" طلباء کو جو ہمیشہ اپنی شفقتوں' عنائتوں اور مہربانیوں سے نوازتے رہتے اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جتنا آپ کے دل مبارک میں تھا میں نے آج تک کسی میں موجزن نہیں دیکھا۔ دار العلوم حنفیہ فریدیہ میں جب کہ میں طالب عالم تھا اپنی آنکھوں سے آپ کی صبح دیکھی' شام دیکھی' دن دیکھا' رات دیکھی' آپ کا وضو دیکھا' نماز دیکھی' نوافل دیکھے' شب بیداری دیکھی' آپ کی مسکراہٹ دیکھی اور خشیت الہیہ میں رقت کا منظر اور چشمان مبارکہ کا جاری ہونا دیکھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا محمد شریف صاحب نوری قصوری رحمتہ اللہ علیہ

اور راقم السطور دونوں حضور قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم دونوں مل کر نعت شریف سناؤ۔ ارشاد مبارک پر عمل کرتے ہوئے دونوں نے آپ کی کہی ہوئی نعت شریف پڑھنی شروع کی۔ جس کا پہلا شعر ہے۔

پیارے خدا دوا دے شفا دے
وچھوڑے دے مارے جواوے و ساوے

جب ہم اس شعر پر پہنچے

جدائیاں نے پیہہ پیہہ کے دل کیتا پپو
مدینے دی گلیاں دا گھٹا بنا دے

تو آپ کی چشمان مبارک سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے۔ آپ نے بار بار یہی شعر پڑھوایا اور جب تک پڑھتے رہے آنسوؤں کا تسلسل قائم رہا۔ بسا اوقات میں نے دیکھا جب آپ طلباء کو احادیث پاک پڑھاتے آپ کی آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک قابل دید ہوتا آپ کی طبعیت مبارک کی کیفیت سمجھنا محال ہو جاتا تا۔ ایسی کیفیت کو محب اور محبوب کے سوا کوئی دوسرا نہیں پاسکتا۔

جیہڑا وچھڑیا نہیں اپنے یار کولوں اوہ درد دی لذت کی جانے
پتہ دل دا دل دے محرم نوں کوئی ہور بیگانہ کی جانے

یہ ناچیز ایک مرتبہ بصیر پور شریف آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے نہایت کریمانہ انداز سے میری خیریت دریافت فرمائی۔ بعد ازاں فرمانے لگے واجد تو نے کوئی نیا کلام لکھا ہے (واجد کا تخلص بھی آپ نے ہی عطا فرمایا تھا اور اس کی وجہ ابھی انشاء اللہ عرض کروں گا) میں نے عرض کی حضور! نئی نعت شریف تو نہیں لکھی البتہ "دسی" کے بارے میں چند پنجابی اشعار لکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنایئے میں نے عرض کی حضور صرف ایک رباعی یاد ہے آپ نے فرمایا وہی سنا دو۔ میں نے یہ اشعار سنائے۔

اجل آکھیا سسے تسے نی وصل دی آس مٹا بھی دے
مرنا تھلاں وجہ لکھیا لیکھ تیرا دلوں باغ بھنبھور بھلا بھی دے
کرلاں ماریئے چھڈ دے ترلیاں نوں ملک الموت نوں جان پھڑا بھی دے
سسی آکھدی واجدا بھلا ہووی ہک وار تے پنوں ملا بھی دے

یہ اشعار سنتے ہی آپ نے پردردسی آہ لی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ساتھ ہی فرمانے لگے۔

ملا لیندا آہناں ایں تامینوں دی ملا

(میں ادباً" خاموش رہا۔ کچھ دیر کے بعد بندہ نے اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت فرما دی۔

اب رہا تخلص واجد کا ذکر تو اس کا سبب یہ ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں مجھے شاعری کا شوق تھا۔ دن کو اسباق ہوتے اور رات کو مغرب کی نماز کے بعد عشاء کی نماز تک زیر اسباق کتب کا مطالعہ ہوتا اور عشاء کی نماز بڑی لیٹ پڑھی جاتی۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد تمام طلباء اپنے اپنے کمروں میں سو جاتے۔ عشاء کی نماز کے بعد کسی کو اپنے کمرے میں دار العلوم کا تیل، دیا یا بتی میں جلانے کی اجازت نہ تھی چونکہ اس وقت دار العلوم حنفیہ فریدیہ میں بجلی نہیں تھی اس لئے مطالعہ بھی لالٹینوں میں مٹی کا تیل جلا کر کیا جاتا۔ میں نے ایک اپنا ذاتی دیا بنا تھا۔ جب حضرت قبلہ فقیہ اعظم آرام فرمانے کے لیے گھر تشریف لے جاتے میں اپنا دیا روشن کر کے شاعری کا شوق پورا کرنے بیٹھ جاتا۔ حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا معمول مبارک تھا کہ ایک دفعہ گھر تشریف لے جا کر کچھ دیر کے بعد پھر دار العلوم میں تشریف لا کر طلباء کا جائزہ لیتے۔ کون سو رہا ہے کون جاگتا ہے کون کیا کر رہا ہے۔ مجھے بہت زیادہ سوچنے کے باوجود بھی مکمل یقین نہیں ہو سکا تھا کہ آپ رات کے کس وقت آرام فرماتے تھے۔ کیونکہ عشاء کی نماز کے بعد تقریباً" دس گیارہ بجے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر گھنٹے یا نصف گھنٹے کے بعد طلباء کا

جائزہ لینے تشریف لے آتے۔ پھر آپ تقریباً" ایک بجے یا ڈیڑھ بجے تہجد کے لیے دفتر میں تشریف لے آتے اور فجر کی نماز کی سنتیں دفتر میں ہی ادا فرما کر مسجد میں تشریف لے جا کر فجر کی نماز پڑھاتے۔ حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے دفتر میں رات کو موم بتیاں جلا کر روشنی فرماتے۔ میں نے کئی مرتبہ تہجد کے وقت دفتر میں سے آپ کے رونے کی آواز سنی۔ خداوند کریم ہی جانتا ہے کہ آپ سجدے میں رونے کی لذت اٹھاتے یا دست بدعا ہو کر۔

قدسی کہتے ہوں گے تیری شب بیداری وا واہ
الفت محبوب میں آنسو ہیں جاری واہ واہ
(واجد)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ آپ طلباء کے حالات دیکھنے کے لئے تشریف لاتے ہر کمرہ ملاحظہ فرماتے۔ اس وقت آپ کے دفتر کی اور کمروں کی کچھ ساخت ہی ایسی تھی کہ تین طرفوں میں کمرے تھے اور درمیان میں آپ کا دفتر تھا۔ ہر کمرے کا باہر کی جانب ایک ایک دروازہ اور اندر ہر کمرے میں ایک ایک چھوٹا سا دریچہ بنا ہوا تھا اس طرح کہ آسانی سے گزر کر ایک دوسرے کے کمرے میں جا سکے۔ اس طرح پہلے کمرہ میں داخل ہو کر انسان آخری کمرہ سے نکل جاتا تھا۔ ایک رات قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے معمول مبارک کے مطابق میرے کمرہ میں تشریف لائے میں لحاف اوڑھے اپنی شاعری میں مصروف تھا۔ مجھے آپ کے تشریف لانے کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کتنی دیر سے میرے پیچھے کھڑے میری شاعری دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر مجھے ہلایا اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ رکھ دو اور سو جاؤ۔ اتنا فرما کر آپ گھر تشریف لے گئے۔ صبح ہوئی تو میں فکر مند تھا کہ خدا جانے آج مجھے کیا سزا ملے۔ میرے دل میں خیال تھا کہ جب ہم سبق پڑھنے کے لیے حاضر ہوں گے سزا ملے گی ورنہ سخت ناراض ہوں گے۔ ہمارے اسباق غالباً مشکوۃ شریف، جلالین شریف اور بیضاوی شریف آپ کے پاس تھے مگر آپ نے کسی بھی سبق میں کچھ نہ کہا۔ میرا فکر قدرے کم

ہوا۔ دن کے بارہ بجے لنگر شریف کھانے سے فارغ ہوئے تو قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے دفتر میں تشریف لائے اور کسی طالب علم کو بھیجا کہ نذیر احمد کو بلاؤ میں ڈرتا ڈرتا حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ رات والے کاغذات جو تو لکھ رہا تھا لے آ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے کاغذات دیکھے ان اشعار میں میرا تخلص لکھا ہوا تھا' دردی۔ آپ نے فرمایا' یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور شاعری کا شوق ہے اور دردی میں نے اپنا تخلص رکھا ہے۔ آپ نے نہایت شفقت سے فرمایا دردی نہیں تیرا تخلص واجد ہے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپ نے ایک دو شعر اپنے بھی میرے اشعار میں اپنے دست مبارک سے لکھ دیئے۔ بڑے پیار سے فرمانے لگے۔ ابھی تیرے پڑھنے کا وقت ہے اپنا گھر چھوڑ کر اپنے والدین اپنے بہن بھائیوں سے دور جس مقصد کے لئے آئے ہو وہ مقصد پورا کرو۔ اس کے بعد زندگی میں شاعری بھی ہوتی رہے گی۔ بڑے پیار سے اور بڑی شفقت سے آپ کا یہ فرمان ہدایت بندہ کو زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔

یاد آتی ہے ہمیشہ ہر گھڑی' ماضی تیری
بھول سکتی ہی نہیں بوالخیر فیاضی تیری
(واجد)

نور اللہ تعالی مرقدہ وجعل اللہ تعالی مقامہ فی جنتہ الفردوس۔



مستجاب الدعوات

شیخ محمد ایوب۔ ایس۔ ایم

ٹکٹ مل گئے

۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے اسٹیشن 'بصیر پور تا کراچی کے دو صد ٹکٹ گم ہو گئے۔ تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے۔ پریشانی کے عالم میں ایک دن جامع مسجد نور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ٹکٹوں کی گمشدگی کا معاملہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کریں، ٹکٹ مل جائیں گے۔ پھر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے حاضرین بھی دعا میں شامل ہوئے بعد از دعا فرمایا، جائیے! اطمینان سے اپنا فرض ادا کیجئے ٹکٹ انشاء اللہ مل جائیں گے۔ اس وقت مکرم جناب احسان الحق صاحب اسٹیشن ماسٹر تھے۔ صبح اپنی ڈیوٹی پر آئے چار بجے بعد از ڈیوٹی اپنے کوارٹر پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ گم شدہ ٹکٹ ان کے صحن میں پڑے ہوئے ہیں۔ موصوف نے ٹکٹ اٹھائے، خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ فقیہ اعظم کی دعائے خاص کی برکت تھی کہ ہم دو ہزار کی خطیر رقم کے نقصان سے محفوظ ہو گئے۔

انسپیکشن نہیں ہوگی

۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے کہ اس وقت کے ریلوے چیئرمین جو نہایت سخت گیر آفیسر مشہور تھے انہوں نے ہمارے اسٹیشن کی انسپیکشن کرنی تھی۔ میری طرح تمام سٹاف گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا میں نے حسب معمول فجر کی نماز آپ کی اقتداء میں ادا کی اور دعا کے لئے خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ تمام روائیداد گوش گزار کی آپ نے دعا فرمائی اور ارشاد ہوا۔ آپ اپنی

تیاری مکمل کریں۔ مگر یاد رکھیں انسپیکشن نہیں ہوگی۔ میں مطمئن تھا کہ آپ کا فرمان پورا ہوگا اور دعا اپنا اثر دکھائے گی دوسرے ہی دن اے ٹی او (ATO) صاحب تشریف لائے اور کہا میں دفتر سے چیکنگ کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ کل تمہاری انسپیکشن ہے۔ میں نے کہا جناب آپ چیکنگ کریں مگر یاد رکھیں ہماری انسپیکشن نہیں ہوگی۔ کہنے لگے تجھے کس نے کہا ہے۔ میں نے کہا میرے پیرو مرشد نے فرمایا ہے۔ اس نے کہا میرے بھی پیر نے کہا ہے۔

القصہ اگلے روز قصور اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ تیار رہو انسپیکشن ٹیم بصیر پور کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ ہیرا سنگھ سے پھر مطلع کیا گیا۔ لیکن جونہی گاڑی بصیر پور کے بیرونی سگنل پر آئی تو ڈرئیوار نے اشارہ دیا گاڑی بصیر پور نہیں رکے گی انسپیکشن حویلی وساوے والا اسٹیشن کی ہوگی۔ چنانچہ اس سچے واقعہ کے ظہور پذیر ہونے پر اے ٹی او صاحب میرے پاس دوبارہ تشریف لائے اور کہنے لگے مجھے اپنے پیر کامل کی خدمت میں لے چلو۔ میں انہیں حضرت قبلہ فقیہ اعظم کی خدمت میں لایا۔ اور وہ آپ ایسی مستجاب الدعوات شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کر کے حلقہ نوریاں میں شامل ہو گیا۔

صبح صادق کا آپریشن

مولانا قاری محمد عمر اوکاڑوی

۱۹۸۲ء میں مولانا صبح صادق نوری فاضل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف، سخت بیمار ہوئے ان کی والدہ ماجدہ فقیہ اعظم کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئیں۔ آپ نے دعا فرمائی۔ موصوف اس وقت دیپالپور ہسپتال میں داخل تھے۔ ڈاکٹر نے بیماری کی نازک کیفیت کے باعث لاہور لے جانے کا مشورہ دیا۔

مولانا صبح صادق نوری کو سروس ہسپتال لاہور میں جس وقت لایا گیا۔ جمعرات کی شب تھی اور دوسرے دن جمعتہ المبارک کے باعث ڈاکٹر صاحب رخصت پر تھے۔ تاہم نائبین نے داخل کر لیا لیکن آپریشن کے بارے میں کہا کہ منگل یا بدھ کے علاوہ اپریشن نہیں ہو گا۔ احباب و رفقاء کی پریشانی بڑھنے لگی۔ غربت کے باعث اتنے دن لاہور ایسے مقام پر ٹھہرنا مزید تکلیف پر دلالت کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں اچانک بڑے ڈاکٹر صاحب جن کا نام ڈاکٹر شبیر احمد تھا۔ تیزی سے آئے اور بلا کسی کے بتائے دریافت کرنے لگے۔ رات کو صبح صادق نام کا مریض داخل ہوا ہے وہ کہاں ہے۔ عرض کیا یہاں ہے تو فوری طور پر اس نے ایمر جنسی کیس کے تحت ڈاکٹروں کی ٹیم طلب کی اور حکم دیا کہ مریض کو آپریشن روم میں لے چلو۔ میں اس کا آپریشن اپنی نگرانی میں کراؤں گا۔

جب اس حیران کن تیزی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ آج مجھے نہایت نورانی صورت شخصیت کی زیارت ہوئی ہے اور اس نے مجھے تاکیدی حکم دیا ہے کہ میرا بیٹا صبح صادق اتنی علالت کے سبب تمہارے ہسپتال میں داخل ہو چکا ہے اس کا فوری آپریشن کریں۔ چنانچہ یہ معاملہ مسلسل تین بار خواب میں ظہور پذیر ہوا۔ ہسپتال چلا آیا۔ معلوم کرنے پر بعینہ تعبیر سامنے آئی اس لئے ہم سعادت سمجھتے ہوئے اس کی خدمت کر رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا صبح صادق نوری بلا فیس ہسپتال میں رہے اور شفایابی کے بعد خدمت دین متین میں بحمدہ تعالیٰ مصروف ہیں مرید کے جامع مسجد جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے فیضان و عرفان روحانی سے آج بھی غلاموں کو نواز رہے ہیں۔

ایک کرامت

سلیم الٰہی طالب النوری

نابغہ عصر، آفتاب علم و دانش، کوہ عزم و ثبات، مظہر حق و صداقت، غیرت دین متین، قافلہ سالار حریت، حدی خوان کاروان امت، خیرہ خواہ مسلمین، عابد سحر خیز، مفسر کلام الٰہی، بالغ نظر مجتہد، نازش علم و عمل، جامع فضل و کمالات، مخزن تقویٰ و طہارت، رہبر شریعت و طریقت، ناشر رشد و ہدایت، ماہر علوم و فنون اسلامیہ، بقیتہ السلف، حجتہ الخلف، استاذ الاساتذہ، محدث اعظم، فقیہ اعظم الحاج مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ذات والا صفات کے بارے کیا کیا تحریر کیا جائے اور وہ کون ہے جو مجمع کمالات شخصیت کا حق تعارف ادا کر سکے۔

خودداری، بصیرت، اصابت رائے، پختگی فکر، دقت نظر، زہد و تقویٰ، ظاہر و باطن میں یکسانیت، جہاد فی سبیل اللہ کا شوق، جہد مسلسل کا ولولہ، پہاڑوں کی طرح عزائم، ستاروں کی طرح روشن خیالات، چاند کی طرح شفاف کردار، سورج کی طرح ہر ایک پر علم کی کرنیں ڈالنے کی خو، سمندر کی طرح وسیع علم، زمین کی طرح ہموار گفتگو، دریاؤں کی طرح رواں دواں طبیعت اور ہمہ گیر صلاحیتوں سے مرصع وجود مسعود کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ اعظم کے شرف سے ممتاز فرمایا۔

جب میں پہلی مرتبہ بصیر پور گیا تو گھر سے داڑھی منڈوا کر روانہ ہوا۔ دار العلوم کے سالانہ اجلاس میں رات نشست کے بعد دربار حضرت فقیہ اعظم پر حاضری دی اور کافی دیر تک دعا مانگتا رہا۔ اسی رات میں نے حضور سیدی فقیہ اعظم کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد محب اللہ نوری کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا دعا کے بعد دربار مقدس کے

پاس ہی لیٹ گیا اور آنکھ لگ گئی۔ میں نے کئی بزرگوں کی سفید و سیاہ داڑھیوں کی زیارت کی۔ دل میں خیال آیا کہ کتنی دیر تک سنت مصطفےٰ سے محروم رہا ہوں۔ اسی وقت سے میں نے داڑھی رکھنے کا ارادہ کرلیا۔ اور پھر اس سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مجھے عملاً دوام نصیب ہوا۔ یہ تھی حضور سیدی فقیہ اعظم کے وصال مبارک کے بعد کی کرامت جس کے باعث مجھے مکمل یقین حاصل ہوا کہ اولیاء کرام وصال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں اور اپنے روحانی فیض سے درس ہدایت دیتے رہتے ہیں۔

حضرت قبلہ فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ عاشق رسول تھے۔ کروٹ کروٹ آہ سرد نکلتی اور یہ الفاظ زباں مبارک سے نکلتے یا رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وسلم اور یوں محسوس ہوتا جیسے دل محبوب کے ہجرو فراق میں رو رہا ہے۔ ع رنگ زردو آہ و سردو چشم تر۔ پاس بیٹھنے والے بھی تڑپ جایا کرتے تھے۔ ایک ایک حدیث پر آپ کا یہ حال ہوتا۔ حدیث مبارکہ **لایومن احد کم حتی اکون احب الیہ الخ** کے مصداق تھے اور ایسے ہی والذین امنوا اشد حبا للہ کی عملی تصویر! جیسے آپ کو اللہ اور اس کے محبوب کے ساتھ محبت تھی ویسے ہی قرآن مجید و احادیث مبارکہ کے ساتھ بھی عشق تھا سارا دن قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پڑھاتے گزر جاتا لیکن جب عصر کی نماز پڑھنے کے بعد فارغ ہوتے چھٹی کے وقت تو پھر قرآن مجید کی منزل شروع کر دیتے۔ یہ سب عشق، پیار، محبت اور لگن کی بات تھی۔ ایسے ہی جب کسی عقیدت مند کی دعوت قبول فرماتے تو سبق پڑھا کر جاتے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جب تیار ہو کر اسٹیشن پر آتے گاڑی وقت سے گھنٹہ یا کم وبیش لیٹ ہوتی تو واپس تشریف لا کر پڑھانا شروع کر دیتے یا وہیں پر درس شروع ہو جاتا تا آنکہ ریل آجاتی۔ یہ سب عشق و محبت کا غلبہ تھا۔ اسی طرح ایک ایک سنت پر آپ کا عمل عشق و محبت اسلام و سنت کو ظاہر کرتا ہے۔ ع = زندگی عشق محمد ہست وبس

(مولانا محمد اشرف چشتی، حجرہ شاہ مقیم)

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی حضور علیہ الصلوۃ السلام کے طریقے کے مطابق بسر کی۔ ضعیفی کے عالم میں بھی آپ نے نماز مسجد میں پڑھنا پسند فرمائی اور کھڑے ہو کر پڑھتے تھے حالانکہ بڑی مشقت سے کھڑے ہوتے تھے اس فقیر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے آپ کا اکثر یہ طریقہ تھا کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور اگر دارالعلوم میں تشریف لے آتے تو یہاں آ کر تلاوت فرماتے تھے کیونکہ یہ وقت اسباق سے فارغ ہوتا تھا اور نماز کے بعد **لقد جاء کم رسول من انفسکم** تلاوت فرماتے تھے جماعت بھی خود بڑی پابندی سے کرواتے تھے۔ تقریباً چھ سال حضور کے پیچھے جماعت کی سعادت حاصل ہوئی آپ تمام طلبہ کرام کو نماز کی تاکید فرماتے تھے۔ جب ماہ رمضان کی چھٹیاں فرماتے تو خصوصاً فرماتے کہ بیٹا جب گھر جاؤ تو نماز کو پابندی سے پڑھنا اور اگر پابندی سے نہ پڑھو گے تو تمہارے والدین برا اثر لیں گے۔ بلکہ فرماتے تھے جن کا والدین نہ پڑھتا ہو تو ان کو بھی تاکید کرنا۔ اگر دارالعلوم میں کوئی طالب علم جماعت سے رہ جاتا تو اسے سختی سے فرماتے تھے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور کبھی کبھی ایک وقت کی روٹی بند فرما دیتے تھے۔ سزا کے طور پر حاجی محمد شفیع سے فرماتے کہ آج اسے روٹی نہیں دینی۔ بہر حال حضور کا مقصد تھا تربیت = پابندی سبق

سبقوں کی بہت پابندی فرماتے تھے تمام اساتذہ کرام کو بھی پابندی سبق کی تاکید فرماتے تھے اور خود بھی سبق پڑھانے کی بہت پابندی فرماتے تھے چنانچہ ایک دفعہ لاہور جانے کا ارادہ فرمایا۔ گاڑی کا وقت ہو گیا آپ اسٹیشن پر تشریف لائے تو پتہ چلا کہ ابھی تو گاڑی تو کچھ تاخیر سے آئے گی آپ حضور فرمانے لگے چلو واپس دارالعلوم چلیں ظہر کے بعد سبق پڑھا لوں۔ حالانکہ ابھی صبح کا وقت تھا آپ حضور تکلیف کے باوجود عمر بھر بخاری و مسلم شریف پڑھاتے رہے۔ (مولانا شبیر محمد نقشبندی، اختر آباد)

(صفحہ ۱۷۱ سے آگے)

کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان میں خصوصی شرکت

اکتوبر ۱۹۷۸ء / ۱۳۹۸ھ

جماعت اہلسنّت پاکستان کے سینئر مرکزی نائب صدر مقرر ہوئے۔ آخر عمر تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

۱۹۷۸ء / ۱۳۹۸ھ

آپ عراق و شام کے راستے مدینہ پاک حاضر ہوئے اور بغداد شریف، کربلائے معلی نجف اشرف، کوفہ، بصرہ، دمشق، حلب وغیرہ شہروں میں متعدد مقبولان بارگاہ الٰہی کے مزارات پر حاضری دی۔

۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ

دارالعلوم کے امور اپنے فرزند اصغر حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کو تفویض فرمائے۔

۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ

آپ کے داماد حضرت مولانا علامہ ابو محمد محمد فیض الرحمٰن کوثر علیہ الرحمہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ انہالی شریف کا انتقال۔

۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء / ۹ صفر ۱۴۰۰ھ

پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں فتاویٰ نوریہ کی تقریب تعارف۔۔ حضرت فقیہ اعظم کی موجودگی میں مفتی محمد حسین نعیمی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، راجا رشید محمود اور مولانا تابش قصوری نے مقالات پڑھے جب کہ علامہ احمد علی قصوری سٹیج سیکرٹری تھے۔۔

۴ جون ۱۹۸۰ء / ۲۰ رجب ۱۴۰۰ھ

سیدی فقیہ اعظم نے فضلائے دارالعلوم کے کثیر اجتماع میں حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ

نوری مدظلہ کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے مہتمم کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا اور تحریری سند سے نوازا

۱۴ فروری ۱۹۸۱ء / ۱۴۰۱ھ

دارالعلوم کے سالانہ اجلاس کے موقع پر صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ نوری مدظلہ کو آپ نے تمام سلاسل میں اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

۱۵ جون ۱۹۸۱ء / ۱۲ شعبان ۱۴۰۱ھ

فتاویٰ نوریہ جلد اول کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا

ستمبر ۱۹۸۱ء / ذیقعد ۱۴۰۱ھ

آخری حج

۱۹۸۱ء / ۱۴۰۱ھ

آخری عمرہ و حاضری مدینہ منورہ

۱۹۸۲ء / ۱۴۰۲ھ

ملتان ہسپتال میں آپ کا ہرنیا کا آپریشن ہوا۔

نومبر ۱۹۸۲ء / محرم ۱۴۰۲ھ

آپریشن کے بعد صحت یاب ہو کر بصیر پور واپس تشریف لائے۔

۲۲ نومبر ۱۹۸۲ء / صفر ۱۴۰۳ھ

فتاویٰ نوریہ جلد سوم کی اشاعت

ستمبر ۱۹۸۳ء / ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ

علالت نے شدت اختیار کی۔

یکم اپریل ۱۹۸۳ء / جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

دیپال پور ہسپتال میں داخل کیا گیا

۲ اپریل ۱۹۸۳ء ر جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

میو ہسپتال لاہور

۴ اپریل ۱۹۸۳ء ر جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان ایک بج کر چند منٹ پر دنیائے اسلام کا عظیم فقیہ اس دارفانی سے راہی دار البقا ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء ر یکم رجب المرجب ۱۴۰۳ھ

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے تقریباً تین بجے سہ پہر نماز جنازہ پڑھائی۔ دار العلوم کے شرقی کونے میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں (جہاں آپ درس حدیث دیا کرتے تھے) تدفین ہوئی۔

۱۶ اپریل ۱۹۸۳ء ر ۲ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ

بعد نماز فجر سوئم کا ختم۔ اس موقعے پر دار العلوم کے مدرسین، فضلاء اور متعلقین نے حضرت صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کے ہاتھ پر وفاداری کی بیعت کی۔

۱۷ اپریل ۱۹۸۳ء ر ۳ رجب المرجب ۱۴۰۳

تقریب چہلم --- ملک بھر کے ممتاز علماء و مشائخ نے شمولیت فرمائی۔ آپ کے جانشین علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کی دستار بندی ہوئی۔

۱۹ مئی ۱۹۸۳

ماخذ و مراجع

مقالہ بعنوان "حیات فقیہ اعظم" (صاحبزادہ مولانا محمد محب اللہ نوری)

فتاوٰی نوریہ جلد اول ایڈیشن سوم لاہور ۱۹۹۱ء

حیات فقیہ اعظم (مولانا شبیر احمد شاہ ہاشمی) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

انوار حیات (تذکرہ جلیلہ از مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری علیہ الرحمہ) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

محبوب شخصیت

تحریر: مولانا محمد جعفر ضیائی قادری

آن بھی نوری، شان بھی نوری
تن من جسم و جان بھی نوری

محبوب اولیاء، امام اصفیاء، مقتدائے اتقیاء، واصف مصطفیٰ، نائب غوث الوریٰ، پیکر عقدہ کشا، محسن ملت، جہان محبت، تاجدار طریقت، صاحب شرف و عزت، مرکز عقیدت، بدر سنیت، پروانہ شمع رسالت، آفتاب معرفت، ماہتاب ہدایت، کتاب حق و صداقت، معدن جود کرامت، شہنشاہ علم و قلم، مجموعہ حلم و کرم، محدث افہم، موثر متکلم، فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی، قادری، اشرفی علیہ الرحمتہ والرضوان اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنی مثال آپ تھے، ان کا ہر عمل شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولتا مبلغ تھا، وہ ہر لمحہ داعی خیر۔ ان کی ایک ایک ساعت انوار اسلام سے مستنیر تھی، درس و تدریس سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا وہ "کریما" سے لے کر جملہ کتب حدیث کے حافظ معلوم ہوتے تھے، تمام علوم و فنون پر عبور حاصل تھا، مسائل ان کے سامنے ہاتھ باندھے جواب بن کر کھڑے رہتے۔ اکابر کے لئے مجسمہ ادب تھے، اصاغر کے لئے شفقت کا سحاب کرم، ان کے ہاں طلباء کرام کو مہمانان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل۔ اس لئے اپنے فرزندان گرامی سے بھی زیادہ ان کی ناز برداریاں اٹھاتے، علاقہ کے غرباء ان کی بارگاہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو امراء سے بھی بڑھ کر صاحب عزت تصور کرتے وہ متکبرین کو پرکاہ کی بھی حیثیت نہ دیتے، ارتکاب کبائر سے بچانے کے لئے عوام کالانام کو حلقۂ نوریاں میں داخل فرماتے، آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک سانس، ذکر خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز تھا۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے، یگانے و بے گانے آپ کی محفل میں اپنا اپنا حصہ ضرور پاتے، اخلاص و محبت اور تہذیب و اخلاق کے جلوے آپ ہمیشہ بکھیرتے رہے۔ صحابہ و اہل بیت مصطفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایمان کی جان اور احترام اولیاء کرام کو بخشش کا سامان سمجھتے۔

فقیہ اعظم نمبر

حصّہ دوم

حصہ اول کی کامیاب اشاعت کے ساتھ ہی
حصہ دوم کی تیاری مستعدی سے جاری ہے

جس میں برصغیر پاک و ھند کے علماء و مشائخ
کی گراں قدر آراء نمبر کی زینت ہوں گی

فضلاء و علما بصیر پور

اور فقیہ اعظم کے متوسلین و معتقدین اپنی نگارشات
جلد از جلد دفتر ماہنامہ نور الحبیب کے پتہ پر
ارسال کر کے شمولیت کی سعادت حاصل کریں

مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور